UNIVERSAL
LIBRARY
OU_224862
UNIVERSAL
LIBRARY

Cover Printed at the Calcutta Art Press, Katra Baryan, Delhi.

بچوں کے لئے مذہبی اور تاریخی کتابیں

آخری نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختصر اور آسان زبان میں لکھے ہوئے پاک حالات قیمت ۲ر

ہمارے نبی سیرت پاک پر چھوٹے بچوں کیلئے مفید اور مقبول عام کتاب ہے حسن قبول کا یہ عالم کہ اب تک پچاس ہزار چھپ چکی ہے قیمت ۳ر

آنحضرت ہمارے آقا، ہمارے مولا، خدا کے پیارے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے اور پیارے حالات۔ قیمت صرف چار آنے

ہمارے رسول اس کتاب میں آنحضرت کی سیرت پاک بہت آسان اور دلکش انداز میں بیان کی۔ ماہرین تعلیم بچوں کے لئے اسی کتاب کی خاص طور سے سفارش کرتے ہیں۔ قیمت ۵ر

نبیوں کے قصے اسمیں حضرت آدم سے لیکر حضرت عیسیٰ تک تمام انبیاء کے حالات صاف اور شیریں زبان میں لکھے گئے ہیں قیمت ۵ر

سرکار کا دربار مسلمان بچوں کے لئے نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت قیمت ۶ر

سرکار دو عالم اس میں عرب کی جغرافی حالت، زمانہ جاہلیت حرم محترم اور قریش کے واقعات بیان کئے گئے ہیں عام فہم زبان میں قیمت ۸ر

چار یار خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے پاکیزہ سبق آموز اور ولولہ انگیز حالات ۸ر

خلفائے اربعہ حضرت ابوبکر، حضرت عثمان، حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہم کے حالات مع فتوحات اسلامی ۱۰ر

اسلامی عقائد

بچوں کے لئے یہ دینیات کا اچھا رسالہ ہے۔ قرآن مجید میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسلامی عقائد بیان فرمائے ہیں اسی طرح لکھا گیا ہے قیمت ۱ر

ارکان اسلام

بچوں کو پانچوں ارکان سکھانے کے لئے اختصار کے ساتھ صاف اور آسان زبان میں یہ کتاب تیار کرائی گئی ہے ۲ر

اچھی باتیں قرآن پاک کی ان چھوٹی سورتوں اور آیتوں کا ترجمہ جو اخلاق اور اچھی باتوں سے متعلق ہیں، ساتھ ہی تفسیر بھی ہے جس سے مطالب قرآن سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے ۴ر

ہمارا دین جس میں ارکان خمسہ اسلام کی خوبیاں مذکور ہیں قیمت دو آنہ ۲ر

مکتبہ جامعہ، قرول باغ، دہلی

پیامِ تعلیم

زیرِ ادارت

سعید انصاری۔ بی اے (جامعہ)
محمد حسین حسان (ندوی)

جلد ۱۶ | فہرست مضامین۔ ۷ جنوری سنہ ۳۴ء | نمبر ۱

قیمت سالانہ عہ

فی پرچہ ۲ر

۱۔ بچے کی دعا ۲
۲۔ بچوں سے باتیں ... اڈیٹر ... ۳
۳۔ تاروں بھری رات ... محمود علی خاں صاحب ۷
۴۔ افریقہ کے چند جانور ... محمد احمد صاحب سبزواری ۱۰
۵۔ چھوٹی بلی ... اڈیٹر ... ۱۲
۶۔ حیرت ۱۷
۷۔ گرمی کا اثر پانی پر ... جیواد صاحب ... ۱۸
۸۔ برائی کے بدلے بھلائی ... ینما د صاحب ... ۱۹
۹۔ ماں باپ کی رضامندی ... اسد حسین صاحب قدوائی ۲۰
۱۰۔ ڈچ اور اس کی خوردبین ... سید محمد حمزہ صاحب حسنی ۲۱
۱۱۔ معما ۲۳
۱۲۔ آلو بنانے کا آسان طریقہ ... رشید احمد صاحب ... ۲۴

بچّے کی دُعا

اللہ میاں میں نے اذان میں آپ کا نام سنا ہے اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ بڑا ہی، اللہ بڑا ہی۔ میں نے دیکھا ہی کہ نماز میں سب آپ کے آگے جھکتے ہیں سجدے کرتے ہیں، دعائیں مانگتے ہیں میں نے پوچھا دعا کسے کہتے ہیں تو ماسٹر صاحب نے کہا اللہ میاں سے اپنے دل کا حال کہنا اور وہ چیز مانگنا جو سب چیزوں سے اچھی ہو آج میں بھی ہاتھ پھیلا کر آپ کے آگے دعا کرتا ہوں اللہ میاں مجھے سب چیزوں سے زیادہ پیار بھاتا ہی آپ ایسا کیجئے کہ میں سب کو پیار کروں اور سب مجھ کو پیار کریں میں سب سے خوش رہوں اور سب مجھ سے خوش رہیں میں نے سنا ہے کہ اسی میں آپ کی خوشی ہے میں وہی چاہتا ہوں جس میں آپ کی خوشی ہے، مگر لوگ اسی بچے کو پیار کرتے ہیں جو دل لگا کر کام کرتا ہو، سچ بولتا ہو، صاف ستھرا رہتا ہو، بڑوں کا ادب کرتا ہو۔ چھوٹوں کا دل رکھتا ہو، اچھے اللہ میاں مجھی ایسا بنا دیجئے کہ آپ کا کام مدرسے کا کام، گھر کا کام خوشی خوشی وقت پر کیا کروں ہمیشہ صاف کھری سچی بات کہا کروں، سچ کہنے میں کسی سے نہ ڈروں، اپنے بستر کو کپڑوں کو، بدن کو، دل کو صاف رکھوں، میل کچیل کو پاس نہ آنے دوں اپنی اماں، ابا اور ماسٹر صاحب کی بات کان لگا کر سنوں اور جو وہ کہیں وہی کروں، اللہ میاں ہر برائی سے بچائیے، ہر بیماری سے بچائیے آپ کے پاس بہت کچھ ہی سب کچھ ہی جو میں نے مانگا ہے وہ آپ کے لئے کچھ بھی نہیں، اپنے چھوٹے سے بندے کو یہ چھوٹی سی چیز دے دیجئے آمین آمین

بچوں سے باتیں

پیام تعلیم کے تمام پڑھنے والے نئے سال کی مبارک باد قبول فرمائیں۔ خدا کرے یہ سال ان کے لئے نئی نئی خوشیاں لائے۔ انھیں اپنے تمام مقصدوں میں کامیابی حاصل اور ہر طرح ہنسی خوشی زندگی بسر کرنا نصیب ہو۔ آمین!

اس نمبر سے پیام تعلیم کی بھی نئی جلد شروع ہوتی ہے اور اس طرح وہ بھی آپ کی خوشیوں میں شامل ہونے کے لئے بڑی سج دھج اور نرالی آن بان کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے

اب کی سال کام کرنے والوں نے رسالہ کے لئے بہت سی باتیں طے کی ہیں۔ اور ان میں سب سے ضروری بات یہ ہے کہ بچوں کو بچوں ہی کی زبان میں تمام باتیں سمجھائی جائیں یہ کوشش بہت دنوں سے جاری ہے مگر اس سال اس پر پوری توجہ کی جائے گی، علاوہ اس کے اس سال سے محمد حسین حسان صاحب مستقل طور پر میرا ہاتھ بٹائیں گے۔ آپ نے پچھلے سال بھی میری اچھی خاصی مدد کی ہے، امید ہے کہ اب وہ زیادہ محنت و استقلال سے کام کریں گے۔

دوسرے بہت سے بچوں کا تقاضا تھا کہ رسالہ کے صفحے بڑھا دئے جائیں اور ہم انھیں جواب دیتے تھے کہ تمھارا اصرار سر آنکھوں پر مگر ہم پہلے ہی خرچ کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں اب یہ نیا بوجھ اٹھانا تو بہت مشکل ہے، لیکن آج ہم انھیں یہ خوش خبری سناتے ہیں کہ ہم مستقل طور سے تو آٹھ صفحے فی الحال نہیں بڑھا سکتے، لیکن دوسرے تیسرے مہینے ضرور کوئی نہ کوئی ایسا خاص نمبر نکالا کریں گے جس میں معمول سے زیادہ صفحات ہوں،

نئے سال کی خوشی میں ہم رسالے کا سرورق بھی بدل رہے ہیں۔ امید ہے کہ بچے اسے پسند کریں گے اس سلسلے میں ہم اپنے مضمون نگار جناب رشید الدین صاحب لاہوری کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے سرورق کا ایک خوب صورت نمونہ ہمارے پاس بھیجا تھا، اگر بلاک بن نہ چکا ہوتا تو ہم ان کے مشوروں کا ضرور خیال رکھتے۔

عجائب خانہ ممنر کا سلسلہ کوئی ایک سال سے شائع ہو رہا ہے، پیام تعلیم کے تمام پڑھنے والوں نے اس دلچسپ

سلسلے کو بے حد پسند کیا ہے مگر اس نمبر سے اسے ہم بند کر رہے ہیں ایک تو اس لئے کہ نئی جلد شروع ہوتی ہے۔ دوسرے اس لئے کہ پوری کتاب چھپ کر شائع ہوگئی ہے اور مکتبہ جامعہ سے ۳ر میں مل سکتی ہے۔ بجائے اس کے ہم اس نمبر سے ایک نیا سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ سلسلہ بھی ویسا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ ثابت ہوگا۔

پچھلے دنوں مہاتما گاندھی جی اپنے دورے کے سلسلے میں دہلی تشریف لائے تھے۔ درجامعہ تعلیمی مرکز نمبر ۱ کے بچوں کے بلانے پر ۱۰ر دسمبر کی شام کو تعلیمی مرکز میں بھی تشریف لائے۔ بچوں نے ہال کو خوب سجایا تھا اور مہاتما جی کے آنے پر انھیں اپنے باغ کی سبزی، کھدر اور ایک سو ایک روپے کی تھیلی پیش کی۔ مہاتما جی بچوں سے بہت بے تکلفی سے باتیں کرتے رہے۔ اور بچوں کے کھیت کی مولیاں اور سرخ سرخ شلجم دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ بچوں کے مدرسے میں وہ کوئی ایک گھنٹہ رہے۔

پچھلے سال جامعہ کے مدرسے تعلیمی مرکز نمبر ۱ کی طرف سے بچوں میں تحریر اور تقریر کا شوق پیدا کرنے کے لئے "محمد علی رننگ کپ" کے نام سے ایک ٹرافی رکھی گئی تھی اور مباحثہ کے جلسے میں دلی کے بہت سے مدرسوں نے حصہ لیا تھا۔

اس سال مباحثہ کا یہ جلسہ ۱۶ اور ۱۷ دسمبر کو منعقد ہوا۔ دلی کے بہت سے مدرسوں نے اس مقابلے میں شرکت کی۔

پہلے مضمون لکھنے کا مقابلہ تھا اور عنوان یہ تھا۔

"اس سال تم نے کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں۔ کسی کتاب کے مضمون یا قصے کا ذکر کرکے اس کی خوبیاں بیان کرو"

اس مقابلے میں جامعہ کا ایک طالب علم حسن سبحانی ثانوی دوم اول اور پنجابی اسکول کا طالب علم جمیل الرحمٰن دوم آئے۔

تقریر کا عنوان یہ تھا۔

"اقامت گاہ کی زندگی گھر کی زندگی سے کہیں اچھی ہے"

اس مقابلے میں فتح پوری مسلم ہائی اسکول کے طالب علم محمد صالحین اول اور اسلام اللہ اینگلو عربک ہائی اسکول اور مظہر حسین (تعلیمی مرکز نمبر ۱) دوم آئے۔

ابتدائی درجوں کے بچوں کے لئے جلسے میں گائے بیل اور بھینس کی تصویروں میں سے کوئی تصویر لٹکا دی جاتی تھی اور وہ یہ تصویر دیکھ دیکھ کر اس جانور پر تقریریں کرتے تھے۔ اس مقابلے میں تعلیمی مرکز کا ایک چھوٹا بچہ منہاج محمد خاں اول اور پنجابی اسکول کا طالب علم محمد مبشر رین دوم آیا۔

جامعہ تعلیمی مرکز نمبر ا کے نمبر سب سے زیادہ تھے لیکن قاعدے کی وجہ سے وہ ٹرافی نہیں لے سکتے تھے۔ دوسرا نمبر پنجابی اسکول کا تھا اس لئے ٹرافی انھیں کو ملی۔

اس مرتبہ دہلی کے کئی اور اسکول بھی مقابلے میں شریک ہوئے تھے۔ لڑکوں کی تقریریں بھی پچھلے سال کے مقابلے میں اچھی تھیں۔

ہم کامیاب ہونے والے بچوں کو مبارک باد دیتے ہیں اور خصوصاً پنجابی اسکول کو کہ ٹرافی پچھلے سال بھی انھیں نے جیتی تھی اور اس سال بھی انھیں کے حصے میں آئی۔

۲۹ر اکتوبر کے پیام تعلیم میں جو انعامی معما چھپا تھا بچوں نے اس میں بہت دلچسپی لی۔ بہت سے حل ہمارے پاس آئے۔ بچوں کی اس دلچسپی کو دیکھ کر اور اس خیال سے بھی کہ ٹکٹ ہمارے پاس زیادہ آ گئے تھے بجائے ایک کے ہم نے تین انعام کر دیئے۔ قرعہ ڈالنے کے بعد یہ حضرات انعام کے مستحق قرار پائے:۔

۱۔ سلیم الدین صاحب صدیقی۔ رائچور

۲۔ فیض محمد صاحب ۔۔۔ گیا

۳۔ دختر ظہور الحسن صاحب ۔۔۔ پیلی بھیت

بعض بچوں نے معمے کے نیچے لکھی ہوئی ہدایتوں کا خیال نہیں رکھا، کئی ایک نے بجائے کوپن پر حل بھیجنے کے اپنے ہی کاغذ پر لکھ کر بھیج دیے۔ بعضوں نے ٹکٹ نہیں بھیجے، اور ایک صاحب نے تو کمال ہی کر دیا، پندرہ، سولہ لڑکوں کے نام لکھا کر بھیج دئے کہ تمام لڑکوں نے اس معمے کو اس طرح حل کیا ہے۔ امید ہے کہ بچے آئندہ ہماری ہدایتوں کا خیال رکھا کریں گے۔

۲۹ر اکتوبر کو جو دوسرا معما شائع ہوا تھا اس کا حل شہر آگرہ ہے۔ ناصر الدین خاں صاحب حیدر آباد دکن اور سید عبد الرحمٰن صاحب کلکتہ کے حل صحیح ہیں۔

۱۱ر ستمبر کے پرچے میں صفحہ ۱۲ پر جو معما شائع ہوا تھا اس کا حل محی الدین عالم گیر ہے

محمد جمیل احمد صاحب عثمانی نے اس کا صحیح حل بھیجا ہے۔ باقی حل غلط ہیں۔

کسی پچھلے نمبر میں ہم نے پیام بھائیوں سے رسالہ کے لئے خریدار بنانے کی درخواست کی تھی۔ شکر ہے کہ وہ بے کار نہیں گئی، بہت سے بھائیوں مثلاً جناب جیواد صاحب میرٹھی، علی اسد اللہ خاں صاحب حیدر آبادی، محمد احمد صاحب سبزواری، سید ابو طاہر دواؤد صاحب بھیمڑی

سید مسعود علی صاحب میرٹھی وغیرہم نے نئے خریدار بنانے کا وعدہ کیا ہے۔

ہمارے محترم بزرگ مولانا محمد حسین صاحب محوی لکھنوی۔ لکچرار اردو مدراس یونیورسٹی نے خود پچاس خریدار دینے کا وعدہ کیا ہے، اور بہت سے معزز لوگوں کے پتے تحریر فرما کر حکم دیا ہے کہ ان سے خود خریدار ہونے اور دوسروں کو خریدار بنانے کی درخواست کی جائے۔

ہمیں امید ہے کہ یہ سب حضرات بہت جلد اپنے وعدوں کو پورا کریں گے، ساتھ ہی دوسرے بھائیوں سے بھی امید ہے کہ وہ بھی اس طرف توجہ فرمائیں گے۔

اس ہفتے ہماری جامعہ میں ایک بہت ہی دل دکھانے والا حادثہ پیش آگیا۔ یعنی ۱۴ جنوری کو جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب شیخ الجامعہ کی ۵ برس کی بچی کی دل کی حرکت بند ہوگئی، اور یہ بھولی بھالی لڑکی ہنستی کھیلتی اس دنیا سے چل بسی۔

اس بچی کو دل کی کمزوری کی شکایت پہلے سے تھی کئی بار بے ہوشی کے دورے بھی پڑ چکے تھے۔ لیکن اس مرتبہ یہ دورہ ایسا پڑا کہ حکیم اور ڈاکٹر کی مدد بے کار ثابت ہوئی اور یہ ننھی سی جان اللہ کو پیاری ہوگئی۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں

محمود علی خاں صاحب
جامعی

آج ہم ایک بہت ہی دلچسپ مضمون کا سلسلہ شروع کرتے ہیں، یقین ہے کہ اسے آپ پسند کریں گے، اور اس سے آپ کو بہت سی باتیں معلوم ہوجائیں گی، یہ مزے دار اور فائدے کی باتیں جغرافیہ پڑھنے اور سمجھنے میں بھی مدد دیتی ہیں۔ اگر آپ اسکاوٹ ہیں تو وہاں بھی کام آئیں گی اور یوں بھی ان کے معلوم ہوجانے میں بڑے بڑے فائدے ہیں۔ اس لیے کیا اچھا ہو کہ آپ اس مضمون کو برابر دیکھتے رہیں، اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو اپنے ماسٹر صاحب سے پوچھ لیجیے گا۔

صبح صبح جب آپ سو کر اٹھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ رات کا اندھیرا دور ہو رہا ہے، اور اجالا ہوتا جاتا ہے، تھوڑی دیر میں سورج مشرق سے نکل آتا ہے، اس کی کرنیں پھیلنا شروع ہوتی ہیں، اور رفتہ رفتہ خوب دھوپ نکل آتی ہے، اب سورج مغرب کی طرف بڑھنے لگتا ہے، اور اونچا ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ دوپہر کو ٹھیک ہمارے سروں کے اوپر آجاتا ہے، پھر سہ پہر کے وقت مغرب کی طرف اور بڑھتا ہے اور نیچا ہونا شروع ہوتا ہے، شام ہوتے ہوتے یہ مغرب کے کونے میں پہنچ کر غائب ہوجاتا ہے اور پھر اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اندھیرا ہوتے ہی آسمان پر تارے چھٹک جاتے ہیں، سارا آسمان جگ مگ جگ مگ کرتا معلوم ہوتا ہے، بچپن میں آپ سب بھائی بہنوں نے مل کر اکثر تارے گننے کی کوشش کی ہوگی۔ اس طرح آپ کو گنتی تو ضرور ہی یاد ہوجاتی ہے۔ لیکن کیا سچ مچ آپ سب تارے گننے میں کامیاب ہوئے اور کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آسمان پر کتنے تارے ہیں؟

تارے کچھ بڑے بڑے ہوتے ہیں جو خوب چمکتے ہیں۔ بہت سے ننھے ننھے ہوتے ہیں۔ اکثر تو

اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ پلک جھپکاتے ہی نظروں سے غائب ہوجاتے ہیں، کسی جگہ کھٹولا سا بنا معلوم ہوتاہے، کسی جگہ ترازو، کہیں سڑک، کہیں کچھ، غرض تاروں بھری رات میں بڑا ہی لطف آتا ہے، کبھی چاند نکل آتا ہے تو چھوٹے چھوٹے تارے غائب ہوجاتے ہیں۔ چاند کبھی جلد ہی نکل آتا ہے، اور کبھی دیر سے، کبھی گول روٹی کی طرح ہوتا ہے اور کبھی خربوزے کی پھانک کی طرح۔ عورتیں بچوں کو یہ کہہ کر بہلاتی ہیں کہ چاند میں بڑھیا بیٹھی چرخہ کات رہی ہے، سب بچے چاند کو پیار میں چندا ماموں کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ چاند کو غور سے دیکھ سکتے ہیں۔ اس کی روشنی بڑی ٹھنڈی اور دل کو لبھانے والی ہوتی ہے۔ سورج کی طرح نہیں کہ آنکھوں کو چکا چوند کردے۔ اسی وجہ سے بچے سورج سے دوستی نہیں کرتے۔

اچھا اب یہ بتایئے کہ یہ چیزیں آپ روزانہ دیکھتے ہیں لیکن کبھی یہ بھی سوچا کہ یہ سب ہیں کیا، اور ان میں یہ روشنی کیسی ہے۔ سورج میں گرمی کیوں ہے۔ رات میں وہ کہاں رہتاہے۔ دن میں چاند، ستارے کیا ہوجاتے ہیں۔ پھر یہ کہ ہماری دنیا کیا ہے، اور اس کا ان تمام چیزوں سے کیا تعلق ہے، دن رات کیسے ہوجاتے ہیں، جاڑا گرمی کیوں ہوتاہے۔ ستاروں کے گچھوں سے کیا فائدہ ہے، اور یہ چاند، سورج، ستارے پھرتے کیوں معلوم ہوتے ہیں؟

قرآن شریف میں ایک قصہ لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اس دنیا پر جب غور کرنا شروع کیا تو خیال پیدا ہوا اس کا بنانے والا خدا کون ہے۔ اول تو ستاروں کو دیکھا، ان کی روشنی اور جگمگاہٹ کو دیکھ کر کہا "ہو نہ ہو یہی خدا ہیں" لیکن جب چاند نکلا اور ستارے غائب ہوگئے تو فرمایا یہ بہت چمک رہا ہے یہ خدا ہو سکتاہے" پر جب وہ بھی غائب ہوگیا تو کہنے لگے اس کی روشنی زیادہ تیز ہے اس کے سامنے تو نگاہ نہیں ٹھہرتی یہ بے شک خدا ہے، لیکن جب وہ بھی غروب ہوگیا تو فرمایا کہ ان میں سے کوئی خدا نہیں ہے اب اصلی خدا کو تلاش کرنا چاہیئے"۔ چنانچہ انھوں نے ڈھونڈا اور پالیا۔

اس قصے سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ سورج، چاند اور ستارے وغیرہ ایسی عجیب چیزیں ہیں کہ ان پر لوگوں کو خدا ہونے تک کا شبہ ہوا دوسری بات یہ کہ اگر کوئی چیز تلاش کی جائے تو وہ ضرور مل جاتی ہے۔

اس موقعے پر ایک لطیفہ یاد آیا۔ جب میں جامعہ میں پڑھتا تھا تو ایک دفعہ چاندنی رات میں ہم سب

کھلے میدان میں پلنگ بچھائے لیٹے تھے، باتوں باتوں میں کسی نے پوچھا کہ یہ ستارے، چاند، سورج کیا ہیں؟ ہمارے ایک دوست بول اٹھے "میں بتاؤں، دیکھو آسمان کے اس طرف اللہ میاں رہتے ہیں، اُدھر تمام میں اُن کا نور ہی نور پھیلا ہے، اور آسمان میں ہیں چھوٹے بڑے چھید بس اس میں سے اللہ میاں کا نور نظر آتا ہے" اس پر کسی نے پوچھا اور "چاند اور سورج، کہنے لگے "اونہہ یہ بڑے بڑے دو چھید ہیں، اس پر سب خوب ہنسے۔

خیر آیئے ہم آپ کو یہ بھید کی باتیں سمجھائیں لیکن مشکل یہ ہے کہ "پیامِ تعلیم" سارا کا سارا اس مضمون سے بھر دیا جائے تب بھی تمام باتیں سمجھائی نہیں جا سکتیں اس لئے ہم نے یہ طے کیا ہی کہ تھوڑی تھوڑی باتیں ہر پرچے میں لکھا کریں، اس طرح آپ کو سمجھ کر یاد کرنے میں بھی آسانی ہوگی۔ اور چند مہینوں میں مضمون بھی پورا ہو جائیگا

خدا نے چاہا تو اگلے پرچے سے ہم ان سب سوالوں کا ایک ایک کرکے جواب دینا شروع کر دیں گے

ذرا دیکھو تو۔ جانتے ہو یا نہیں؟

۱۔ دنیا میں وہ کون سا کام ہے جسے سب سے زیادہ آدمی کرتے ہیں؟

۲۔ سب سے زیادہ آدمی کس مرض سے مرتے ہیں؟

۳۔ سب سے بڑا جہاز کتنا لمبا ہے؟

۴۔ سب سے زیادہ استعمال کس دھات کا ہوتا ہے؟

اگر یہ باتیں نہ جانتے ہو تو صفحہ (۱۶) پر دیکھو۔

افریقہ کے چند جانور

(از جناب محمد احمد صاحب سبزواری نائب مدیر نورس اورنگ آباد)

۵ - بن مانس :- اکثر جانور اپنے بچوں کو انسانوں کی طرح دودھ پلاتے ہیں ۔ بن مانس یعنی جنگلی آدمی یا انسان نما بندر بھی انھیں میں شامل ہے ، اس کی دو قسمیں - گوریلا اور چمپانزی افریقہ میں پائی جاتی ہیں ۔ گوریلا ان میں زیادہ طاقت ور اور بڑا ہوتا ہے ۔ اس کا قد عام طور پر چھ فٹ کے قریب ہوتا ہے ، ہاتھ مضبوط اور لانبے ہوتے ہیں ۔ اور جب کھڑا ہو جاتا ہے تو گھٹنوں تک آجاتے ہیں ، انھیں کی مدد سے وہ ایک شاخ سے دوسری شاخ تک کودتا ہے اور اوپر کی شاخ سے ۲۰ ، ۲۰ فٹ تک نیچے کی شاخ تک کود جاتا ہے ۔

گوریلا افریقہ کے بہت ہی گھنے اور تاریک جنگلوں میں رہتا ہے ۔ درخت ہی گویا اس کے گھر ہوتے ہیں ۔ شاخوں اور پتوں کی ایک جھونپڑی سی بنا کر خود بھی رہتا ہے اور اپنے بچوں کو اسی میں پالتا ہے ، درختوں کے پھل اور میوے اس کی خوراک ہیں ۔ آدمی کی طرح یہ بھی دن میں چلتا پھرتا اور رات میں آرام کرتا ہے ۔ یہ زمین پر سیدھا ہو کر نہیں چل سکتا ، اس لئے کہ اس

کے پاؤں میں تلوا نہیں ہوتا ۔ بلکہ وہ بھی ہاتھوں ہی کی طرح ہوتے ہیں ۔

یہ جانور بہت ہوشیار اور سمجھ دار ہوتا ہے اور سدھانے سے خوب سدھ جاتا ہے ، لندن کے چڑیا گھر میں مختلف بن مانسوں کو طرح طرح کے کام سکھائے گئے ہیں ۔ چنانچہ اکثر بن مانس ان لوگوں سے جو چڑیا گھر میں سیر کو آتے ہیں بڑے ادب

سے سگریٹ مانگتے ہیں اور پھر بالکل انسان کی طرح پیتے ہیں۔ بعض بہت سلیقے اور تمیز سے میز کرسی پر کھانا کھاتے ہیں۔ اور بعض تو اپنا کھانا خود ہی پکاتے ہیں۔

لندن میں ایک شخص کے پاس بن مانس ہے اُس نے اِسے خوب سدھایا ہے۔ کوئی ملاقاتی آکر گھنٹی بجاتا ہے تو یہ باہر جاتا ہے اور ملاقاتی کا کارڈ اپنے آقا کو لے جاکر دیتا ہے۔ اب اگر اس کا آقا۔ ملاقاتی سے ملنا چاہتا ہے تو وہ ملاقات کے کمرہ کا دروازہ کھول کر ملاقاتی کو وہاں بٹھا دیتا ہے۔ اور اگر ۔ وہ ملاقات نہیں کرنا چاہتا تو یہ سمجھدار گوریلا کارڈ واپس لاکر دے دیتا ہے

اسی طرح سنگاپور میں ایک شخص کے پاس چمپانزی تھا وہ گھر والوں سے بہت ہل جل گیا تھا اور گھر میں آزادی سے اِدھر اُدھر گھومتا رہتا تھا، ایک دن اپنے آقا کے کھانے کے کمرے میں پہنچ گیا۔ وہاں اِسے شراب کی بوتل نظر آئی ۔ اس نے بوتل اٹھائی

اور کاگ کھول، شراب گلاس میں انڈیل، غٹ غٹ پی گیا۔ اب نشہ جو چڑھا تو کتب خانے کا رخ کیا۔ وہاں کتابوں کو پھاڑ پھاڑ کر بستر تیار کیا۔ اور سو گیا۔ اس کے بعد اسے شراب پینے کی عادت ہوگئی۔ اور نشے کی حالت میں وہ اپنے مالک کی بہت سی چیزوں کا نقصان کرنے لگا آخر کار اس کے مالک نے اُسے ایک چڑیا گھر میں بھیج دیا، جہاں وہ چند روز کے بعد مر گیا

گھوڑے کا سر

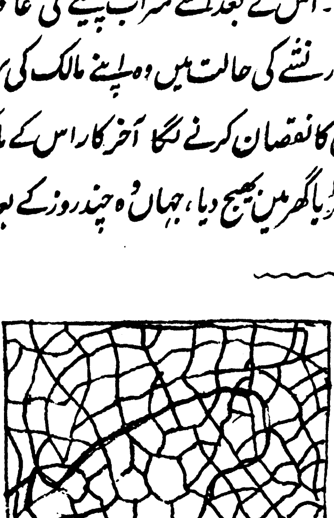

اس شکل میں گھوڑے کا سر چھپا رکھا ہے۔ تم سے اس طرح سیاہ کرو کہ گھوڑے کا سر صاف نظر آنے لگے ۔

(محمد رشید الدین لاہور)

چھوٹی بلی

(اڈیٹر)

کچھ بہت زمانہ نہیں گذرا ایک گھر کے سامنے

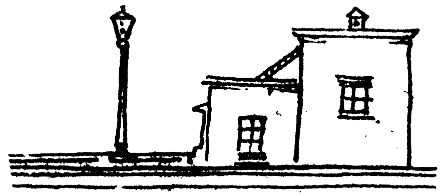

ایک لالٹین تھی جو جھلملاتی رہتی تھی اس زمانے میں بجلی کا رواج تو تھا نہیں اس لئے مٹی کے تیل کی لالٹینیں ہی جلا کرتی تھیں۔ اور چنگی کا آدمی روز شام کو آکر انھیں جلا جاتا تھا۔ یہ لالٹینیں رات بھر جلتی تھیں۔

اس سڑک پر اور بھی بے شمار لالٹینیں تھیں اس لئے کہ سڑک بہت لمبی چلی گئی تھی۔ اور دور سے دیکھنے والے کو یہ ننھے ننھے چمکتے ہوئے تاروں کی طرح معلوم ہوتی تھیں۔

مگر یہ لالٹین دوسری لالٹینوں کی طرح نہ تھی اس لئے کہ اور لالٹینیں تو برابر خاموشی کے ساتھ جلتی رہتی تھیں۔ مگر یہ تھوڑی دیر کے بعد جھلملانے لگتی تھی۔ ہمارا خیال ہے کہ اس کے شیشے میں کہیں چھوٹا سا سوراخ تھا اور جب ہوا چلتی تھی تو اس کی لو اوپر نیچے ہونے لگتی تھی۔ اس وقت یہ کچھ شرما جاتی تھی، کیوں کہ اس کے مقابلے میں دوسری لالٹینیں بڑی خاموشی اور سکون کے ساتھ جلتی رہتی تھیں۔ لیکن وہ چھوٹی سی اور ننھی منی بلی جو اس لالٹین کے سامنے والے گھر میں آکر رہی اسے یہ بڑا بھلا معلوم ہوتا تھا۔ دروازے کی سیڑھیوں پر بیٹھی اس کو تکتی رہتی تھی اور جس وقت ہوا کے چلنے

سے لالٹین جھلملانے لگتی، وہ بھی اپنی چندھیائی آنکھیں موندنے اور کھولنے لگتی یہ بلی کچھ ایسی بڑی نہ تھی۔ اور لالٹین کے سامنے والے گھر میں اس لئے لائی گئی تھی کہ ان بڑی بی کو جو اس گھر میں رہتی تھیں چوہے مارنے کے لئے ایک بلی کی ضرورت تھی مگر بیچاری چھوٹی بلی کو اپنی ماں کی جدائی بہت شاق تھی، ماں کی محبت اور پیار گویا اس کی زندگی کا سکھ تھا، اور بہن

بھائیوں کی جدائی سے بھی اسے بہت تکلیف تھی جن
کے ساتھ کھیل کود دن رات کا مشغلہ تھا۔ یہاں کوئی
اس کے ساتھ اس معاملے میں زیادہ ہمدردی نہ کرتا
تھا، اور وہ اپنے آپ کو کچھ اکیلا اکیلا پاتی تھی، اسی لئے
یہ بات تھی کہ وہ لالٹین کے سامنے بیٹھ کر اُسے دیکھا کرتی
اور جب لالٹین جھلملانے لگتی تو اس کے جواب میں یہ
بھی چندھیانے لگتی۔

ایک دن شام کو ایک بڑا سا کالا کتا آگیا۔ تم جانو
کتوں کے لئے تو بلی کا پیچھا کرنا ایک کھیل ہے' اس کتے کی
نظر جونہی بلی پر پڑی اس نے سر اونچا کرکے بڑی زور
سے بھوں بھوں کرنا شروع کیا۔ بلی ایک دم اپنے
چھوٹے چھوٹے پیروں پر کھڑی ہوگئی اپنی کمر کو ذرا
خم کیا گھبرائی ہوئی آواز میں غرغرائی، اور سیڑھیوں
سے کود کر اسی لمبی سڑک پر ہولی۔ اور اتنا تیز دوڑی
کہ کبھی نہیں دوڑی تھی۔ وہ بے چاری برابر دوڑتی
چلی جارہی تھی کتا تو یہ چاہتا ہی تھا۔ وہ بھی اس کے
پیچھے سرپٹ دوڑا، اور دل میں خوش تھا کہ واہ کیا

اچھی دگی ہاتھ آئی ہے۔

لیکن غریب بلی اسے دگی نہیں سمجھ رہی تھی
سڑک اتنی لمبی تھی اور لالٹینیں اس قدر روشن تھیں
کہ بے چاری کو کہیں چھپنے اور پناہ لینے کے لئے جگہ بھی
نہیں ملتی تھی۔ اور کتا تھا کہ اس کے قریب ہوتا جارہا
تھا۔

وہ ایک موڑ پر مڑی، پھر دوسرا آیا پھر
تیسرا کہ اتنے میں یک بیک ایک درخت نظر آیا اور
اسے اپنی پیاری ماں کی نصیحت یاد آگئی وہ ہمیشہ کہا
کرتی تھی۔ پیارے بچو! یاد رکھو کتے درخت پر نہیں
چڑھ سکتے اس لئے جب کبھی کتا تمھارے پیچھے دوڑے
تو سب سے اچھی صورت بچنے کی یہ ہے کہ کوئی
درخت دیکھو تو اس پر چڑھ جاؤ۔

چھوٹی سی بلی نے فوراً ہی ایک درخت پر
جست لگائی۔ اور اپنے تیز ناخنوں سے درخت
کو پکڑ لیا اور بندر کے بچے کی طرح سیدھی اوپر
کی طرف چڑھ گئی درخت کی شاخوں پر پہنچ گئی
تو ان کے سہارے بڑی احتیاط کے ساتھ اور اوپر
چڑھ گئی اور سمٹ سمٹا کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ اور
اپنی چمکیلی آنکھوں سے نیچے کی طرف دیکھنے لگی
کتا بڑی بے چینی سے پیڑ کی جڑ کے پاس

نیچے اوپر کود رہا تھا۔ اور بھونک رہا تھا۔ اتنے میں پاس کے مکان سے ایک آدمی نکلا اور اسے بڑی زور سے دھتکارا۔ کتا لوٹ پڑا اور اپنے گھر کی راہ لی۔ اپنے جی میں خوش تھا کہ دوڑ لگانے کا اچھا خاصا موقع مل گیا۔

مگر چھوٹی بلی اتنا تیز دوڑنے سے بالکل تھک گئی تھی اس کا سانس پھول گیا تھا، اور وہ تکلیف محسوس کر رہی تھی۔

درخت پر شاخوں کی وجہ سے اندھیرا اور خاموشی تھی۔ اور کتے کے چلے جانے پر اس نے اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھا۔ چنانچہ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور سو گئی۔ جب وہ اٹھی تو اندھیرا غائب ہو گیا تھا اور بڑے بڑے گول چندا ماموں اوپر آسمان

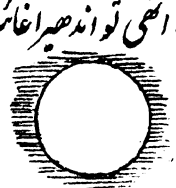

میں چمک رہے تھے۔ اور درخت کی شاخوں میں سے اسے جھانک رہے تھے۔

بلی نے سوچا اب گھر لوٹنا چاہیئے وہ بہت احتیاط کے ساتھ شاخوں سے تنہ پر آئی۔ اور تنہ سے بہت ہی آہستہ نیچے اتری۔ وہ جانتی تھی درخت پر پنجوں کے ذریعے چڑھ جانا جس قدر آسان ہے اترنا اس قدر آسان نہیں۔

جڑ کے پاس آکر وہ سڑک پر کود گئی اس نے اپنے دل میں کہا، اب میں سڑک پر نڈر چلوں گی۔ اور اپنے گھر واپس جاؤں گی، اس نے چاروں طرف دیکھا کہ اسے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔ کیوں کہ یہ اس کی سڑک نہیں تھی۔

یہ ایک چوک سا تھا بیچ میں کچھ درخت اور جھاڑیاں تھیں اور کچھ درخت ایک کنارے پر تھے۔ چاروں طرف اونچے اونچے شاندار مکان تھے لیکن ننھی بلی تو چاہتی تھی کہ کاش یہ اس کی سڑک ہوتی اور اس پر وہی چھوٹے چھوٹے گھر ہوتے۔

وہ کالے کتے سے بچنے کے لئے بہت سے موڑوں سے اس قدر تیزی سے گذری تھی کہ اسے اپنی سڑک کا پتہ نہ چلتا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ اس وقت ہے کہاں۔

چاندنی سے چوک میں دن کا سا سماں معلوم ہوتا تھا۔ لالٹینوں کی روشنی بالکل ماند پڑ گئی تھی۔ مگر کہیں کہیں سایہ بھی تھا، انھیں سایوں تلے وہ خاموش لیکن تیزی سے چوک کے ایک کونے پر آگئی، سامنے ایک اور لمبی سڑک تھی وہ اسی پر ہولی چلتے میں گھروں کی سیڑھیاں دیکھتی جاتی تھی۔ مگر ان میں سے بھی کوئی اس کے گھر کی سیڑھی نہ تھی۔ پھر ایک اور لمبی سڑک آئی اس وقت اس کے ننھے ننھے پیروں میں درد تھا، اور کچھ پریشان ہوکر "میو، میو، میو" کر رہی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں ہوا چلنے لگی، ایک بادل کا ٹکڑا چاند کے سامنے آگیا اس نے چاند کی روشنی کو بھی ڈھانپ لیا۔ اور اک ذرا کے ذرا میں سڑک کی لالٹینیں پھر چمک اٹھیں اور لمبی سڑک پر بڑے بڑے ستاروں کی طرح دکھائی دینے لگیں۔ سڑک کے ادھ بھر میں ایک لالٹین نظر آئی جو ہوا چلنے پر جھلملا رہی تھی۔ اور جس کی لو تلملا رہی تھی، اس نے اپنے دل میں کہا بس یہی میری لالٹین ہے۔ اس نے اپنے قدم تیز کرئے اور تھوڑی دیر میں لالٹین تک پہنچ گئی، وہیں اس کا اپنا زینہ تھا ایک طرف کو ایک جھاڑو پڑی تھی اور گھر کا کوڑا بھی تھا، جو بوڑھی عورت نے جھاڑ دے کر وہاں ڈالا تھا،

چھوٹی بلی نے دروازے کی سیڑھیوں کو جھاڑو کو، کوڑے کو، غرض وہاں کی ہر چیز کو سونگھا اور اسے پورا اطمینان ہوگیا کہ یہی اس کی سیڑھیاں ہیں۔ اور یہی اس کا گھر۔ اب اسے گھر میں جانے کی فکر ہوئی، اس نے "میو، میو" کی آواز نکالی مگر کوئی باہر نہیں آیا۔ بوڑھی عورت بہری تھی، دوسرے غافل سو رہی تھی۔ بے چاری بلی مایوس ہوگئی اور دروازے کے سامنے سکڑ کر بیٹھ گئی، ساری رات اس نے یوں ہی بیٹھ کر کاٹی، کبھی سو جاتی تھی اور کبھی جاگ اٹھتی تھی، جاگتے وقت لالٹین کو دیکھ کر آنکھیں جھپکانے لگتی تھی - اس کے جواب میں لالٹین بھی جھلملا جاتی۔

صبح کو بوڑھی عورت نے دروازہ کھولا تو ننھی بلی بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی، خوشی میں غرغر کرنے اور اپنی پیٹھ دروازے سے ملنے لگی، گویا وہ دوبارہ اپنے گھر لوٹ آنے پر بڑی خوشی ظاہر کر رہی تھی۔

بڑی بی نے بھی اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، پیار کیا اور اندر لے گئیں۔ ایک پلیٹ بھر کر اسے روٹی اور دودھ دیا، اور چھوٹی بلی نے تھوڑی دیر میں ساری پلیٹ صاف کر دی، رات کو اتنی دور اور اس قدر

تیز بھاگنے کی وجہ سے حقیقت میں وہ بہت بھوکی اور پیاسی تھی ،

ایک دن یہ چھوٹی بلی بڑی ہوگئی تو خود اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوگئے وہ انھیں بھی یہی نصیحت کرتی رہتی تھی ، جو خود اس کی ماں نے اس سے کی تھی

یعنی

پیارے بچو! یہ بات کبھی نہ بھولنا کہ کتّے درخت پر کبھی نہیں چڑھ سکتے اور کوئی کتا تمھارا پیچھا کرے تو بہترین تدبیر یہ ہے کہ درخت پر چڑھ جاؤ۔ اس کے بعد وہ کہتی اور اگر رات کو تم اپنا راستہ بھول جاؤ تو اپنی لالٹین کو تلاش کرنا جو جھلملاتی ہے "

(ترجمہ انگریزی)

جوابات متعلق صفحہ ۹

۱۔ سب سے زیادہ آدمی گیہوں بونے اور کاٹنے کا کام کرتے ہیں ۔

۲۔ سب سے زیادہ آدمی دل کی خرابی سے مرتے ہیں ۔

۳۔ فرانس کا ایک جہاز ایک ہزار ستائیس فٹ لمبا ہے ۔ یعنی کوئی ⅕ میل ۔ اسی کا نام ہے ۔ "فرانس نارمنڈی" ۔ یہی سب سے لمبا جہاز ہے ۔

۴۔ دھاتوں میں سب سے زیادہ استعمال لوہے کا ہوتا ہے ۔ کسی اور دھات کا استعمال اس کے دسویں حصے کے برابر بھی نہیں ہوتا ۔

حیرت

(ترجمہ)

یہ ہوا کیا؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر ماجرا کیا ہے؟ ابھی دم بھر پہلے تو میں ایسا جکڑا ہوا سا تھا۔ ہر طرف سے کسا بندھا، نہ ہلنا نہ ڈلنا۔ بس، ایک چونچ تھی اس سے کھٹ کھٹ کرنا۔

مگر بھائی میں بھی تو کیئے ہی گیا۔ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ۔ ایک دفعہ آواز آئی، اڑا ڑا ڑا دھڑم!! جیسے کوئی پہاڑ گر پڑا ہو۔ یا کوئی توپ کا گولا پھٹا ہو۔ تم ہنستے ہو تو ہنسو۔ ہمیں تو بھائی ایسا ہی لگا اور دیکھو تو۔ ہمارے خول کے ہوگئے ٹکڑے دو۔

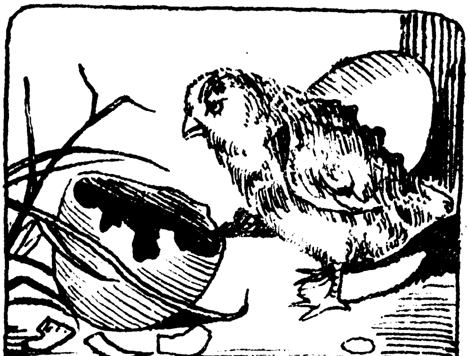

اور ہم ہیں کہ یہاں کھڑے ہیں!

کھٹ کھٹ کیئے جاؤ تو کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے۔

گرمی کا اثر پانی پر

(جواد صاحب)

جب تم اپنا رومال یا کپڑے دھو کر دھوپ میں لٹکا دیتے ہو تو وہ کچھ دیر کے بعد خشک ہو جاتے ہیں، اگر تمھارا اسکول چند دن کے بعد کھلے تو تم دیکھو گے کہ دواتیں خشک ہو گئی ہیں۔ اگر تمھارے مدرسے کے راستے میں کوئی تالاب ہو تو تم نے دیکھا ہوگا کہ گرمیوں کے موسم میں یہ سوکھ جاتا ہے۔ اور پانی غائب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جن چھوٹے چھوٹے گڑھوں میں پانی بھر جاتا ہے وہ بھی کچھ عرصے کے بعد خشک ہو جاتے ہیں۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ آخر اس پانی کا کیا ہوتا ہے، یہ کہاں غائب ہو جاتا ہے، اور گیلی چیزیں کیوں خشک ہو جاتی ہیں۔؟

یہ پانی دراصل آہستہ آہستہ سورج کی گرمی سے بھاپ بن کر ہوا میں اڑ جاتا ہے۔ اور ہماری نظروں سے غائب ہو جاتا ہے گرمیوں میں سورج بڑی تیزی سے چمکتا ہے۔ اس لئے پانی بہت جلدی بھاپ بن جاتا ہے۔

پانی کے اس طرح آہستہ آہستہ بھاپ میں بدل جانے کو تبخیر (Evaporation) کہتے ہیں۔ تبخیر ہر وقت ہوتی رہتی ہے، مگر ہم اسے محسوس نہیں کر سکتے۔

تجربہ (۱) ایک دیگچی میں تھوڑا سا نل کا پانی بھر لو۔ اور اس دیگچی کو چولھے پر رکھ دو، اب اس کے نیچے آگ جلاؤ۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ آگ کا دیگچی کے پانی پر کیا اثر ہوگا؟ جب تم پانی بھر کر دیگچی کے نیچے آگ جلاؤ گے تو تمھیں معلوم ہوگا کہ پانی آگ سے گرمی پا کر گرم ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ یہ بھاپ میں تبدیل ہونا شروع ہو جائے گا۔ اب بتاؤ کہ تم اس تجربے سے کیا نتیجہ نکالتے ہو؟ گرمی کا پانی پر کیا اثر ہوتا ہے؟۔

تم اپنے تجربے سے اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ گرمی پانے سے پانی بھاپ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

تجربہ (۲) یہ ہے کہ ایک صاف پلیٹ (رکابی) لو اس پر پانی کی دو بوندیں ٹپکا دو۔ اور اسے دھوپ میں رکھ دو۔ تھوڑی دیر بعد پلیٹ جا کر دیکھو۔ بتاؤ تم نے کیا بات معلوم کی۔ کیا پانی کی ب

جو تم نے ٹپکائی تھیں اب بھی موجود ہیں ؟ اگر بوندیں نہیں ہیں تو کہاں گئیں اور ان کا کیا ہوا ۔ آؤ ہم تمھیں بتائیں ۔ یہ بوندیں سورج کی گرمی سے بھاپ میں تبدیل ہو گئیں ۔ دوسرے نمبر میں ہم تمھیں یہ بتائیں گے کہ یہ پانی بھاپ بن کر کہاں جاتا ہے ۔

بُرائی کے بَدلے بھلائی

ایم اے نیاد ۔ متعلم درجہ ہفتم فیض عام ہائی اسکول میرٹھ

بہت عرصہ ہوا ۔ ایک شامی کسی کام کو مدینہ شریف گیا ۔ اس نے ایک خوب صورت نوجوان دیکھا ۔ جو ایک گھوڑے پر سوار تھا ۔ اسے ایک راستہ چلنے والے سے معلوم ہوا کہ یہ حضرت امام حسینؓ ہیں ۔ حضرت علیؓ کے بیٹے ، بہادری اور لیاقت کے شہزادے یہ سنتے ہی وہ آگ بگولا ہو گیا ، اور کہنے لگا " علی میں کیا بات ہے جو لوگ علی علی کہتے ہیں " اور پھر وہ حضرت امام کے پیچھے پیچھے ہو لیا ۔ جب تھوڑی دور نکل گئے تو حضرت امام حسین نے دیکھا کہ ایک اجنبی شخص ان کے پیچھے پیچھے آ رہا ہے ۔ آپ رک گئے شامی نے پوچھا ۔ کیا تم علی کے بیٹے ہو ۔ فرمایا ۔ ہاں میں لائق باپ کا نالائق بیٹا ہوں ۔ بس پھر کیا تھا وہ تو علی کے نام سے جلا ہوا تھا ہی ۔ گالی پہ گالی دینی شروع کی ۔ لیکن آپ گالیوں کو بڑے اطمینان کے ساتھ سنتے رہے اس نے دیکھا کہ یہ تو کچھ بولتے نہیں تو وہ بھی خاموش ہو گیا ۔ جب وہ گالی دے چکا تو آپ نے فرمایا ۔ شاید آپ اجنبی ہیں " جواب ملا " ہاں میں اجنبی ہوں " آپ نے جواب دیا ۔ بہت اچھا آپ میرے غریب خانے پر تشریف لے چلئے ۔ جو کچھ روکھا سوکھا ہوگا آپ کے سامنے پیش کر دوں گا ۔ اور آپ کے کام میں ہاتھ بٹاؤں گا یہ سنتے ہی اس کی گردن شرم سے جھک گئی ۔

ماں باپ کی رضامندی

اسد ۔ قدوائی ۔ بھوپال

خوش رکھے ماں باپ کو جو ہو نہار
اس سے کیوں کر خوش نہ ہو پروردگار[۱]

خوش ہوں جس بچے سے اس کے والدین[۲]
دین و دنیا میں اسے حاصل ہو چین

چاہتے ہو گر خوشی اللہ کی
رات دن ماں باپ کی چاہو خوشی

دکھ نہ دو ان کو نہ ان کا دل دکھاؤ
وہ جو دیں ۔ لو ۔ جو کھلائیں اس کو کھاؤ

کھانے پینے کے لئے لڑنا نہیں
بات پر اپنے کبھی اڑنا نہیں

وہ جو پہنائیں، پہن لو، وہ لباس
کر کے ضد توڑو نہ ان کے دل کی آس

کام ہر مذہب میں ہے یہ پاپ کا
دل دکھانا اور پھر ماں باپ کا

یاد رکھنا چاہیئے اے نورِ عین
ہے بڑی نعمت رضائے والدین

جس کو یہ نعمت ملے دولت ملے
آبرو، عزت ملے، جنت ملے

۱؎ خدا ۲؎ ماں باپ

ڈچ اور اس کی خوردبین

(جناب سید محمد حمزہ صاحب حسنی بھوپال)

آج کل دنیا میں نئی نئی چیزیں ایجاد ہو رہی ہیں۔ ان میں سے بعض تو ایسی ہیں جنھیں شاید تم اس وقت سمجھ بھی نہ سکو۔ ان ایجادوں مثلاً ریل، تار برقی موٹر، بجلی، ٹیلیفون وغیرہ سے دنیا کو بڑے بڑے فائدے پہنچ رہے ہیں۔ انھیں ایجادوں میں ایک خوردبین بھی ہے۔ خوردبین تو تم جانتے ہو گے۔ یعنی وہ شیشہ جس میں ننھی ننھی اور باریک چیزیں بڑی یعنی چوگنی پچگنی دکھائی دیتی ہیں اور جس کے ذریعے ہمیں ایسی چیزیں بھی نظر آتی ہیں جنھیں ہم بغیر اس کی مدد کے نہیں دیکھ سکتے۔ اسی کی مدد سے ہالینڈ کے ایک باشندے انٹولی فان لیون ہوک (Antonyu. An leeuwer Hoek.) نے ایسے ننھے ننھے اور باریک کیڑے (جراثیم) معلوم کئے جنھیں انگریزی زبان میں میکروب کہتے ہیں۔ اور جن کی وجہ سے آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔

آج ہم تمھیں انٹولی ہوک کے کچھ حالات اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کس طرح ایک معمولی آدمی اپنی محنت اور ہنر کی وجہ سے دنیا کا مشہور آدمی بن گیا۔

انٹولی ہوک ہالینڈ کے مشہور شہر ڈلفٹ (Delft) ۱۶۳۲ء میں پیدا ہوا، ۱۶ برس کی عمر میں اس نے پڑھنا لکھنا چھوڑ کر کتابوں کی دوکان کر لی، پھر ایک بزاز کی دوکان پر منشی یا محاسب کا کام کرنے لگا۔ ۲۰ سال کی عمر میں وہ اپنے شہر کی کونسل کی عمارت کا محافظ یا چوکی دار مقرر کیا گیا۔ اس کا کام صرف عمارت کے دروازے کھولنا اور بند کرنا تھا۔ مگر بعد میں اپنے علمی مشغلوں کی وجہ سے کونسل کے ممبر اُسے عزت کی نظر سے دیکھنے لگے۔

نوکری کا کام کرنے کے بعد جو کچھ وقت بچتا تھا وہ خوردبین کے شیشوں کے ذریعے باریک اور ننھی ننھی چیزیں دیکھنے میں صرف کرتا تھا، یہاں تک کہ خود ان شیشوں کے بنانے میں اس نے خاص کمال اور شہرت پیدا کر لی۔ ایک مرتبہ اس نے چار سو سے زیادہ خوردبین کے شیشے بنا ڈالے ان میں سے بعض ایسے تھے جو چیزوں کو ۱۶۰ گنا بڑا

دکھاتے تھے۔ خوردبین کے ذریعے اس نے بعض ایسی چیزیں دیکھیں جنھیں اس سے پہلے اس نے کیا کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ غرض وہ برابر اسی دھن میں لگا رہتا تھا، اس کے دوست اسے بہت سی چیزیں مچھر، پسو وغیرہ لاکر دیتے تھے اور وہ ان کا اپنی خوردبین سے بہت دلچسپی سے مطالعہ کرتا تھا یہاں تک کہ اس کا ایک دوست وہیل مچھلی کی آنکھ اُٹھا لایا، اس نے اسے بھی خوردبین کی مدد سے دیکھا اور بہت سے مفید نتیجے نکالے۔

لیکن اس کا سب سے بڑا کارنامہ وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا۔ یعنی ان ننھے ننھے اور باریک کیڑوں کا پتہ چلایا۔ جنھیں میکروب کہتے ہیں۔ یہ کیڑے یا جراثیم اس نے زبان کے نیچے، دانتوں میں اور پانی میں دیکھے۔

یہ بہت ہی ننھے ننھے کیڑے یا جراثیم جنھیں پہلے اس شخص نے دریافت کیا۔ ہزاروں بیماریوں کی جڑ ہیں۔ یہ اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ ایک چھوٹے سے چمچے میں دس لاکھ سے زیادہ سما سکتے ہیں۔ پہلے انٹولی ہوک کی خوردبین ان کو نہ دیکھ سکی اس لئے اس نے کئی خوردبینیں بناڈالیں تب جاکر وہ کامیاب ہوا۔

انیسویں صدی کے شروع میں یہ معلوم ہوا کہ ان کیڑوں کی وجہ سے ہزاروں بیماریاں پھیلتی ہیں، اور ان میں سب سے خطرناک بیماری ملیریا کی ہے۔ پھر ایک اور مشہور ڈاکٹر نے یہ تحقیق کیا کہ یہ کیڑے مچھروں میں ہوتے ہیں اور جب یہ مچھر ان کے کاٹتے ہیں تو اپنی باریک سی سونڈ کے ذریعے یہ کیڑے جسم میں چھوڑ جاتے ہیں۔ اور یہ کیڑے خون کی گردش[1] کے ذریعے تمام جسم میں پھیل جاتے ہیں۔ اور انسان بیمار ہوکر چارپائی پر لیٹ جاتا ہے۔ اب تمام ملکوں میں مچھروں سے بچنے اور انھیں نیست و نابود کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور بعض ملکوں میں کامیابی بھی ہوئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمیں انٹولی ہوک کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ جس نے ایسے خطرناک کیڑوں سے ہمیں خبردار کیا اور جس کی بدولت بہت سے انسان اس مرض سے محفوظ ہیں۔

---

[1] گردش یعنی چکر

معمّا

کوئی چھ حرف کا لفظ لے لیجئے اور اس سے جتنے لفظ بن سکتے ہوں بنائیے، مثلاً کمخواب ایک مشہور قیمتی کپڑے کا نام ہے، اس میں چھ حرف ہیں:-

ک۱، م۲، خ۳، و۴، ا۵، ب۶

اب اس کا پہلا اور دوسرا حرف ملانے سے "کم" بن جاتا ہے، تیسرا، چوتھا اور چھٹا حرف ملانے سے "خوب" بن جاتا ہے جس کے معنی اچھے کے ہیں، پہلا، پانچواں اور دوسرا حرف ملانے سے "کام" بن جاتا ہے، تیسرا، چوتھا، پانچواں، چھٹا حرف ملانے سے "خواب" بن جاتا ہے جس کے معنی نیند کے ہیں۔ چھٹا، چوتھا اور دوسرا حرف ملانے سے "بوم" بن جاتا ہے جس کے معنی "الو" کے ہیں۔ چھٹا، پانچواں اور پہلا حرف ملانے سے "باک" بن جاتا ہے جس کے معنی ڈر کے ہیں۔ غرض اسی طرح بناتے چلے جائیے جو صاحب ایک ہی چھ حرفی لفظ سے سب سے زیادہ لفظ بنائیں گے، اُن کے نام "پیام تعلیم" میں شائع کئے جائیں گے۔

الّو بنانے کا آسان طریقہ

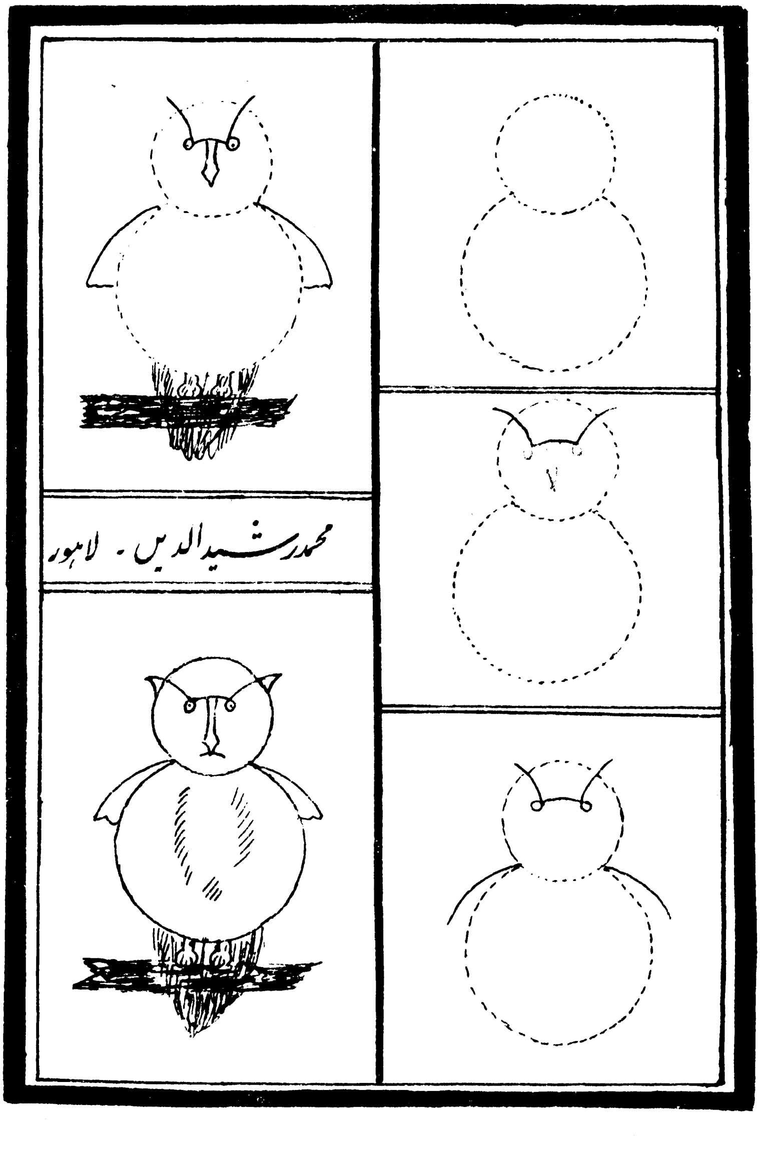

پیامِ تعلیم

قیمت سالانہ سے/

فی پرچہ ۴ر

زیر ادارت

سعید انصاری بی۔اے (جامعہ) محمد حسین حسان (ندوی)

جلد ۱۶	بابت ماہ فروری ۱۹۳۴ء	نمبر ۲

فہرست مضامین

۱۔ بچوں سے باتیں	ایڈیٹر	۲۷
۲۔ آچو	بدرالدین صاحب چینی بی اے (جامعہ)	۳۰
۳۔ دنیا گول ہے	محمود علی خاں صاحب (جامعی)	۳۷
۴۔ افریقہ کے چند جانور	محمد احمد صاحب سبزواری	۳۹
۵۔ عید	حکیم اللہ صاحب صدیقی بی اے	۴۲
۶۔ ایک۔دو۔تین	سید ابو طاہر داؤد صاحب بی ایس سی لک	۴۴
۷۔ نیک نکولس	محمد حسین حسان	۴۷
۸۔ زلزلہ	محمود علی خاں صاحب (جامعی)	۴۹
۹۔ ہوا میں پانی	جناب جیواد صاحب میرٹھی	۵۳
۱۰۔ نوشہ کا توتا	مولانا محمد حسین صاحب محوی لکھنوی	۵۵
۱۱۔ انڈر لڑکا	نیماد صاحب میرٹھ	۵۸
۱۲۔ پہیلی بوجھو	رشید الدین صاحب لاہور	۵۹
۱۳۔ شک کا مرض	معین الدین احمد صاحب گیاوی	۶۰
۱۴۔ تین چیزیں	سلیم احمد صاحب گلبرگہ	۶۲
۱۵۔ گلاس بنانا	رشید الدین صاحب لاہور	۶۴

مارچ سنہ ۳۴ء تک

پیام تعلیم کے نئے خریداروں کو سنہ ۱۹۳۳ء کا شاندار تاسیس نمبر مفت دیا جائے گا
بچے سال بھر کا چندہ مبلغ ے ر جلد دفتر کو بھیج دیں۔ دی پی منگانے میں ۲ر کا خرچ
زیادہ دینا پڑتا ہے اور اس میں بچوں کا نقصان ہے۔

پیام تعلیم سنہ ۱۹۳۳ء

پچھلے سال کے پیام تعلیم کے پورے پرچوں کی چند خوشنما جلدیں دفتر میں
موجود ہیں جو بچے خریدنا چاہیں ع۲ر بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں یا وی پی سے منگالیں
نئے خریداروں کو یہ جلد صرف عہ ر میں ملے گی۔ یعنی ے ر قیمت پیام تعلیم اور عہ ر پچھلے
سال کی جلد کی قیمت۔ کل للعہ ر بھیج دیجئے آپ کے نام سال بھر کے لئے رسالہ بھی
جاری ہو جائے گا اور پچھلے سال کی مکمل جلد بھی آپ کو مل جائے گی۔

علاوہ اس کے اگر آپ کے فائل میں کوئی پرچہ کم ہو تو دفتر کو لکھئے اگر موجود
ہوا تو بلا قیمت بھیج دیا جائے گا۔

منیجر

بچوں سے باتیں

اس نمبر سے پیام تعلیم بجائے مہینے میں دو بار نکلنے کے ایک ہی دفعہ نکلے گا۔ اس فیصلہ سے معلوم نہیں تم پر کیا اثر ہوگا۔ اس لئے کہ پہلے تو تمھیں اپنے پرچہ کے لئے پندرہ ہی روز انتظار کرنا پڑتا تھا۔ اب پندرہ روز اور بڑھ گئے۔ مگر اس کا سبب معلوم کرنے کے بعد شاید تم بھی اسے ٹھیک سمجھو گے۔

بات اصل یہ ہے کہ پندرہ روزہ پیام تعلیم میں صفحے بہت کم ہوتے تھے۔ اکثر، کوئی بڑا لیکن بہت اچھا اور ند مضمون ہمارے پاس آجاتا تو ہمیں بہت ہی دقت کا سامنا ہوتا۔ اگر آدھا شائع کرتے ہیں تو مضمون کا لطف جاتا ہے۔ اگر پورا شائع کرتے ہیں تو رسالہ اسی سے بھر جاتا ہے۔ علاوہ اس کے گنجائش کم ہونے کی وجہ سے بہت سے ضروری مضمون، دوسرے وقت پر ملتوی کرنے پڑتے تھے۔ مضمون نگار بھائیوں اور بچوں کی شکایتیں بھی آتی تھیں کہ ہمارا مضمون آپ دیر میں شائع کرتے ہیں غرض سو سو طرح کی دقتیں تھیں۔

برخلاف اس کے ماہوار نکالنے میں ہمیں بہت سی سہولتیں ہیں۔ اول تو یہ کہ چھوٹے بڑے ہر قسم کے اچھے اچھے اور دلچسپ مضمون شائع کرسکیں گے۔ اور ہمارے مضمون نگاروں کو، مضمون دیر میں شائع ہونے کی شکایت باقی نہیں رہے گی۔ علاوہ اس کے دلچسپ اور مفید مضمونوں کے نئے نئے عنوان بڑھا سکیں گے۔ اور ایک ہی رسالہ میں تمھارے لئے اتنا مسالہ جمع کریں گے کہ تم مہینے بھر تک مزے لے لے کر پڑھتے رہو اور دلچسپی پھر بھی باقی رہے۔ اس لئے کہ ماہانہ پرچہ بجائے ۳۲ کے ۴۰ اور کبھی کبھی ۴۸ صفحوں پر نکلے گا۔ قلمی تصویروں کی تعداد بڑھا دی جائے گی۔ اکثر بلاک کی تصویریں بھی شائع ہوں گی۔ غرض امید ہے کہ ماہوار پیام تعلیم پندرہ روزہ پیام تعلیم سے بہتر رہے گا انشاء اللہ

شاید تمھیں یاد ہو کہ ۲۱ نومبر کے پرچہ میں ہم نے چند تجویزوں کا ذکر کیا تھا اور تم سے بھی کہا تھا کہ اپنے

پرچہ کی ترقی کے لئے اچھی اچھی تجویزیں جو تمھارے ذہن میں آئیں جلدی سے بھیج دو۔ شاید اس زمانے میں تمھیں فرصت کم ملی اسی لئے اس طرف توجہ نہیں کی۔ مگر بھائی ہم یہ عذر نہیں مانیں گے۔ بھلا سوچو تو یہ تمھارے اپنے پرچہ کی ترقی کا معاملہ ہے اور ترقی کی تجویزیں اس لئے سوچی جا رہی ہیں کہ پرچہ تمھارے لئے زیادہ سے زیادہ مفید اور دلچسپ بن جائے۔ ایسی حالت میں تم توجہ نہیں کروگے تو اور کون کرے گا۔ اس لئے اس کام کو بھی اور بہت سے ضروری کاموں کی فہرست میں شامل کر کے بہت جلد ہمیں جواب دو۔

اس سلسلہ میں ہمارے محترم بزرگ مولانا محمد حسین صاحب محوی لکھنوی کا ایک تازہ خط ملا ہے۔ اس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:-

"میری ایک تجویز ہے کہ "پیام" میں بچوں کے خط چھاپا کیجیے اور ایسے خطوں کے ٹکڑے بھی جو آپ کے پاس پہنچیں یا آپ کو ملیں جن میں بچوں کے لئے مفید یا دلچسپ یا حوصلہ بڑھانے والی باتیں ہوں۔ یہ سلسلہ بہت دلچسپ اور مفید ہوگا۔ بچوں کے بعض خط بہت خوب ہوتے ہیں۔ معصومیت (بھولے پن) اور شرافت کا اصل نمونہ۔"

یہ بہت اچھی تجویز ہے اور ہم بڑی خوشی سے بچوں کے ایسے خط شائع کرنے کے لئے تیار ہیں جو پڑھنے والوں کے لئے بھی دلچسپ ہوں۔

اس سال کے پہلے ہی مہینے میں جو ناگہانی مصیبت ہمارے ہندوستان پر آئی، کبھی نہیں آئی تھی بجا کر بہار کے صوبہ میں تو بہت سے شہروں کو نقصان پہنچا۔ مظفرپور اور مونگیر تو بالکل تباہ ہو گئے۔ صرف ان دو شہروں میں بیس پچیس ہزار آدمیوں کے مرنے کا اندازہ کیا گیا ہے۔ باقی شہروں اور قصبوں میں بھی بہت سی عمارتیں تباہ اور بہت سی جانوں کا نقصان ہوا ہے۔ خدا ان ناگہانی آفتوں سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

ہم نے اس پرچہ میں زلزلہ پر ایک خاص مضمون لکھوایا ہے۔ اس میں اس نئے حادثہ کی تفصیل بھی ہے۔

---

۲۹ اکتوبر (صفحہ ۱۵۲) اور ۲۱ دسمبر (صفحہ ۱۸۸)

کے پرچوں میں ہمارے محترم مضمون نگار جناب احسن عثمانی صاحب کا نام (احسن سعید سرانوی) غلط چھپ گیا ہے۔ علاوہ اس کے ۱۲ر دسمبر کے پرچہ میں جو نظم "صبح اٹھنا" شائع ہوئی ہے وہ بھی آپ کی نہیں ہے، بلکہ آپ کے بھائی محمد ارشد صاحب نے کسی کتاب سے نقل کر کے بھیج دی تھی۔ بچے اپنے اپنے رسالوں میں ان غلطیوں کو درست کر لیں۔

جناب محمد ارشد صاحب عثمانی سے بھی گذارش ہے کہ چھپے ہوئے مضمون یا نظمیں پیام تعلیم میں شائع نہیں ہوتیں اس لئے امید ہے کہ آئندہ وہ احتیاط سے کام لیں گے۔ اور اگر اس قسم کی کوئی چیز بھیجیں گے تو جس کتاب سے انھوں نے نقل کیا ہو اُس کا حوالہ ضرور دیں گے۔ دوسرے مضمون نگار بھائیوں سے بھی ہماری یہی گذارش ہے۔

پچھلے دنوں عالی جناب نواب ذوالقدر جنگ بہادر ہوم سکرٹری حضور نظام دہلی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اُن کے اعزاز میں امیر جامعہ جناب ڈاکٹر انصاری صاحب کی طرف سے ایک شاندار دعوت دی گئی۔ دعوت کا انتظام ۲۲ر جنوری کو شام کے چار بجے جامعہ کے تعلیمی مرکز نمبر ا میں کیا گیا تھا۔ جامعہ کے استادوں کے علاوہ اور بھی بہت سے معزز لوگ بلائے گئے تھے۔

اس زمانے میں سردیوں کی چھٹیاں تھیں پھر بھی جناب شیخ الجامعہ نے جامعہ کی بہت سی چیزیں دکھائیں اور بتایا کہ ہماری جامعہ کا مقصد کیا ہے اور یہاں کس طرح پڑھائی ہوتی ہے۔

دعوت کے موقع پر ایک چھوٹے سے بچے نے سنہرا ہار جناب نواب صاحب کے گلے میں ڈالا۔ ایک دوسرے بچے نے جامعہ کے بچوں، جامعہ کے مختلف کھیلوں اور جامعہ کی مختلف عمارتوں وغیرہ کی تصویروں کا ایک خوبصورت البم پیش کیا۔ علاوہ اس کے جامعہ کی چھپی ہوئی کتابیں جناب نواب صاحب کی خدمت میں پیش کی گئیں۔

جناب نواب صاحب جامعہ کے کاموں سے بہت خوش ہوئے اور اپنا اطمینان ظاہر کیا۔

آچو

از جناب بدرالدین صاحب چینی بی اے جامعہ اُستاد دارالعلوم ندوہ

ہماری جامعہ میں ایک چینی طالب علم محمد بدرالدین صاحب کئی سال رہ کر تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔ اب وہ دارالعلوم ندوہ میں استاد ہیں لیکن جامعہ کو وہ نہیں بھولے ہیں۔ بچوں کے لئے مزیدار کہانیاں اور بڑوں کے لئے مفید علمی مضمون اکثر بھیجتے رہتے ہیں "آچو" کی کہانی جو اس پرچہ میں شائع ہو رہی ہے انھوں نے ایک چینی کہانی سے ترجمہ کی ہے۔ یہ ذرا بڑی کہانی ہے اور دو ٹکڑوں میں شائع کرنے سے وہ لطف نہ رہتا جو اس کی جان ہے۔ اس لئے ایک ہی پرچہ میں سب کہانی دیجاتی ہے البتہ اس خیال سے کہ جگہ کم صرف ہو کتابت کا قلم کچھ باریک کر دیا ہے۔ امید ہے کہ بچے اسے پسند کریں گے۔

ایک دن صبح کو آچو کے باپ نے اُسے ایک ہوادار اور کھلی جگہ پہنچا دیا۔ وہاں پہنچ کر آچو کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک نئی اور مزے کی دنیا میں آگیا ہے۔ اس کا گھر بہت چھوٹا اور تاریک تھا، اتنا چھوٹا کہ وہ اس میں مشکل سے گھوم سکتا تھا اور اتنا تاریک کہ کمرہ میں اسے کوئی چیز یہاں تک کہ اپنی ماں کا چہرہ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ اس میں نہ تو کوئی روشندان تھا نہ کھڑکی، گھر کا دروازہ بہت نیچا اور ٹوٹا ہوا تھا جس میں جھک کر آنا پڑتا تھا۔ اس کے سامنے ہی ایک اونچی سی دیوار تھی جو روشنی کو اندر آنے سے روکتی تھی۔ جس گلی میں یہ گھر تھا۔ وہ ایک بدبودار گلی تھی آنے جانے والے وہاں پیشاب کرتے تھے۔ سخت بدبو کی وجہ سے صرف وہی لوگ اس میں آتے تھے جنھیں یہ ضرورت کھینچ لاتی تھی لیکن اس گلی کے رہنے والے اس بدبو کے ایسے عادی ہو گئے تھے کہ انھیں اس کا خیال تک نہ آتا تھا۔

غریب آچو نے آٹھ برس کی عمر تک گھر سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ تمام دنیا کی حالت وہی ہو گی جو اس کے گھر کی۔ اور گھر کے چاروں طرف کی ہے۔ لیکن خدا کی شان! باہر تو ایک بالکل ہی نئی دنیا ہے جو اس کے گھر کی دنیا سے بالکل الگ ہے اور جس سے اب تک وہ بالکل بے خبر تھا۔

آچو کا باپ ایک غریب آدمی تھا محنت مزدوری کرتا تھا شادی اور غمی کے موقع پر اُسے بلایا جاتا تھا۔ اور سگرٹ چائے اور حقہ وغیرہ کا انتظام اُس کے سپرد کیا جاتا تھا۔ علاوہ اس کے جہازوں کے ڈک، کارخانوں کے گودام اور ریل گاڑی کے دفتر میں بھی وہ پہنچ جاتا تھا۔ اور جو کچھ مزدوری اُسے ملتی تھی اس سے اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پالتا تھا۔

آچو کے باپ کو شراب کی بہت لت تھی۔ چین میں شادی و غمی کے موقع پر شراب ایسی ہی ضروری ہے جیسے ہندوستان میں پانی اس لئے ان موقعوں پر تو اسے پیٹ بھر کر شراب مل جاتی تھی لیکن کبھی کبھی ہفتوں ایسے موقعے نہیں آتے۔ ایسی

حالت میں وہ شام کو شراب کی جھونپڑی میں چلا جاتا اور دو پیسہ کی گیہوں کی شراب خرید کر جھونپڑی کے دروازہ سے ٹیک لگاتا اور آہستہ آہستہ مگر مزے لے لے کر پیتا۔ دو پیسہ کی شراب وہ اتنی دیر تک پیتا کہ نو دس بج جاتے۔ کلال دکان بند کرنے لگتا تو اُسے ہوش آتا اور اپنے گھر کی راہ لیتا۔ اتنی دیر میں آچو کب کا سو جاتا۔

آچو کی ماں رسّی بٹتی تھی۔ اس کے کان اُبھرے ہوئے تھے آنکھیں سُرخ رہتی تھیں اور ہمیشہ اُن سے پانی بہتا رہتا تھا۔ لوگ کہتے ہیں یہ مرض خاندانی ہے اور باپ دادا سے چلا آتا ہے۔ آچو کے باپ کو بھی یہی مرض ہے مگر اس کی حالت اتنی خراب نہیں جتنی آچو کی ماں کی۔

آچو کی ماں صبح سے شام تک ایک ٹوٹی ہوئی بنچ پر بیٹھی رہتی، اس کے دونوں ہاتھ ہر وقت مشین کی طرح چلتے رہتے دونوں ہاتھوں کے علاوہ اس کا جسم ذرا بھی حرکت نہ کرتا بلکہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ وہ پلک تک نہیں مارتی تھی۔ بس وہ ایسی معلوم ہوتی تھی کہ کسی نے کوئی مورت لاکر رکھ دی ہے، اُسے نہ کسی چیز کی خوشی تھی نہ کسی بات کا غم۔ یوں سمجھئے کہ گویا خدا نے اُسے صرف رسّی بٹنے کے لئے پیدا کیا تھا۔

آچو بچپن میں اپنی ماں کا دودھ پیتا تھا تو کبھی کبھی اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اس کے سینہ پر مارنے لگتا تھا۔ اُس کی بڑی بڑی آنکھیں اکثر اپنی ماں کے چہرے کو گھورتی تھیں۔ یہ سب کچھ ہوتا تھا مگر اُسے ذرا بھی خبر نہ ہوتی تھی، سوائے رسّی بٹنے کے وہ کسی اور طرف توجہ ہی نہیں کرتی تھی۔

جب آچو اپنی ماں کا دودھ پی چکتا تو گہوارے میں چھوڑ دیا جاتا۔ وہ گہوارے میں کھڑا ہونے کی کوشش کرتا لیکن پھر گر جاتا اور رونے لگتا۔ لیکن اُس کی ماں گویا اُس کے رونے کی آواز نہیں سُنتی تھی وہ گہوارے کے پاس بہت کم بیٹھتی تھی کہ میٹھی میٹھی باتوں سے اُسے چپ کرے۔ پیاری پیاری لوریوں اور گیتوں سے اُسے بہلانے اور سلانے کی کوشش کرے۔ اور نرم نرم ہونٹوں سے اُس کا منھ چومے ایسی باتیں اُس کے دماغ ہی میں نہیں آتی تھیں۔ وہ صرف رسّی بٹنا جانتی تھی دوسری باتوں سے اُسے بہت کم سروکار تھا۔

آچو کی عمر اب آٹھ سال کی تھی۔ اب تک اُس کی دنیا صرف اُس کا گھر اور گھر کے سامنے کی گلی تھی۔ گذرنے والوں کے گانوں، میوے مٹھائی والوں کی چیخوں، اماں کی آہوں اور خود اپنی چیخ پکار کے سوا اُس نے اب تک کچھ نہیں سنا تھا. اماں کے علاوہ اُس کا کوئی اور ساتھی نہ تھا۔ اس کا باپ صرف سوتے وقت اس کے پاس آتا اور اُسے اپنے پاس سُلاتا پیدا ہونے سے لے کر آج تک اُس کی دنیا بس اتنی ہی تھی۔ لیکن آج وہ اس تنگ اور چھوٹی دنیا سے نکل کر ایک اور دنیا میں داخل ہو گیا تھا۔

مدرسہ میں داخل کرانے کے بعد ایک اُستانی اُس کے پاس آئی۔ اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر بہت ہی میٹھی اور نرم آواز سے پوچھا "بیٹے! تم اپنا نام بتا سکتے ہو؟" اس سے پہلے کسی نے اس قسم کا سوال نہیں کیا تھا۔ اس کی زندگی میں یہ پہلا اتفاق تھا کہ اُستانی نے اس کا نام پوچھا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا جواب دے۔ اُس نے اپنا منھ کھول دیا اور حیرت سے اُستانی کو تکتا رہا۔ شرم سے اُس کے رُخسارے سُرخ ہو گئے تھے اور آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر اُستانی نے کوئی اور بات نہیں پوچھی۔

مگر اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا اور اُسے اپنے ساتھ کھُلے میدان میں لے گئی۔ اُستانی نے جب آچو کا ہاتھ اپنے نرم ہاتھوں میں لیا تو اُسے ماں کی سی محبت و شفقت کا مزا آ گیا۔ اس کے چھوٹے سے دماغ میں عجیب عجیب خیالات پیدا ہونے لگے۔ وہ ڈر بھی رہا تھا کہ ایک غیر عورت اُسے کہاں لے جا رہی ہے۔ اُسے حیرت بھی تھی کہ یہ کیوں اس سے ایسی میٹھی میٹھی باتیں کر رہی ہے اور اُسے شک بھی تھا کہ کہیں یہی تو اُس کی ماں نہیں ہے۔

کھیل کے میدان میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو بے کار پڑی ہو۔ درخت ہوا میں ناچ رہے تھے، چڑیاں اُڑ رہی تھیں چہچہا رہی تھیں اور درخت کی شاخوں پر جھول رہی تھیں۔ گرد و غبار اُڑ رہا تھا، لڑکے کھیل کود رہے تھے۔ گیند ٹھوکریں کھا رہا تھا غرض ہر چیز حرکت میں تھی کچھ عجیب تماشا تھا۔

آچو استانی کے ساتھ اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا۔ اُسے اندھیرے میں رہنے کی عادت ہو گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ پہلی بار جب وہ میدان میں آیا تو اُس کی آنکھیں روشنی میں بند ہو ہو جاتی تھیں۔ بعض مرتبہ وہ آنکھیں کھول کر ان کھیلتے کودتے ہوئے بچوں کو دیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ سب لڑکے اس کھیل کود میں بہت خوش ہیں۔ وہ بھی چاہتا تھا کہ ان میں شامل ہو جائے۔ جونہی یہ خیال اُس کے دل میں آیا اس کا دل زور زور سے اچھلنے لگا۔ اس کے پاؤں تو کم زور تھے ہی۔ سینہ کی دھڑکن سے گر پڑا۔ اس پر استانی نے ایک قہقہہ لگایا۔ اور میٹھی آواز سے اُس سے پوچھا "کیا تم ان کے ساتھ کھیلنا چاہتے ہو؟" آچو نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کی آنکھیں اُستانی کی طرف گھور رہی تھیں اور اپنی حیرت ظاہر کر رہی تھیں۔ آچو سے کوئی جواب نہ پایا تو اُس نے خود کہا "اچھا تم یہیں کھڑے رہو اور ان کا کھیل دیکھو" یہ کہہ اور آچو کو ایک درخت کے نیچے چھوڑ وہ خود بچوں کے ساتھ کھیل میں شریک ہو گئی۔

آچو اکیلا کھڑا تھا کہ یکایک ایک چھوٹی سی نرم گیند اُس کے سر پر آ کر لگی۔ اور ٹپہ کھا کر کسی اور طرف جا پڑی۔ آچو کھیل دیکھنے میں اس قدر مصروف تھا کہ اسے پتہ بھی نہیں چلا کہ کیا چیز اُس کے سر پر لگی ہے۔ وہ ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کچھ ہوتا تو نظر آتا۔ تب اُس نے سوچنا شروع کیا کہ کیا چیز اُس کے سر پر گری تھی۔ اماں کا ہاتھ؟ جی نہیں وہ اتنا ہلکا نہیں ہو سکتا۔ کوئی کنکر! وہ اتنا نرم نہیں ہو سکتا۔ پھر آخر کیا چیز تھی۔ اُس کے دل میں ایک قسم کا ڈر سا پیدا ہوا۔ اس نے خیال کیا کہ یہ امن کی جگہ نہیں۔ کوئی چیز اُسے چپکے چپکے مار رہی ہے۔ اس جگہ ضرور کوئی چیز ہے جو اور لڑکوں کو بھی پریشان کرتی ہوگی۔ یہ سوچتے سوچتے اُس کے قدم پیچھے ہٹے یہاں تک کہ وہ دیوار کے پاس آ گیا۔ اُس نے مڑ کر دیوار کی طرف دیکھا۔ اُس پر ہری ہری کائی جمی ہوئی تھی۔ اُس نے اپنا ہاتھ دیوار میں لگایا۔ وہ بہت سخت اور ٹھنڈی تھی۔ اس کے مقابلہ میں اُستانی کا ہاتھ بہت نرم اور گرم تھا۔ اس سے اُس نے یہ نتیجہ نکالا کہ نرمی اور گرمی سے محبت پیدا ہوتی ہے اور سختی اور ٹھنڈک سے نفرت!

آچو آج سے درجہ میں داخل ہو گیا ہے۔ درجہ میں اور بھی بیس بائیس لڑکیاں لڑکے تھے ان کی عمر زیادہ سے پانچ چھ برس

کی ہوگی۔ آچو ان سب میں بڑا تھا۔ اس سے پہلے اس کے بیٹھنے کے لئے صرف ایک جھلنگا چارپائی اور ایک ٹوٹا ہوا اسٹول (تپائی) تھا۔ آج اُسے بیٹھنے کے لئے ایک چھوٹی سی نئی کرسی اور سامنے رکھنے کے لئے ایک چھوٹی سی میز مل گئی۔ مگر وہ اس پر اس طریقے سے بیٹھتا تھا جیسے اپنی ٹوٹی ہوئی چارپر۔ یہی وجہ تھی کہ اُس کا بیٹھنا بھی ایک تماشا بن گیا۔ اس کے بدن کے اوپر کا پورا کا پورا حصہ میز کے درمیان دھرا ہوا تھا۔ سینہ میز کے کنارے لگا ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ آسانی سے سانس نہیں لے سکتا تھا۔ پاؤں کرسی پر رکھ لئے تھے اور کیچڑ سے لت پت جوتے دوسرے ساتھیوں کے کپڑوں سے لگ رہے تھے وہ سمجھتا تھا کہ بیٹھنے کا ٹھیک طریقہ یہی ہے۔ درجہ کی اُستانی کو آچو کی یہ بے تمیزی بہت بُری معلوم ہوئی مگر وہ سمجھتی تھی کہ یہ نیا نیا داخل ہوا ہے اور اس کے گھر کے لوگ اس قدر جاہل ہیں کہ اسے بیٹھنا بھی نہیں سکھایا۔ اس نے نہایت صبر اور نرمی کے ساتھ آچو سے کہا "آچو! دیکھو ایسے بیٹھنا چاہئے۔ سر نیچے نہ جھکاؤ بدن سیدھا رہے۔ پاؤں نیچے رکھے رہیں۔ ہاتھ اس طرح رکھو سینہ میز سے نہ لگنے پائے۔ دیکھو اور لڑکے کیسے بیٹھے ہیں، انھیں کی طرح تم بھی بیٹھو۔"

اُستانی کے کہنے سے آچو نے چار و ناچار اپنے پیر نیچے رکھے اور سنبھل کر بیٹھ گیا لیکن دو چار منٹ کے بعد اُس کے پیر خود بخود کرسی پر آ گئے۔ سینہ میز کے کنارے لگ گیا۔ سر نیچے جھک گیا اور ہاتھ میز پر پھیل گئے۔ اس سے اُس کے آس پاس کے ساتھیوں کو تکلیف ہوئی اور ایک ساتھی نے چلا کر کہا "تم کیوں ہماری جگہ لیتے ہو، تمھاری جگہ تو یہ ہے" غریب آچو کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اُس نے اپنے ساتھی کا کیا بگاڑا ہے وہ بڑے تعجب اور حیرت سے ساتھی کی طرف دیکھنے لگا بعض زندہ دل لڑکے آچو کی عجیب شکل کو دیکھ کر ہنس پڑے اور بڑے زور کا قہقہہ لگایا۔ بھولے بھالے آچو کے لئے یہ پہلا اتفاق تھا کہ ایسی حیرت ناک اور ڈرا دینے والی صورت پیش آئی۔ اس کا جسم خود بخود میز پر پھیل گیا۔

اُستانی نے بہت سے کھلونے نکالے درجہ کے تمام لڑکے خاص کر اسی میز کی طرف دیکھنے لگے جو اُستانی کے سامنے رکھی تھی اور جس پر یہ رنگ برنگ کے کھلونے سجے ہوئے تھے یہ لکڑی کی مورتیں تھیں۔ ہاتھی، گھوڑا، شیر، بلیاں، چوہے، چڑیاں وغیرہ۔ اُستانی ان مورتوں کو کبھی میز پر سلاتی، کبھی اٹھاتی کبھی بٹھاتی۔ ان کے ہاتھ ہلاتی پاؤں دباتی غرض طرح طرح سے بچوں کو ہنساتی۔ یہ کھلونے بچوں کو بہت پیارے تھے۔ ہر ایک بچہ انھیں پسند اور اُن کے ساتھ کھیلنے کی خواہش کرتا تھا۔

کھلونے دیکھ کر آچو کے دل میں ایک نئی خواہش پیدا ہوئی کہ انھیں اپنے قبضہ میں کر لے، اس نے اپنے ہاتھ بڑھائے لیکن ہاتھ اس قدر چھوٹے تھے کہ میز تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ساتھ ہی اُسے یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ استانی نے دیکھ لیا تو ضرور مارے گی۔ اس نے اپنے پھیلائے ہوئے ہاتھ پیچھے کر لئے اُستانی اگرچہ دوسرے کاموں میں مشغول تھی مگر اس کی آنکھ بہت تیز تھی۔ اُس نے آچو کی حرکت دیکھ لی اور بے اختیار

ہنس پڑی۔ اُس نے آچو سے کہا " ذرا ان کھلونوں کو گنو تو "۔
آچو بہت پریشان ہوا اُس نے کئی بار منہ کھولا مگر آواز نہیں نکلتی تھی، اُستانی کے بار بار کہنے سے آخر اُس نے گننا شروع کیا " ایک دو تین چھ پانچ آٹھ چار "۔ آچو کی غلطی پر اُستانی مسکرائی اور سمجھ گئی کہ اُسے گنتی بھی نہیں آتی۔ اُس نے پاس کی ایک بچی سے پوچھا کیا تم ان کھلونوں کو ٹھیک سے گن سکتی ہو۔ بچی نے جھٹ سے جواب دیا " جی ہاں ایک دو تین چار پانچ چھ سات آٹھ "۔ درجہ کے تمام ساتھی چلا اُٹھے " بالکل ٹھیک بالکل ٹھیک "۔ اُستانی نے بھی کہا " ہاں بالکل ٹھیک۔ اچھا ایک ایک کھلونا لے لو اور کھیلو "۔

آچو کو بھی ایک کھلونا ملا۔ لیکن اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ اس سے کس طرح کھیلنا چاہئے وہ اسے اپنے ہاتھ میں دبائے اس کی طرف گھورتا رہا۔

کھلونے تقسیم کرنے کے بعد اُستانی نے بچے اور بچیوں سے پوچھا " یہ تمہارے پیارے ساتھی ہیں تم بتلا سکتے ہو کہ یہ کہاں رہتے ہیں ؟ "

سب نے ایک آواز ہو کر کہا " مکان میں "

اُستانی :۔ مکان میں کس طرح جاتے ہیں ؟

بچے :۔ دروازے سے۔

اُستانی :۔ دروازہ ان کے جسم سے اونچا ہے یا نیچا، چوڑا ہے یا تنگ ؟

بچے :۔ چوڑا ہے اور اونچا۔ صرف آچو نے یہ جواب دیا کہ دروازہ جسم سے نیچا ہے اس لئے کہ اس کے گھر کا دروازہ واقعی بہت نیچا تھا۔ اس کے ماں باپ جھک جھک کر اندر آتے تھے۔

اُستانی نے پھر پوچھا " دروازہ کس طرح کھولا جاتا ہے ؟ "
سب بچوں نے دروازے کی طرف ہاتھوں کا اشارا کر کے بتایا " اس طریقے سے "۔ اُستانی نے ایک چھوٹی بچی سے کہا " تم مجھے دروازہ کھول کر بتاؤ "۔ بچی بہت خوش دوڑی گئی مگر کواڑ بہت بھاری تھے اس لئے اُس سے نہ کھل سکے۔ درجہ کے بچوں نے جب یہ دیکھا کہ ننھی سی بچی سے دروازہ نہیں کھلتا تو ان میں سے دو چار نے کہا " اُستانی بی ہم کھول لیں گے۔ " اُستانی نے ایک لڑکے کو اجازت دے دی اور اُس نے زور سے کواڑوں کو باہر کی طرف دھکیلا اور دروازہ فوراً کھل گیا۔ سب طرف سے اسے شاباش ملی۔ اُس نے پھر بچوں کو بتایا کہ " جب دروازہ کھولنا چاہو تو کواڑوں کو اس طرح گھمانا چاہئے، اچھا تم میں سے ہر ایک کھول کر دکھو تو "۔

مگر جب آچو کی باری آئی تو اُسے بہت مشکل معلوم ہوئی اُس نے کواڑوں کو کھینچا۔ دھکا بھی دیا۔ گھمایا بھی مگر بڑی دقت سے صرف آدھا دروازہ کھلا۔ وہ کچھ گھبرا سا گیا۔ چہرہ شرم سے سُرخ ہو گیا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور سانس زور زور سے چلنے لگی۔

تمام بچوں نے ہاتھ ملا کر ایک دائرہ بنایا۔ اُستانی کے ہاتھ میں ایک سارنگی تھی۔ پہلے اُس سارنگی کے سُر ملا کر ایک گیت گایا پھر سب بچوں سے کہا " آؤ سب مل کر تتلی کا گیت گائیں، تمام لڑکے اور لڑکیاں بڑی خوشی سے راضی ہو گئیں، چند لڑکوں نے

اپنے بازوؤں کو تتلی کا پر بنایا وہ انھیں اس طرح ہلاتے تھے گویا سچ مچ تتلی اڑ رہی ہو۔ اب سارنگی کی آواز شروع ہوئی اُسی کے ساتھ بچوں نے گیت شروع کیا۔ ان کی آواز بہت میٹھی اور پیاری تھی۔

تتلی کا گیت تم نے کبھی کا ہے کو سنا ہوگا۔ اصلی گیت چینی زبان میں ہے۔ تم اُسے سمجھ بھی نہیں پاؤگے۔ ہم تمھاری خاطر اس کا اُردو ترجمہ کئے دیتے ہیں اگرچہ ترجمہ میں وہ مزا کہاں جو اصل میں ہے۔

تتلی کا گیت

اُڑ! اُڑ!! اُڑ!!!
اڑکر باغ میں دیکھ
وہاں کا منظر کیا پیارا
چمن کے پھول ہمارے بستر
لاتے ہیں نیند جیسے جادوگر!
گھاس کا سبزہ ہمارا فرش
ہماری جائے ناز!
اُڑ! اُڑ! اُڑکر اوپر دیکھ
اُڑ! اُڑ! اُڑکر نیچے آ

ہم مل کر اُڑیں! کبھی جدا نہ ہوں
دیکھو غنچے اس قدر ہنسے
کہ سُرخ ہوگئے اُن کے رخسار
ہا ہا ہا، ہو ہو ہو
ہا ہا ہا، ہو ہو ہو
پھولو آؤ ہمارے ساتھ اُڑو
غنچو کھلو، دانت ہمیں دکھلاؤ
تم ہمارے پیارے تم ہمارے پیارے
خوش رہو نہ کہ دل شکستہ اور غمگین بنو

آچو بھی تمام بچوں کے درمیان کھڑا تھا۔ مگر اُسے یہ نہیں معلوم تھا کہ کیا گا رہے ہیں۔ مگر وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ اس گانے سے اس میں سر سے پاؤں تک ایک حرکت پیدا ہوگئی ہے جو اس کی چھوٹی سی روح کو بہت میٹھی اور تسکین دینے والی معلوم ہوتی تھی۔ وہ گا نہیں سکتا تھا مگر اس کی سانس گانوں کا ساتھ دے رہی تھی اور اس سے اُسے ایسی خوشی اور تسکین حاصل ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ ایسی تسکین جو اماں کا دودھ

پینے اور دودھ پیتے وقت سو جانے سے بھی نہیں مل سکتی تھی آخر اس کے ہاتھ خود بخود حرکت کرنے، پاؤں ہلنے اور منھ سے اونچی نیچی آواز میں گانے نکلنے لگے۔ وہ اتنا چست نہیں تھا کہ دوسرے بچوں کی طرح تیزی دکھاتا۔ اس کی حرکتیں بھی بہت ہی بُری معلوم ہو رہی تھیں۔ گاتے وقت اُس کی آواز خاص طور پر سُنائی دیتی تھی اور بہت ہی مکروہ معلوم ہوتی تھی لیکن آواز خراب ہوا کرے۔ اس کا اس میں کیا ہرج تھا وہ

توصرف یہ چاہتا تھا کہ دوسرے لڑکوں کی طرح وہ بھی گائے کودے، اُچھلے زور زور سے چلائے اور دوسروں کے ساتھ شور مچائے۔ اس ہاؤ ہو میں آچو کا ڈر، گھبراہٹ اور کُھلاہٹ افسردگی سب باتیں غائب ہوگئیں مگر افسوس اُسے پہلے سے ایسی خوشی کی زندگی نصیب نہ ہوئی ورنہ وہ بھی اور بچوں کی طرح شروع سے زندہ دل اور چست بچہ بن سکتا تھا اور کسی سے پیچھے نہ رہتا۔

اسکول میں داخل ہونے کا پہلا دن آچو کی زندگی کا گویا ایک نیا ورق تھا، اُس روز سے اسے دوسرے بچوں کے ساتھ ملنے جُلنے اور کھیلنے کودنے کا موقع ملا لیکن چھٹی کے بعد پھر اُسے اپنے گھر آنا پڑا جو ایک نہایت چھوٹا، میلا اور تاریک مکان تھا اور ایک تاریک گلی میں واقع تھا۔

گھر میں آکر اُس نے دیکھا کہ اُس کی ماں ہمیشہ کی طرح ایک تپائی پر بیٹھی رسّی بٹ رہی ہے، اُس نے آچو کی طرف دیکھا نہ اُس سے کچھ پوچھا۔ اُسے تو بس اپنی رسّی سے کام اور دوسری چیزوں کا اُسے دھیان ہی نہیں آتا تھا۔ آچو گھر کے ایک اندھیرے کونے میں جا کر بیٹھ گیا وہ آج مدرسہ سے پھولوں کا ایک گچھا لایا تھا اور اسی کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اس کا باپ بہت رات گئے لوٹا، آج کہیں اُسے خوب شراب پینے کو مل گئی، نشہ میں چور تھا آتے ہی سوگیا، اُسے یاد بھی نہ تھا کہ صبح کو اس نے اپنے بچے کو مدرسے میں داخل کیا تھا۔ مگر آچو کا یہ حال نہ تھا، پھولوں سے کھیلتے وقت مدرسے کی ساری باتیں آنکھوں میں پھر رہی تھیں اور اُسے مست بنا رہی تھیں۔ وہ رات کو دیر تک نہ سو سکا، نیند میں بھی اُسے مدرسے کے سارے منظر نظر آ رہے تھے۔

معما

اس شکل میں ۲۱ ستارے دئے ہوئے ہیں۔ تم ایسی سیدھی تین لکیریں کھینچو کہ ہر ایک خانے میں تین تین ستارے آجائیں۔

محمد رشید الدین

لاہور

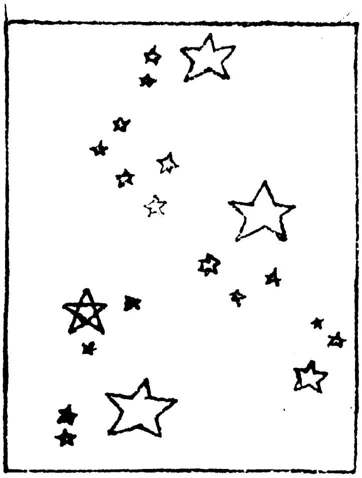

دُنیا گول ہے

(از محمود علی خاں صاحب جامعی)

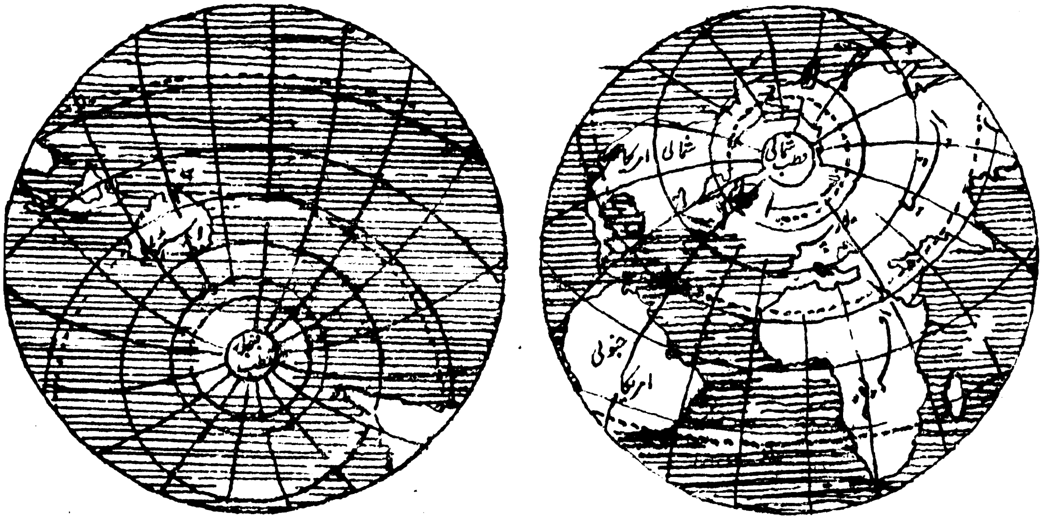

پچھلے پرچے میں "تاروں بھری رات" والا مضمون تو آپ نے پڑھا ہوگا۔ اس میں جو باتیں بتلانے کا ہم نے وعدہ کیا تھا ان کے لکھنے سے پہلے چند اور موٹی موٹی باتیں بتانا ضروری ہیں۔ ان میں سب سے پہلی بات تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا گول ہے اور اُس کے چاروں طرف جہاں تک بھی ہماری نظر جا سکتی ہے سارا جہان خالی ہی خالی ہے۔ یعنی اس کی کوئی حدیں ہی نہیں ہیں۔ جیسے ایک کمرے میں اگر آپ بیٹھے ہوں تو اس کے دائیں بائیں۔ سامنے پیچھے۔ اوپر نیچے کمرہ آپ کو دیواروں۔ چھت اور زمین سے گھرا ہوا معلوم ہوگا لیکن اس جہان کا کمرہ بغیر دیواروں بغیر چھت اور بغیر زمین کا ہے اور اس میں ہماری دُنیا بالکل اُدھر رکھی ہے۔ فٹ بال تو آپ نے کھیلا ہی ہوگا۔ جس طرح کک مارنے سے وہ اونچا ہو جاتا ہے

اور کسی چیز پر سدھا ہوا نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہماری دنیا بھی ایک بڑے سے فٹ بال کی طرح بغیر کسی چیز کے سہارے اس جہان میں موجود ہے اور سورج کی کشش اسے گرنے سے یا ادھر اُدھر چلے جانے سے روکتی ہے۔

دنیا گول ہے۔ ایسی گول ہے جیسی نارنگی۔ آپ کہیں گے کہ دنیا اگر گول ہوتی تو ہم اُس پر کھڑے کیسے رہ سکتے، گر نہ جاتے۔ بات یہ ہے کہ دنیا میں بھی ایک کشش کی طاقت موجود ہے اور وہ طاقت ہم کو دنیا کی طرف ایسے ہی کھینچے رہتی ہے جیسے ایک شامیانہ طنابوں سے کھچا رہتا ہے اور گرنے نہیں پاتا۔ دنیا کی کشش کا آپ کو اس طرح اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر آپ ایک پتھر اوپر پھینکیں تو وہ پھر زمین ہی پر واپس آتا ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ پتھر جس طرف کو پھینکا جاتا اُسی طرف کو چلتا چلا جاتا اور زمین پر لوٹ کر نہ گرتا۔ آپ اس بات پر ضرور ہنسیں گے لیکن بات یہ ہے کہ اس قسم کی باتوں میں جو ہم روز دیکھتے رہتے ہیں ہماری طبیعت نہ کوئی عجیب بات دیکھتی ہے نہ اس کے خلاف ہماری سمجھ کچھ قبول کرنے کو تیار ہوتی ہے اور نہ ہم کبھی اس کی وجہ پر غور کرتے ہیں لیکن جن لوگوں کو "کیا ہے اور کیوں ہے؟" کرنے کی عادت ہوتی ہے وہ ضرور ہر بات کی وجہ سوچتے ہیں اور نئی نئی باتوں کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ مثلاً ایک قصہ سنیئے

دنیا کا ایک مشہور عالم گذرا ہے نیوٹن۔ ایک دن وہ اپنے سیب کے باغ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک سیب اوپر سے گرا۔ اُسے فوراً یہ خیال ہوا کہ یہ سیب ٹوٹ کر نیچے کیوں گرا۔ اوپر کیوں نہ چلا گیا۔ بس کیا تھا۔ وہ اس معاملہ کے پیچھے پڑ گیا۔ آخر اس نے یہ بات معلوم کر لی کہ زمین میں ایک کشش موجود ہے جو ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

دوسرے یہ کہ دنیا کا گولا بہت ہی بڑا ہے اس لیئے نہ ہمیں اس کی گولائی معلوم ہوتی ہے۔ نہ اس گولائی کا ہم پر اثر پڑتا ہے مثلاً کسی نارنگی پر اگر کوئی چیونٹی جاتی ہو تو وہ کہیں گرتی ہے اور یقین ہے کہ اسے نارنگی کی گولائی معلوم بھی نہ ہوتی ہوگی۔

آپ کہیں گے۔ ہم یہ کیسے مان لیں کہ دنیا گول ہے۔ دیکھئے آج کل اخباروں میں اکثر آپ نے پڑھا ہوگا کہ کوئی شخص ہوائی جہاز پر۔ موٹر پر۔ سائکل پر یا پیدل کسی جگہ سے روانہ ہوا اور سیدھا چلتا چلا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اُسی مقام پر پہنچ گیا۔ جہاں سے روانہ ہوا تھا۔

اگر دنیا گول نہ ہوتی تو یہ کیسے ممکن تھا۔ تجربہ کے لئے ایک گیند لیجئے۔ اس پر سیاہی سے ایک نشان بنائیے۔ پھر اس نشان سے بالکل سیدھی لکیر ایک طرف کو کھینچنا شروع کیجئے۔ آپ کی لکیر اسی نشان پر آکر ختم ہو جائیگی۔ جہاں سے شروع کی تھی۔ اور ایک گول دائرہ بن جائیگا۔

ان باتوں سے یہ تو ظاہر ہو گیا کہ دنیا گول ہے

اب انشاء اللہ اگلے پرچے میں دنیا اور سورج کی دوستی کا حال لکھیں گے۔

افریقہ کے چند جانور
گینڈا

جناب محمد احمد صاحب سبزواری سب ایڈیٹر نور رسس

خشکی پر سب سے بڑا اور جسیم جانور ہاتھی ہے اس کے بعد دوسرا نمبر گینڈے کا ہے۔ ہمارے ملک (ہندوستان) میں زیادہ تر ایک سینگ والا گینڈا ہوتا ہے اور یہ سینگ ٹھیک اُس کی ناک کے اوپر ہوتا ہے۔ مگر افریقہ میں ایک سینگ والا گینڈا نہیں ہوتا بلکہ اس کے دو سینگ ناک کے دونوں جانب ہوتے ہیں۔ مگر اس کی اونچائی ۸ فٹ سے زیادہ ہوتی ہے۔ رنگ کالا اور سر قریب قریب ہاتھی کے سر کے برابر ہوتا ہے۔ سینگوں کی لمبائی دو ہوں یا ایک چوڑ

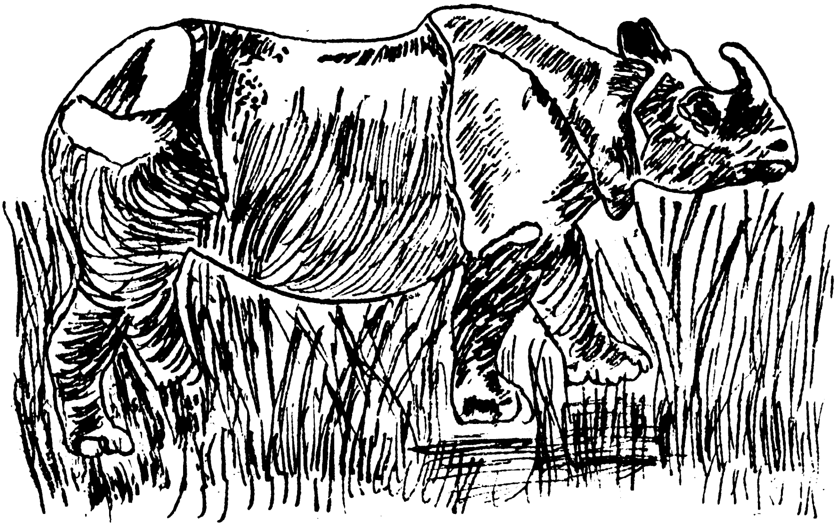

پندرہ انچ کے قریب ہوتی ہے۔

یہ جانور جنگل ہی میں رہتا ہے اور درختوں کے پھل اور پتے وغیرہ کھاکر زندگی بسر کرتا ہے۔ ملک حبش سے لے کر جنوبی افریقہ تک تمام غیر آباد جنگلوں میں ہر جگہ اس کے گلّے پائے جاتے ہیں۔ اس کی ایک قسم ہے جو صرف گھاس ہی کھاتی ہے اور اس لئے ہمیشہ سبزہ زاروں میں رہتی ہے۔

گینڈا اگاڑے کی طرح جگالی بھی کرتا ہے۔ گرمیوں کے زمانے میں بھینس کی طرح اسے بھی کیچڑ اور دلدل میں رہنا زیادہ پسند ہے۔ سرخ رنگ سے اسے کچھ نفرت سی ہے۔ جنگل میں کوئی سرخ پھول یا پھل نظر آجائے تو پیروں تلے مَسل دیتا ہے۔

اور اگر کوئی آدمی سرخ کپڑے پہنے اس کے سامنے آجائے تو اس پر بھی ضرور حملہ کرتا ہے۔

اس کی کھال بہت موٹی اور سخت ہوتی ہے تیز سے تیز چاقو اور تلوار اس پر کچھ اثر نہیں کرتی، اسی لئے پرانے زمانے میں گینڈے کی کھال کی ڈھال بنتی تھی۔ آج کل اس کے چھوٹے بڑے صندوق اور بکس وغیرہ بنتے ہیں۔ سینگ سے ہاتھ میں لینے کی چھڑیاں چاقو اور چھری کے دستے وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ اس کے سینگ کی ایک خاصیت یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ اس کے سینگ کے بنے ہوئے پیالے

میں اگر کوئی زہریلی چیز ڈال دی جائے تو وہ پیالہ فوراً ٹوٹ جاتا ہے۔

گینڈا بہت طاقتور جانور ہے۔ آدمی، ہاتھی، گھوڑے کی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں۔ جب کبھی اپنے دشمن پر حملہ کرتا ہے تو گردن جھکا کر سیدھا طرح دشمن کے پیٹ میں سینگ گھونپ دے اور اگر وہ اپنے حملے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو فوراً ہی اس کے نکیلے اور تیز سینگ دشمن کا پیٹ چیر کر رکھ دیتے ہیں۔ بعض وقت آدمی کو اٹھا کر ہوا میں اچھال دیتا ہے۔ مگر یہ بالکل غلط ہے کہ ہاتھی گھوڑے اور

دوڑتا ہے اور اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ کسی بھینسے کو بھی اٹھا سکتا ہے۔

لطیفہ

ایک سائکل والا اپنی سائکل تیزی سے لئے جا رہا تھا کہ ایک مزدور نیچے آگیا۔ سائکل والے نے اس ڈر سے کہ کہیں یہ پولس میں خبر نہ کر دے چپکے سے ایک روپیہ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور کہہ دیا کہ پولس کو خبر نہ کر دینا۔ مزدور نے خوش ہو کر کہا۔ آپ پھر اس سڑک پر کب تشریف لائیں گے۔

عید

عید تو بچوں کی ہے، اور بچوں کے طفیل بڑوں کی۔ بڑے اپنے اور عزیزوں کے بچوں کی ہنسی، خوشی اور شوق میں حصہ بٹا لیتے ہیں، ورنہ اچھے کپڑے پہن کر ہمارے بڑے ہر آٹھویں دن جمعہ پڑھنے جاتے ہیں، مگر وہ خوشی جو آج کے دن ہوتی ہے بھلا وہ آٹھویں دن کی نماز میں کہاں؟

عید خدا کی بڑی نعمت ہے، اور بال بچے دار ہونا تو بہت ہی بڑی نعمت ہے۔ افسوس ہے کہ نہ میری بیوی ہے نہ بچے، شاید کبھی ہو جائیں۔ مگر میں تمھاری عید کے دن کی خوشی کا خاکہ کھینچتا ہوں۔ تم پڑھ کر بتاؤ کہ جھوٹ کہتا ہوں یا سچ۔

رمضان شریف شروع ہوتے ہی جب پہلا روزہ کھل چکتا ہے تو تم عید کے انتظار میں کہتے ہو کہ انتیس یا اٹھائیس روزے اور رہ گئے اور ہر روز اسی طرح دل ہی دل میں حساب لگاتے رہتے ہو۔ ہفتوں پہلے اپنے کپڑوں کے لئے مچلتے ہو جوتے، کپڑے اور ٹوپی کے لئے ابا جان کو بہت زیادہ اور اماں جان کو تھوڑا تھوڑا تنگ کرتے رہتے ہو۔ ابا جان کو عام طور پر نوکری کے کام سے یا دوکانداری سے یا جائداد اور ریاست کے انتظام سے جب فرصت ہوتی ہے تو تمھیں بازار لے جاتے ہیں اور تم یہ نہیں دیکھتے کہ چیز مضبوط ہے یا کمزور، سستی ہے یا مہنگی۔ بھڑک دار دیکھی اور لٹو ہو گئے۔ اب چاہے ابا جان کی جیب میں ٹکے ہوں یا نہ ہوں کہ وہ تمھاری پسند کا جوتا، ٹوپی یا کپڑا خرید دیں۔ مگر تم ہو کہ دوکاندار اور سب گاہکوں کے سامنے ضد کرتے ہو۔ اور کسی آن دھوکے اور بہلنے میں نہیں آتے۔ ابا جان بھی جیب کو دیکھ کر غصہ پیتے رہتے ہیں اور کچھ ہو تمھیں خرید کر دیتے ہی ہیں۔ امیروں کا تو ذکر کیا جو چاہیں خرید دیں۔

یاد رکھو غریب بچے کی امنگ تمھارے چاؤ سے کم ہوتی ہے مگر اسے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ وہ اپنے تھوڑے ہی شوق کو بہت بڑا سمجھتا ہے۔ تم بوٹ، جوتے، اچکن

کوٹ اور ٹرکی ٹوپی کی خوشی میں پھولے نہیں سماتے
وہ ادھوڑی کی جوتی، موٹے جھوٹے مگر نئے کپڑوں
اور دو پلی ٹوپی میں مگن ہوتا ہے۔ تمھیں کئی روپے عیدی
لے کر خوشی ہوتی ہے۔ وہ دو پیسے ہی میں ریجھ جاتا
ہے۔ مجھے یاد ہے کہ بچپن میں میرے والد کا انتقال
ہوگیا۔ عید کے دن میری والدہ نے ڈیڑھ پیسہ دیا تھا
اور میں خوش تھا اور اب جیب میں روپے ہیں لیکن
کچھ نہیں۔ خدا تم سب کے ماں باپ کو سلامت رکھے!

رمضان شریف کا چاند کہنے سے بھی دیکھنے کے
لئے کوٹھے پر نہیں چڑھتے۔ مگر عید کے چاند کا ذکر انتیس
کی صبح ہی سے کرنے لگتے ہو۔ سورج چھپنے کے انتظار
میں بے چین رہتے ہو۔ خاصے سویرے سے کوٹھے
پر چڑھ جاتے ہو۔ اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے
رہتے ہو، اور جب تمھیں نظر آجاتا ہے تو اس خوشی
میں اچھلتے ہو، کودتے ہو، بڑوں کو سلام کرتے پھرتے
ہو، اور اگر شریر ہو تو طوفان بے تمیزی مچاتے ہو،
یہاں تک کہ گھر والے بھی تمھاری خوشی سے تنگ
آجاتے ہیں۔ مگر ایسا شریر ہونا نہیں چاہیئے۔ غرض
یہ کہ صبح کے خیال میں ایسے کھوئے ہوئے ہوتے ہو کہ
خوشی کے نشے میں نیند نہیں آتی۔ دس گیارہ بجے
تک کہنے اور دھمکانے سے بھی نہیں سوتے، رات
کو شوق میں سوتے سوتے آنکھ کھل جاتی ہے اور
کپڑوں کی بھڑک، عیدی کے روپئے، دوستوں
میں چہل پہل، کھلونوں اور مٹھائی کی خریداری ذہن
میں پھرتی رہتی ہے۔ صبح سویرے سب سے پہلے
بستر سے اُٹھے اور عیدی کا تقاضا شروع کر دیا تمھیں
نہ چھوارے کھانے کا شوق ہوتا ہے اور نہ سویاں
اور نہ شیر خرما بلکہ تم چاہتے ہو کہ کپڑے پہن کر مٹکتے
نظر آئیں اور سب کو دکھاتے پھریں۔ کیوں جناب
میں "سچ کہتا ہوں یا جھوٹ"

(حکیم اللہ صاحب صدیقی
بی۔ اے)

ایک - دو - تین

(جناب سید ابو طاہر داؤد صاحب بی ایس سی لک)

بھائی عرشی - جن سے آپ سب لوگ خوب واقف ہیں عجب قسم کے انسان ہیں - ایک روز کہنے لگے میں جادو جانتا ہوں - میں نے کہا "من خوب می شناسم" آپ بڑے ہیں اس لئے جو جی چاہے کہہ لیجئے -

ہنس کر کہنے لگے " بیوقوف ! " اگر ثبوت دے دوں تب تو مانو گے -

نجمہ اس پر کہنے لگی کہ اچھا اگر آپ جادوگر ہیں تو لائیے پاؤ بھر امرتیاں تازی تازی -

کہنے لگے " ہٹ شریر - بلی کو خواب چھیچھڑے ہی دکھائی دیتے ہیں -

میں نے کہا - جبھی جانیں آپ میرے امتحان کے پرچے بتا دیجئے -

قہقہہ لگا کر بولے کہ - منظور ! مگر امتحان کے بعد اس پر سب لڑکوں نے واہ وا کر کے تالیاں بجائیں -

غصہ ہو کر کہنے لگے - تمہارا سر توڑ دوں گا - بدتمیز و - نجمہ نے کہا - کاہے سے توڑئیے گا ؟

میں نے کہا " جادو سے "

چیخ کر بولے کہ - پھر شکایت نہ کرنا - میں ذمہ دار نہیں -

محمود نے کہا - اچھا توڑئیے تو سہی -

پھر بولے کہ - اگر سر کی بجائے کچھ اور توڑ دوں تب -

نجمہ بولی کیا توڑئیے گا ؟

سامنے رکھے ہوئے پانی گرم کرنے کے ٹین کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے - یہ توڑ دوں گا -

میں نے کہا - یہ تو میں بھی توڑ سکتا ہوں -

پوچھا - کاہے سے توڑو گے ؟

میں نے کہا - لکڑی کی ایک ضرب سے یا مسالہ پیسنے کے پتھر سے -

قہ قہ قہ - پیٹ پکڑ کر بولے - کمال کر دیا - ارے بھئی میں تو اس کو ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا - صرف منہ سے

کہوں گا کہ ٹوٹ جا اور وہ ٹوٹ جائے گا۔

اتنے میں بھابی "رباب" جو دروازے میں کھڑی یہ سب باتیں سُن رہی تھیں۔ وہاں آن پہنچیں اور بھائی عرشی کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے بولیں۔ یہ مکان پرانا ہے۔ کہیں خدانخواستہ گر نہ پڑے۔

ہنس کر بولے کہ تم اطمینان رکھو اگر گر پڑے گا تو ہم اس کو پھر کھڑا کر دیں گے۔

بھابی رباب بولیں۔ اچھا بات تو نہ ٹالئے۔ ہم بھی دیکھیں کہ آپ اس ٹین کو کس طرح توڑتے ہیں۔

بس پھر کیا تھا۔ بھائی عرشی کو تاؤ آگیا۔ ٹین کو اٹھا کر پانی سے بھرا اور باورچی خانے میں جا کر چولھے پر رکھ آئے۔ تھوڑی کے بعد اس کو وہاں سے ہٹا کر اس کے چھوٹے سے دہانے میں کاگ لگا کر کہنے لگے۔ ابھی توڑتا ہوں اس کے بعد وہ ٹین کو اٹھا کر کھڑے ہو گئے کچھ دیر تک وہ جادو کے یونانی الفاظ عجیب و غریب طریقے سے بڑبڑاتے رہے جس کو ہم سب لوگ تعجب سے سُنتے رہے۔ اس کے بعد یکایک چلا کر بولے "الفالیلہ کے جن آ۔ اور اس ٹین کو اپنے زور سے توڑ ڈال۔

ہمارے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب ہم نے یہ دیکھا کہ ادھر ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے اور اُدھر ایک قہقہہ کے ساتھ ٹین صاحب اس طرح کِھل کِھلا کر ہنسنے لگے جیسے ان کے پیٹ میں کسی نے گدگدی کی ہو یعنی ایک دناٹے کی آواز آئی اور ٹین کی چاروں طرف کی سطح پچک کر کچومر ہو گئی۔ وہ ایسا چُرمُر ہو گیا کہ جیسے کسی نے اس پر لکڑیوں اور پتھروں کی ضربیں لگائی ہوں۔

ہمارے منہ سے بے ساختہ چیخ کی آوازیں نکل گئیں اور ہم نے خوشی میں تالیوں سے بھائی عرشی کو ان کے جادو کی کامیابی پر مبارکباد دی۔

جب سب چلے گئے تو بھائی جان نے مجھ سے کہا کہ یہ جادو وادو نہیں تھا بلکہ سائنس کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا۔ میں انھیں کے الفاظ میں اس معمے کو حل کئے دیتا ہوں۔ آپ بھی آزما لیجئے۔

یہ تو آپ کو معلوم ہو گا کہ زمین پر ہوا موجود ہے۔ اور کوئی پانچ سو میل اونچائی تک اس کی حکومت ہے۔ گو ہوا نظر نہیں آتی لیکن اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ بڑی طاقتور چیز ہے۔ جب زور میں آتی ہے تو درختوں تک کو اکھاڑ ڈالتی ہے۔ مثال کے طور پر

آپ کا ربڑ کا پھکنا۔ اگر آپ اسمیں ہوا زیادہ بھر دیں تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اس لئے آپ کو یہ معلوم کر کے متعجب نہ ہونا چاہیئے۔ کہ ہوا بڑی وزنی چیز ہے اور اس کا دباؤ ایک مربع انچ پر پندرہ پونڈ کے قریب ہے۔ صابن کے ایک معمولی بُلبلے پر جس کا قطر ساڑھے چھ انچ ہو اس ہوا کا دباؤ ایک ٹن کے قریب ہوتا ہے لیکن آپ سوال کریں گے کہ یہ بلبلا اتنا طاقتور نہیں ہو سکتا کہ اتنا بوجھ اٹھالے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صابن کے بلبلے میں بھی ہوا موجود ہے اور اس کے اندر بند رہ کر اپنی پوری طاقت صرف کر رہی ہے کہ باہر کی ہوا کا بوجھ بلبلے کو توڑنے نہ پائے۔ اسی طرح ہمارے پھیپھڑوں کے اندر کی ہوا ہم کو باہر کی ہوا کے دباؤ سے محفوظ رکھتی ہے اس کی مثال یوں سمجھئے کہ آپ ایک دروازے کو باہر کی طرف سے زور دے کر کھولنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن اندر کی طرف سے ایک دوسرا شخص آپ کے زور کو روک رہا ہے اور اس طرح دروازے کو کھُلنے اور ٹوٹنے سے محفوظ کئے ہوئے ہے۔

یہی حال ٹین کا بھی تھا۔ ٹین کے باہر ہوا کا اتنا ہی دباؤ تھا جتنا ٹین کے اندر کی ہوا کا۔ جب ٹین میں پانی ڈالا اور اُس کو جوش دیا تو اندر کی ہوا بھاپ بن کر اُڑ گئی۔ اس پر سے لگا دیا کاگ تاکہ ہوا کی فوج باہر سے داخل نہ ہو جائے۔ اب گرم ٹین کو ٹھنڈے پانی میں رکھا نتیجہ یہ ہوا کہ اندر کی بچی کھچی بھاپ بھی سکڑ کر پانی میں تبدیل ہو گئی۔ اب میدان صاف تھا۔ باہر کی ہوا بدستور اپنا بوجھ ڈال رہی تھی۔ زور کو روکنے والی ہوا ٹین کے اندر موجود نہ تھی۔ آخر وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ یعنی ٹین اتنا بوجھ نہ سہہ سکا اور پچیں بول گیا۔

زندہ باد بھائی عرشی!

لطیفہ

باپ:۔ تمھاری جماعت میں سب سے نکما لڑکا کون ہے۔

بیٹا:۔ یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔

باپ:۔ جب تم سوال نکالا کرتے ہو تو کون سا لڑکا سوال حل نہیں کرتا۔ اور اِدھر اُدھر دیکھا کرتا ہے۔

بیٹا:۔ تو ہمارے ماسٹر صاحب سوال نہیں نکالتے اور اِدھر اُدھر دیکھا کرتے ہیں۔

نیک نکولس

(از محمد حسین حسّان)

کسی شہر میں جو بہت دور سمندر کے کنارے تھا نکولس نامی ایک لڑکا بہت امیر گھرانے کا رہتا تھا۔ اُسے ہر طرح کا آرام اور خوشی تھی۔ ماں باپ اُس کی ہر خواہش کو پورا کرتے۔ ایسی حالت میں کوئی اور بچہ ہوتا تو خراب ہو جاتا اور اُس کی عادتیں بگڑ جاتیں۔ مگر امیری اور ریاست نے نکولس کو بُرے راستے پر نہیں ڈالا۔ وہ بچپن ہی سے ماشاءاللہ بہت نیک اور سمجھ دار تھا۔ ہر ایک سے میل جول رکھتا تھا۔ خود غرضی اس میں نام کو نہیں تھی۔ اور وہ ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتا کہ کسی کو اُس سے فائدہ پہنچ جائے۔

وہ ابھی نوجوان ہی تھا کہ ماں باپ مر گئے اور اپنی ساری دولت نکولس کے لئے چھوڑ گئے۔ بس اس وقت سے وہ اپنا سارا وقت اسی میں صرف کرتا کہ مفلس اور بد نصیب لوگوں کو اپنی دولت سے فائدہ پہنچائے۔ اور دیکھو اس میں یہ کتنی بڑی خوبی تھی کہ وہ یہ سب کام لوگوں سے چھپ چھپ کے کرتا تھا۔ ویسے تو اُس نے بہت سے اچھے اچھے کام کئے ہیں لیکن ہم تمہیں اس کا صرف ایک قصہ سناتے ہیں۔

اس کے شہر میں ایک سوداگر رہتا تھا۔ اس کے تین لڑکیاں تھیں۔ بیچارا تھا غریب۔ اور اسی غریبی کی وجہ سے اپنی لڑکیوں کا بیاہ نہیں کر سکتا تھا۔ ایک دن نکولس اس کے مکان کے پاس سے

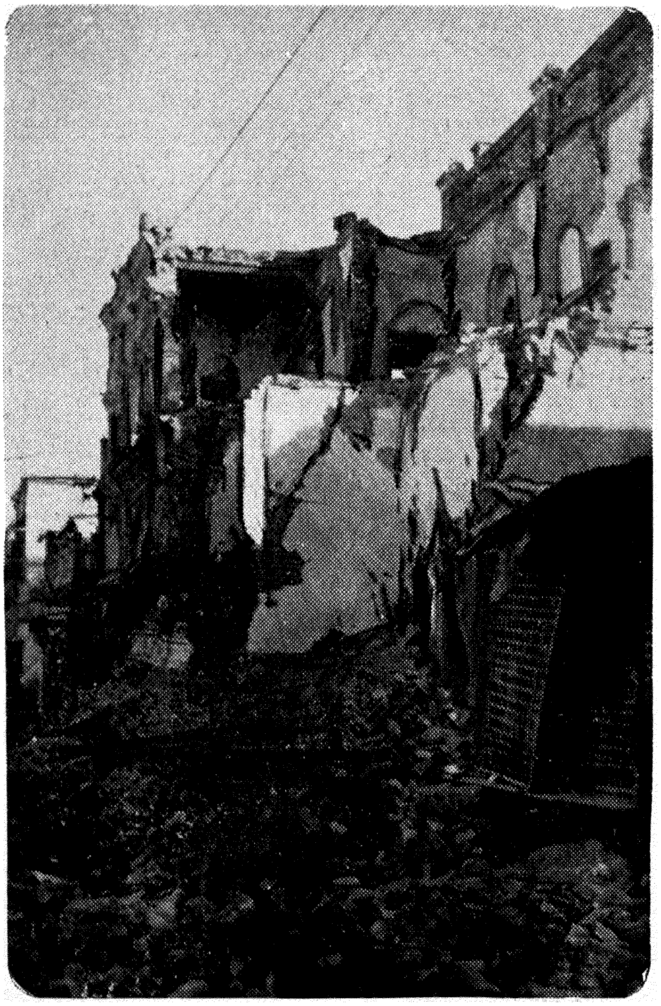

پٹنہ کي ایک خاص سڑک - اس تصویر سے اندازہ ہوسکتا ہے
کہ اس شہر کو دوبارہ بنانے میں کس قدر
محنت اور خرچ کي ضرورت ہوگي -

Calcutta Art Press, Delhi.

تصویروں کي ایک دکان جو بہار کے پچھلے زلزلہ سے بالکل تباہ ہوگئی -

Calcutta Art Press, Delhi.

زلزلہ

(از محمود علی خاں صاحب جامعی)

اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو دنیا کی آفتوں اور بلاؤں سے بچائے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ ۱۵ جنوری کو بہار کے صوبہ میں کیسا زبردست زلزلہ آیا۔ اور کتنی جان۔ مال اور عمارتوں کا نقصان ہوا۔ وہاں کا ذکر کرتے ہوئے بھی دل کانپتا ہے اور وہاں کے مصیبت کے ماروں پر بڑا رحم آتا ہے۔ ہندوستان کے نقشہ میں دیکھئے بہار کا صوبہ بنارس کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے اور بنگال تک اس کی حد ملی ہوئی ہے۔ پٹنہ۔ مظفر پور۔ دربھنگہ۔ مونگیر یہاں کے بڑے بڑے شہر ہیں۔

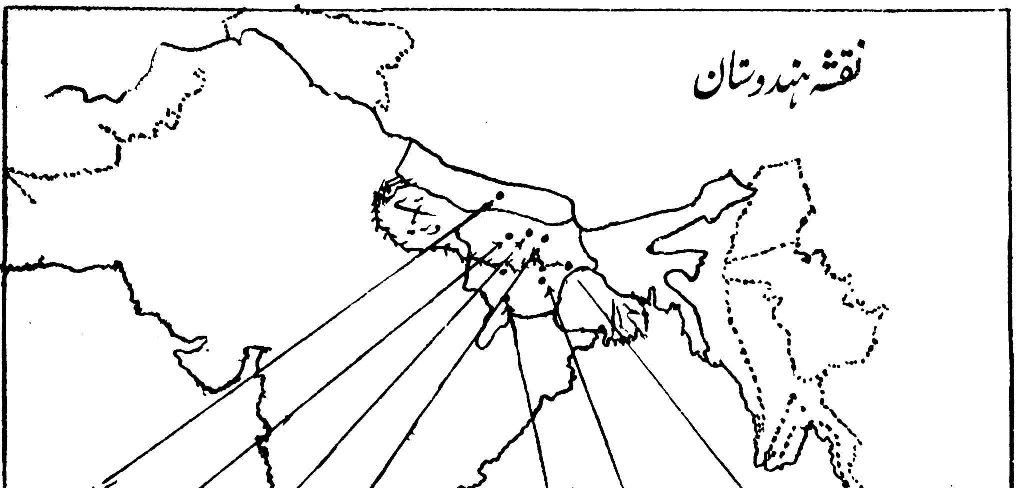

یوں تو ۱۵ر جنوری کو کوئی ۲ بجے دن کے زلزلہ کا جھٹکہ سارے ہندوستان میں معلوم ہوا لیکن جتنا زور نیپال اور بہار کے صوبہ میں رہا اتنا کہیں نہیں رہا۔ وہاں کا سب حال اگر لکھا جائے تو آپ کے دل دہل جائیں گے لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ اس لئے لکھنا مناسب ہے کہ اپنے ملک کی تھوڑی بہت باتیں تو معلوم ہوتی رہنا چاہئیں۔ اس لئے ان شہروں کا حال ہم علیحدہ علیحدہ لکھتے ہیں۔

مونگیر

یہ بھرا ہوا شہر جہاں ہزاروں آدمی رہتے تھے۔ بازاروں میں خوب چہل پہل تھی۔ اچھے اچھے مکان کچہریاں۔ مسجدیں۔ مندر۔ مدرسے۔ اسپتال سب ہی کچھ تھے۔ ذرا کی ذرا میں ایسے برابر ہوئے جیسے کسی اُجڑے ہوئے شہر کے کھنڈر ہوں یا کوئی قبرستان۔ اب یہاں صرف چار پختہ عمارتیں باقی رہ گئی ہیں۔ باقی سب کی سب پھٹ کر زمین پر گر پڑیں اور جو مرد۔ عورتیں۔ ننھے ننھے بچے اندر تھے وہ وہیں کے وہیں دب کر رہ گئے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ صرف مونگیر میں تقریباً دس ہزار جانیں ضائع ہوئیں لیکن خدا کی شان دیکھئے کہ یہاں تمباکو کی فیکٹری تھی اس میں کوئی چار سو مزدور کام کرتے تھے۔ ان مزدوروں میں سے صرف ایک شخص تو مرا باقی اور سب بچ گئے۔

مظفر پور

یہ شہر بھی بالکل تباہ ہوگیا۔ جگہ جگہ سے زمین پھٹ گئی اور پانی سو سو گز تک درختوں کی چوٹیوں کے برابر اُبلنے لگا۔ تمام کوؤں سے بھی پانی اُبلنے لگا۔ سڑکیں بہہ گئیں۔ پُل ٹوٹ گئے۔ کچہریاں اسکول کالج۔ جامع مسجد۔ گرجا۔ مندر سب گر گئے اور ہزاروں جانیں بھی ضائع ہوئیں۔

دربھنگہ

یہاں بھی ساری عمارتیں گر گئیں۔ اسپتال میں سب مریض دب کر رہ گئے۔ مہاراجہ دربھنگہ محل اور تمام سرکاری عمارتیں زمین کے برابر ہوگئیں۔ اور جانوں کا نقصان بھی مونگیر اور مظفر پور کے برابر ہی ہوا ہے لیکن چونکہ راستے بند ہیں اس لئے ابھی پوری خبریں نہیں آئی ہیں۔

پٹنہ

یہاں بھی ہزاروں مکان اور عمارتیں گر گئیں اور

جو بچ گئیں ان میں دراریں پڑگئیں ۔ وہ بھی خطرناک حالت میں ہیں گنگا کا سارا پانی ایک دم خشک ہوگیا اور تہہ پھٹ گئی ۔ پانچ منٹ کے بعد اس زور سے طوفان آیا کہ قریب قریب کے سب علاقے ڈوب گئے ۔ جگہ جگہ غار ہو گئے اور ان غاروں میں سے گندھک اور ریت نکلنے لگی ۔ بعض جگہ آگ لگ گئی ۔

جمالپور ۔ بھاگلپور اور گیا میں بھی ایسی ہی حالت ہوئی اور بہت نقصان ہوا ۔

کھٹمنڈو

کھٹمنڈو ، ریاست نیپال کا پایہ تخت ہے یہ شہر بھی بالکل برباد ہوگیا ۔ مہاراجہ کا محل بھی گر پڑا اور اس میں مہاراجہ کی دو لڑکیاں اور ایک پوتی دب کر مرگئی ۔

جو بیچارے مرگئے وہ تو اپنی جان سے گئے ۔ انہی پر بڑا دل دُکھتا ہے لیکن ان سے زیادہ مصیبت اُن لوگوں کی ہے جو بچ گئے ۔ نہ گھر ہے نہ در ۔ نہ کھانے کو نہ پہننے کو ۔ کل تک جن کے رہنے کو اچھے اچھے مکان تھے ۔ عمدہ عمدہ کپڑے تھے ۔ ہزاروں لاکھوں روپیہ تھا سواری ۔ نوکر ۔ اللہ کا دیا سب کچھ تھا ۔ آج وہ بیچارے ایک ایک دانے کو محتاج ہوگئے ۔ یہ کٹاکٹی کے جاڑے اور وہ مصیبت کے مارے کھلے میدانوں میں بیٹھے اپنا بچا کھچا سامان جلا جلا کر سردی کی راتیں گذارتے ہیں عزیزوں اور دوستوں کے مرنے کا رنج الگ ہے ۔ گھر بار روپیہ پیسہ کے نقصان کا غم الگ اور پھر یہ مصیبت الگ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان بھر کے سب لوگ ان کی مدد کو جھک پڑے ہیں اور جو جس سے ہو سکتا ہے اُن کے لئے بھیجتا ہے ۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت اس سے بڑھ کر اور کوئی ثواب کا کام ہے بھی نہیں ۔

یہ تمام باتیں پڑھ کر آپ کے دل میں یہ خیال ضرور پیدا ہوا ہوگا کہ آخر یہ زلزلہ ہے کیا بلا ۔ اور کس طرح آجاتا ہے ۔

پُرانے زمانے کی بے پڑھی عورتیں کہا کرتی تھیں کہ زمین کے نیچے پانی ہی پانی ہے ۔ اس پانی میں ایک بڑی سی مچھلی ہے ۔ اس مچھلی کے اوپر ایک گائے کھڑی ہے اور اس گائے کے ایک سینگ پر زمین رکھی ہے ۔ اور جب اس گائے کا ایک سینگ تھک جاتا ہے تو دوسرے سینگ پر دنیا کو بدل لیتی ہے ۔ جب گائے سینگ بدلتی ہے تو دنیا والوں کو زلزلہ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ سب باتیں پرانے وقتوں کی ہیں اور بالکل

غلط ہیں۔

شاید آپ کو معلوم نہ ہو کہ یہ دنیا بھی سورج کا ایک حصہ ہے جو اُس سے علیحدہ ہو گئی ہے اور انھیں چیزوں سے بنی ہے جن سے سورج بنا ہے۔ مثلاً آگ گندھک وغیرہ۔ لاکھوں برس تک ہوا لگتے رہنے سے اوپر کا حصہ خشک ہو گیا ہے لیکن اندر ابھی وہ گرم گرم چیزیں موجود ہیں۔ جیسے آٹے کا ایک گولا بنا کر ہوا میں رکھ دیجئے تو کچھ دیر کے بعد اوپر کا حصہ بالکل خشک ہو جائے گا اور پپڑی جم جائے گی لیکن اگر توڑ کر دیکھئے تو اندر سے گیلا گیلا نکلے گا۔

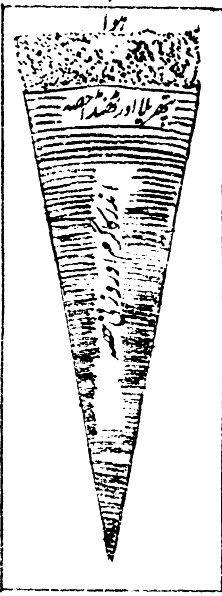

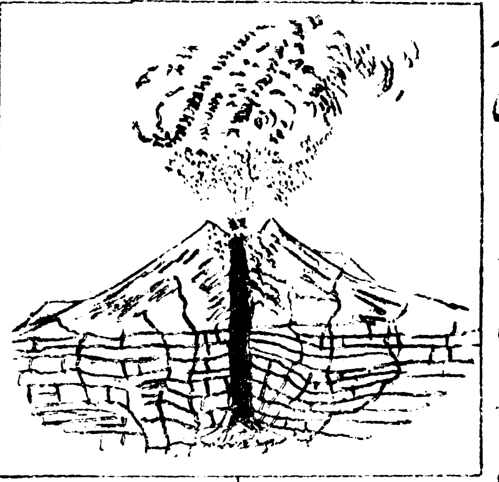

زمین کے بالکل اندر اگر اس نرم اور گرم مادّے میں کبھی پانی پہنچ جاتا ہے تو فوراً بھاپ بنتی ہے اور پھر یہ بھاپ زور باندھتی ہے۔ آپ اگر کسی ہلکی سی ہانڈی میں پانی بھر کر چولھے پر رکھ دیں تو جب پانی میں ابال آئے گا اور بھاپ بننے گی تو پانی اُبل کر بہنے لگے گا لیکن اگر ہانڈی کا منہ مٹی سے بند کر دیا جائے اور بھاپ کو نکلنے کا راستہ نہ ملے تو پانی بہہ تو نہ سکے گا لیکن ہانڈی ہلنے لگے گی اسی طرح جب زمین کے اندر کا مادہ بھاپ کی وجہ سے زور باندھتا ہے تو زمین ہلنے لگتی ہے اور کبھی کبھی پھٹ جاتی ہے پھر اندر سے آگ۔ گندھک اور دھواں نکلنے لگتا ہے یہ بھاپ جتنی زور کی ہوتی ہے۔ اتنی ہی دور تک یہ چیزیں بن جاتی ہیں۔ بعض دفعہ تو جلتی ہوئی آگ کی لپٹیں نکلتی ہیں اور پھر یہ آگ مدتوں تک ٹھنڈی بھی نہیں ہوتی۔ اس کو "جوالا مکھی" کہتے ہیں۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ زمین کے اوپر جو خشک تہ ہے اس کے نیچے کی طرف کی کوئی بڑی بھاری چٹان میلوں لمبی زمین کی حرکت یا بھاپ کے زور کی وجہ سے پھٹ کر اُس نرم اور گرم مادّے میں گر پڑتی ہے جو زمین کے اندر ہے۔ اس کے گرنے سے اس گرم مادّے میں بڑا تہلکہ پڑ جاتا ہے اور اس دھماکے کا اثر

پٹنہ کالج کو زلزلہ سے غیر معمولی نقصان پہنچا اس، تصویر سے
ظاہر ہوگا کہ ایک پوری دیوار ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے -

Calcutta Art Press, Delhi.

پٹنہ کے ایک بہت بڑے افسر کی کوٹھی زلزلہ کے بعد - اس سے اُن سڑکوں کا اندازہ لگاؤ
جن کے دونوں طرف ہزاروں مکانات بنے ہوے ہیں -

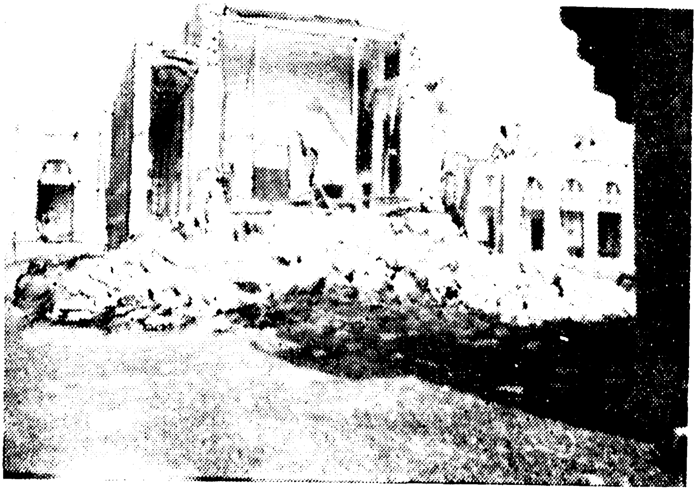

جي - بي - بی کالج مظفرپور میں سائنس کے شعبہ کی ایک
عمارت جس کے سامنے کا حصہ زلزلہ سے گر گیا

Calcutta Art Press, Delhi.

ہماری زمین پر بھی پڑتا ہی۔ خاص کر جس جگہ یہ چٹان ٹوٹتی ہے اس کے اوپر کے حصہ پر تو بہت اثر پڑتا ہے اور زلزلہ معلوم ہوتا ہی لیکن دور کی جگہوں پر کم معلوم ہوتا ہے

زلزلے زیادہ تر ایسی جگہوں پر آتے ہیں جو کسی پہاڑ کی ترائی میں واقع ہوں۔ اٹلی اور جاپان میں زلزلے کثرت سے آتے ہیں۔ جاپان میں تو سال میں ایک ہزار کا اوسط رہتا ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا زلزلہ ۱۹۲۳ء میں جاپان میں آیا تھا جس سے دو لاکھ انسان ہلاک ہوئے تھے۔ اٹلی میں ۱۹۰۵ء میں زبردست زلزلہ آیا تھا۔ یہ تمام یورپ میں تیسرے نمبر کا زلزلہ تھا۔ امریکا میں ۱۸۸۶ء میں بہت بڑا زلزلہ آیا تھا اور ہندوستان ۱۸۹۷ء میں۔ یہ زلزلہ آسام کے علاقے میں آیا تھا۔ لیکن وہ جگہ زیادہ آباد نہ تھی اس لئے بہت نقصان نہیں ہوا تھا۔ اس مرتبہ ہمالیہ کی ترائی یعنی نیپال اور بہار میں آیا اور کتنا نقصان ہوا؟ اس کا پورا اندازہ تو کچھ دنوں کے بعد ہوسکے گا۔ اس وقت تو سب لوگ اُن مصیبت کے مارے غریبوں کی مدد پر لگے ہوئے ہیں۔

ہوا میں پانی

(جناب جواد صاحب میرٹھی)

(۲)

پہلے سبق سے تمھیں یہ معلوم ہو گیا کہ تبخیر (Evaporation) یعنی پانی کا بھاپ بننا کس کہتے ہیں۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ جو پانی اس طرح بھاپ بن جاتا ہے وہ کہاں جاتا ہے؟

تم نے دیکھا ہوگا کہ برسات کے دنوں میں نمک پسیج جاتا ہے۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ نمک میں پانی کہاں سے آجاتا ہے؟ اکثر لوگ پاپڑ اور دوسری چیزیں پانی سے بچا کر رکھتے ہیں مگر پھر بھی یہ چیزیں سیل جاتی ہیں۔ آخر پانی ان چیزوں میں کہاں سے آتا ہی۔

ان چیزوں میں پانی اور نمی ہوا سے آتی ہیں

جب گیلی ہوا ان سے چھوتی ہے تو یہ گیلی اور نم دار ہو جاتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آخر ہوا میں نمی کہاں سے آتی ہے؟ - دراصل جو پانی بھاپ بن کر اڑ جاتا ہے وہ ہوا میں رہتا ہے۔ مگر ہمیں دکھائی نہیں دیتا۔ برسات کے دنوں میں جب اس پانی کی مقدار ہوا میں زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ دوسری چیزوں کو گیلا اور نم دار کر دیتی ہے۔

اب یہ بات معلوم ہوئی کہ نمک اور دوسری چیزیں ہوا سے پانی حاصل کرتی ہیں اور ہوا میں ہمیشہ پانی کی بھاپ موجود رہتی ہے جو کبھی زیادہ ہوتی ہے اور کبھی کم۔

تجربے کے لئے تھوڑا سا کیلشیم کلورائڈ (Calcium chloride) (ایک قسم کا نمک) شیشی میں سے نکال کر میز پر رکھ۔ تھوڑی دیر بعد اُسے ہاتھ سے چھو کر دیکھو۔ تمھیں کیا بات معلوم ہوتی ہے کیا کیلشیم ایسا ہی خشک ہے جیسا کہ تم نے شیشی میں سے نکال کر میز پر رکھا تھا؟ اگر اس میں نمی آ گئی اور یہ گیلا ہو گیا تو بتاؤ کہ یہ پانی کہاں سے آ گیا اور نمک کیوں گیلا ہو گیا؟

دوسرا تجربہ۔ ایک کانچ کے گلاس میں پانی بھر لو اور اس میں ایک برف کی ڈلی ڈال دو تاکہ پانی ٹھنڈا ہو جائے۔ اب گلاس کی بیرونی سطح کو غور سے دیکھو بتاؤ تم نے کیا بات دیکھی؟ کیا بیرونی سطح پر پانی کے چھوٹے چھوٹے قطرے جمع ہو گئے ہیں؟ یہ قطرے کہاں سے آئے ہیں؟

ان دونوں تجربوں میں تم نے یہ بات دیکھی کہ سوا ہوا کے اور کہیں سے نمی یا پانی نہیں آسکتا۔ اب تم اس نتیجے پر پہنچے کہ ہوا میں پانی کی بھاپ موجود رہتی ہے۔

جواب متعلق پیام تعلیم، جنوری صفحہ ۱۱

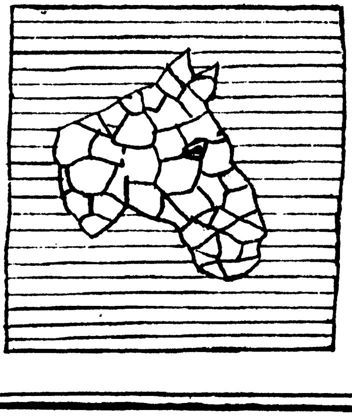

دیکھو اس شکل میں گھوڑے کا سر صاف نظر آرہا ہے۔

محمد رشید الدین۔ لاہور

نوشہ[۱] کا توتا

جناب مولانا محمد حسین صاحب محوی صدیقی لکچرار اردو مدراس یونیورسٹی

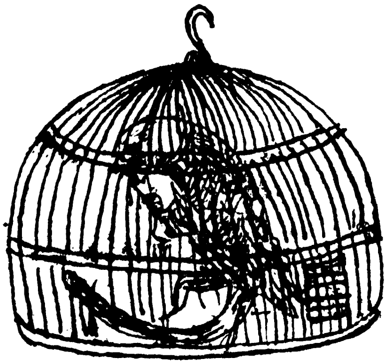

دیکھو تو اے اختر آیا کیا اچھا ہے میرا توتا
پر بھی ہرے ہیں، دم بھی ہری ہے توتا کیا ہے، سبز پری ہے
بولتا رہتا ہے یہ دن بھر آواز اس کی جاتی ہے گھر گھر
پنجرے میں جس پر بیٹھا ہے نام اس لکڑی کا اڈا ہے
یہ لوہے کا ہلکا پنجرا اک چھوٹا سا گھر ہے اس کا
پنجرے میں تم انگلی نہ ڈالو کاٹ ہی لے گا جلد نکالو
کھول نہ دینا پنجرا اس کا پر ہیں بڑے یہ اڑ جائے گا

[۱] مولانا کی بھتیجی کا عرف ہے۔

اچھی تو ہے اس کی رنگت — پر نہیں اس میں ذرا مروت
پھر نہ کبھی یہ ہاتھ آئے گا — سیدھا جنگل کو جائے گا
چونچ ہے لال اور تیز نکیلی — بولی کیسی میٹھی رسیلی
میں نے اگرچہ اس کو پالا — پر جب کاٹا خون نکالا
کلمہ پڑھتا رہتا ہے یہ — جو سنتا ہے کہتا ہے یہ
بچپن سے ہے میں نے سدھایا — جو بھی سنا وہ پڑھ کے سنایا
اپنی زباں جب اس نے کھولی — سیکھی اس نے سب کی بولی
بس اپنے اڈے پر بیٹھا — بولتا رہتا ہے یہ توتا
دن بھر کیسا خوش رہتا ہے یہ — نبی جی بھیجو کہتا ہے یہ
ننھی منی جان ہے اس کی — ڈالتی ہوں میں دانہ پانی
یہ جو نہ پائے کھانا پینا — مشکل ہے پھر اس کا جینا
پانی کی ہے ایک کٹوری — دانے کی ہے ایک پیالی
ابا نے یہ لاکر دی ہیں — میں نے پنجرے میں رکھی ہیں
جو کچھ ان میں پاتا ہے یہ — پیتا ہے اور کھاتا ہے یہ
رنگت پیاری، بولی پیاری — گلے میں ہلکے رنگ کی کنٹھی
چونچ ہے کیسی لال بھبوکا — جیسے کوئی آگ کا لوکا
عقل بھی اچھی ذہن بھی اچھا — توتا ہے یہ دھن کا پکا

پہلے بھی تھا میں نے پالا — لے گئیں لیکن بلی خالا

بلی ہے وہ کٹّر دشمن پائے تو کھا جائے ڈاکن
میرا وہ توتا تھا پیارا روئی بہت میں جب وہ سدھارا
اماں نے پھر اور منگایا اُن سے اب میں نے یہ پایا
اختر آپا سچ کہتی ہوں سارے دن میں خوش رہتی ہوں
دیکھ کے اپنا پیارا توتا اچھا خاصا، موٹا تازا

نوشہ کی یہ باتیں سُن کر بولی اُن کی آپا اختر
نوشہ! تم کو یہ بھی خبر ہے اصلی گھر توتے کا کدھر ہے؟
باغوں میں تم جا کر بیٹھو سیر وہاں توتوں کی دیکھو
گھر ہیں ان کے باغ اور جنگل کھانے تازہ میوے اور پھل
پیڑ بڑا سا جو پاتے ہیں آکر اس پر جم جاتے ہیں
کچّا پکّا پھل جو پایا کُتر کُتر کر اس کو گرایا
لگاتے ہیں باغوں کے چکّر بیٹھتے ہیں شاخوں پر جا کر
جُھنڈ جب اُن کے آجاتے ہیں پیڑوں پر بس چھا جاتے ہیں

جب پڑھ لیتے ہیں یہ توتے کیوں نہ پڑھیں انسان کے بچّے
جس نے جی پڑھنے سے چُرایا اس بچّے کو کچھ بھی نہ آیا
لکھنا پڑھنا، سینا پرونا یہ سب ہے لڑکی کا گہنا

محمودی آؤ باغ کو جائیں
پائیں تو اِک توتا لائیں

تین چیزیں

(سلیم احمد صاحب گلبرگہ)

ایک غریب بوڑھے نے جب اس کے مرنے کا وقت قریب آیا تو اپنے تینوں بیٹوں کو اپنے پاس بلا کر اُن سے کہا۔ پیارے بچو! یہ میرا آخری وقت ہے تمھیں معلوم ہے میں غریب آدمی ہوں، میرے پاس کچھ مال واسباب تو ہے نہیں کہ تمھیں دے مروں پھر بھی میں تمھیں یہ تین چیزیں دے جاتا ہوں۔ میرے ان تحفوں کو تم معمولی چیزیں نہ سمجھنا۔ انھیں ایسی جگہ لیجا کر بیچ دینا جہاں یہ پائی نہ جاتی ہوں۔ بس تمھیں منہ مانگی قیمت ملے گی اور تم مال دار ہو جاؤ گے" یہ کہہ کر اس نے بڑے بیٹے کو ایک مُرغ دیا منجھلے کو درانتی اور چھوٹے کو ایک بلی دی۔

جب بوڑھے کا انتقال ہو گیا تو منجھلے اور چھوٹے بیٹے نے تو اپنی اپنی چیزیں بے کار سمجھ کر پھینک دیں۔ مگر بڑے بیٹے نے اپنے باپ کی نصیحت پر عمل کیا اور ایسی جگہ کی تلاش شروع کی جہاں مرغ نہ پایا جاتا ہو۔

پہلے تو اُسے بہت نا امیدی ہوئی اس لئے کہ جہاں جاتا تھا وہاں یہ جانور موجود ملتا تھا، آخر کار پھرتے پھراتے ایک ایسے گاؤں میں جا پہنچا جہاں لوگ مرغ کا نام بھی نہیں جانتے تھے۔ ایک نئی چیز اُس کے ہاتھ میں دیکھ کر سب اُس کے آس پاس جمع ہو گئے اور اس سے پوچھنے لگے کہ یہ کیا ہے۔ اس نے سب کو بتایا کہ اس کا نام مرغ ہے۔ یہ رات میں تین بار بانگ دیتا ہے پہلی بار دو بجے۔ دوسری بار چار بجے اور تیسری دفعہ چھ بجے۔ اس کی تیسری بانگ کے کچھ ہی دیر بعد سورج نکل آتا ہے۔ علاوہ اس کے جب کبھی یہ دن میں بانگ دیتا ہے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ موسم بدلنے والا ہے۔ گاؤں والوں نے اسے بہت پسند کیا اور ہزاروں روپئے دے کر اُسے خرلیا۔

منجھلے بھائی نے جب یہ دیکھا کہ بڑے بھائی صاحب محض ایک مرغ کی بدولت بہت بڑی دولت

سمیٹ لائے ہیں تو اُسے بھی اپنی درانتی یاد آئی اور وہ اُسے لے کر ایک طرف کو نکل گیا، اسے بھی پہلے پہلے بڑی تکلیف اور پریشانی کا سامنا ہوا۔ جہاں جاتا تھا لوگ درانتی سے کھیت کاٹتے ہوئے ملتے تھے۔ مگر اُس نے ہمت نہیں ہاری۔ آخر ایک ایسے ملک میں جا پہنچا جہاں لوگ درانتی کو نہیں جانتے تھے۔ پکی ہوئی فصلوں کو ہاتھ سے توڑنا پڑتا تھا جس سے بڑی دقت ہوتی تھی۔ مگر جب اُس نے جا کر ان کی آن میں کھیت کے کھیت کاٹ ڈالے تو لوگ بڑے خوش ہوئے۔ اور اُس کی قیمت پوچھنے لگے اور ہزاروں روپیہ دے کر اُسے خرید لیا۔

ان دونوں بھائیوں کو دیکھ کر چھوٹے بھائی کو بھی اپنی بلی کا خیال آیا اور اُسے لے کر نکل گئے۔ انھوں نے بھی ملکوں ملکوں کا سفر کیا مگر کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں بلی نہ ہو۔ مگر تھے ہمت کے بڑے پکے، ناامید نہیں ہوئے بلکہ برابر دور دور ملکوں کا چکر لگاتے ہی رہے۔ ایک دفعہ یہ جہاز میں تھے۔ سمندر میں طوفان آگیا اور جہاز بھٹک کر ایک جزیرے کے کنارے آلگا جزیرے میں اُترے تو معلوم ہوا کہ یہاں چوہوں کا بڑا زور ہے۔ اتنے دلیر ہوگئے ہیں کہ دسترخوان پر سے چیزیں اٹھا لے جاتے ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ اس جزیرے میں کوئی بلی نہیں تھی۔ بس پھر کیا تھا انھوں نے اپنی بلی چھوڑ دی۔ اس نے تھوڑے ہی دنوں میں بہت سے چوہوں کا صفایا کر دیا اور بہت سے چوہے ڈر کے مارے اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ یہ حال دیکھ کر لوگوں نے بادشاہ سے درخواست کی کہ یہ بلی رعایا کے فائدے کے لئے بادشاہ کی طرف سے خرید لی جائے اور بادشاہ نے اسے ہزارہا روپیہ دے کر خرید لیا۔ اور اس طرح چھوٹے بھائی بھی خوب مال دار ہوگئے اور تینوں کے تینوں ہنسی خوشی رہنے لگے۔

پہیلی بوجھو

(محمد رشید الدین صاحب لاہور)

ایک سوداگر کے تین بیٹیاں تھیں۔ ایک دفعہ جب وہ اپنے شہر میں آیا تو ان تینوں لڑکیوں نے پوچھا "ابا جان ہمارے لئے کیا لائے ہو؟"

باپ نے کہا "تمھارے لئے بہت اعلیٰ قسم کے قیمتی موتی لایا ہوں"۔ جب انھوں نے مانگے تو کہنے لگا "اس وقت چونکہ رات ہے اور میں تھکا ہوا بھی ہوں۔ صبح اُٹھ کر لے لینا"

جب وہ سو گیا تو ان تینوں لڑکیوں میں سے ایک لڑکی اٹھی اور سوداگر کے کپڑے دیکھنے لگی۔ ایک کوٹ کی جیب میں اس نے کچھ موتی پائے اس نے ان کے تین پورے پورے حصے کئے۔ جب ایک جیسے تین حصے کر چکی تو ایک موتی بچ رہا۔ اس نے ان میں سے ایک حصہ لے لیا اور وہ ایک موتی ان دونوں حصوں میں ڈال کر واپس آ گئی اور کسی کو خبر نہ ہوئی۔

اسی طرح دوسری لڑکی بھی چپکے سے اٹھی اور اس نے بھی اسی طرح ان موتیوں کے تین حصے کئے۔ پھر بھی ایک زیادہ بچ رہا۔ اس نے بھی ان تینوں حصوں میں سے ایک حصہ لے لیا اور ایک موتی ان دونوں حصوں میں ڈال کر واپس آ گئی اور کسی کو بھی خبر نہ ہوئی۔

اسی طرح تیسری لڑکی بھی چپکے سے اٹھی اور اس نے بھی اسی طرح ان موتیوں کے تین حصے کئے۔ پھر بھی ایک زیادہ رہا اس نے بھی ایک حصہ لے لیا اور وہ ایک موتی ان دونوں حصوں کے موتیوں میں ڈال کر واپس آ گئی اور کسی کو خبر نہ ہوئی۔

صبح جب سوداگر اٹھا تو اس نے موتیوں کو کم پایا۔ جان گیا کہ یہ کیا بات ہے لیکن چپ ہو رہا اور جب ان تینوں لڑکیوں نے موتی مانگے تو اس نے ان کے تین حصے کئے اور ان تینوں میں پورے پورے بانٹ دئے۔ اب کی دفعہ کوئی باقی نہیں بچا۔ بتائیے کل موتی کتنے تھے؟۔

شک کا مرض

(از معین الدین احمد صاحب گیاوی)

امریکا کے ایک مشہور ڈاکٹر مسٹر جیکسن کی رائے تھی کہ دنیا میں "شک کا مرض" سب سے زیادہ خطرناک ہے چنانچہ اس بات کے آزمانے کے لئے ملک کے تمام قابل ڈاکٹر جمع ہوئے اور ایک مضبوط اور ہٹا کٹا شخص تلاش کیا گیا۔ مسٹر جیکسن نے اس آدمی کی صورت دیکھتے ہی کہا۔ آپ ایک خطرناک مرض میں مبتلا ہیں۔ یہ سنتے ہی اس شخص کو فوراً شک ہو گیا کہ واقعی وہ کسی خطرناک مرض میں مبتلا ہے۔ ڈاکٹر نے تعجب کے لہجے سے کہا مجھے سخت حیرت ہے کہ آپ اب تک کس طرح زندہ ہیں۔ اگر اجازت دیں تو میں آپ کا باضابطہ علاج کروں۔

مریض: آپ کی عین نوازش ہو اگر آپ میرے حال پر رحم فرمائیے۔

ڈاکٹر:۔ مہربانی فرما کر آپ اپنی آنکھیں بند کر لیجئے میں آپ کا تھوڑا خون نکالنا چاہتا ہوں۔

(مریض آنکھیں بند کر لیتا ہے اور ڈاکٹر دوسرے ڈاکٹروں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے)

ڈاکٹر:۔ وہ نشتر لانا جو سب سے تیز ہو (اس کے بعد جھوٹ موٹ ایک چیز بطور نشتر اس کے بدن پر چلاتا ہے۔) ڈاکٹر مجمع سے مخاطب ہو کر کہتا ہے "آپ حضرات نے دیکھا کتنا اور کس رنگ کا خون نکلا مجھے اندیشہ ہے کہ یہ مریض کہیں گھنٹے بھر میں بیہوش نہ ہو جائے اس کے بعد سب لوگ تین منٹ کے لئے خاموش ہو جاتے ہیں۔ پھر ڈاکٹر سب ڈاکٹروں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے "آپ حضرات نے دیکھا صرف تین منٹ کے اندر تقریباً سیر بھر خون کس رنگ کا نکلا؟ اب مجھے خون کی رنگت دیکھ کر زیادہ اندیشہ ہے کہ یہ مریض بہت جلد بیہوش ہو جائے گا"۔

ڈاکٹر برابر تین گھنٹے تک اس مریض کو شک دلاتا گیا اور اسی طرح مریض کی حالت نازک ہوتی گئی۔ حالانکہ اس شخص کا ایک قطرہ خون بھی نہ نکلا تھا۔ ٹھیک تین گھنٹے کے بعد ڈاکٹر نے جواب دیدیا کہ اب اس کا علاج کرانا بیکار ہے یہ مریض صرف دو منٹ میں بے ہوش ہو جائے گا۔ یہ سنتے ہی اس مریض پر اتنا اثر پڑا کہ وہ فوراً بے ہوش ہو گیا۔

نلسن جب پہلی مرتبہ جہازرانی کا فن سیکھنے جا رہا تھا۔

نڈر لڑکا

(جناب نیاز صاحب درجہ ہفتم فیض عام ہائی اسکول میرٹھ)

بہت عرصہ گذرا پانچ برس کا ایک بے ماں باپ کا یتیم، بچہ اپنی نانی کے پاس رہتا تھا۔ وہ بہت ہی بہادر اور نڈر لڑکا تھا۔ کبھی کبھی وہ اکیلا سیر کو نکل جاتا اور بیر یا پھول زمین سے چُن چُن کر کھیلا کرتا۔ ایک دن وہ سیر کرتا ہوا بہت دور نکل گیا۔ گھر پر سب پریشان تھے، کہ اس کو کوئی جانور اٹھا کرلے گیا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس گھر آگیا۔

دوسرے دن پھر اکیلا وہ سیر کرتا ہوا چلا گیا اور دوپہر کے کھانے کے لئے واپس نہ آیا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں گیا۔ تیسرے پہر کے قریب موسلا دھار بارش ہونے لگی اور خوفناک بجلی چمکنے لگی۔ لیکن لڑکا واپس نہ آیا۔ اس کی نانی نے اپنے مالی کو اور لڑکے کو تلاش کرنے کے لئے بھیجا۔

بہت دور انھوں نے ایک اکیلے بچے کو کھیلتا ہوا دیکھا اور اسے اس کی نانی کے پاس لائے نانی نے اس سے پوچھا "مجھے تعجب ہے کہ تجھے ڈر نہیں لگا؟"

لڑکا: "ڈر کیا ہے؟ میں تو اس سے واقف بھی نہیں"

آخر کار وہ نڈر بچہ نلسن (Nelson) کے نام سے مشہور ہوا اور کئی لڑائیوں میں فتح پائی۔

"جو ڈرا وہ مرا"

گلاس بنانے کا آسان طریقہ

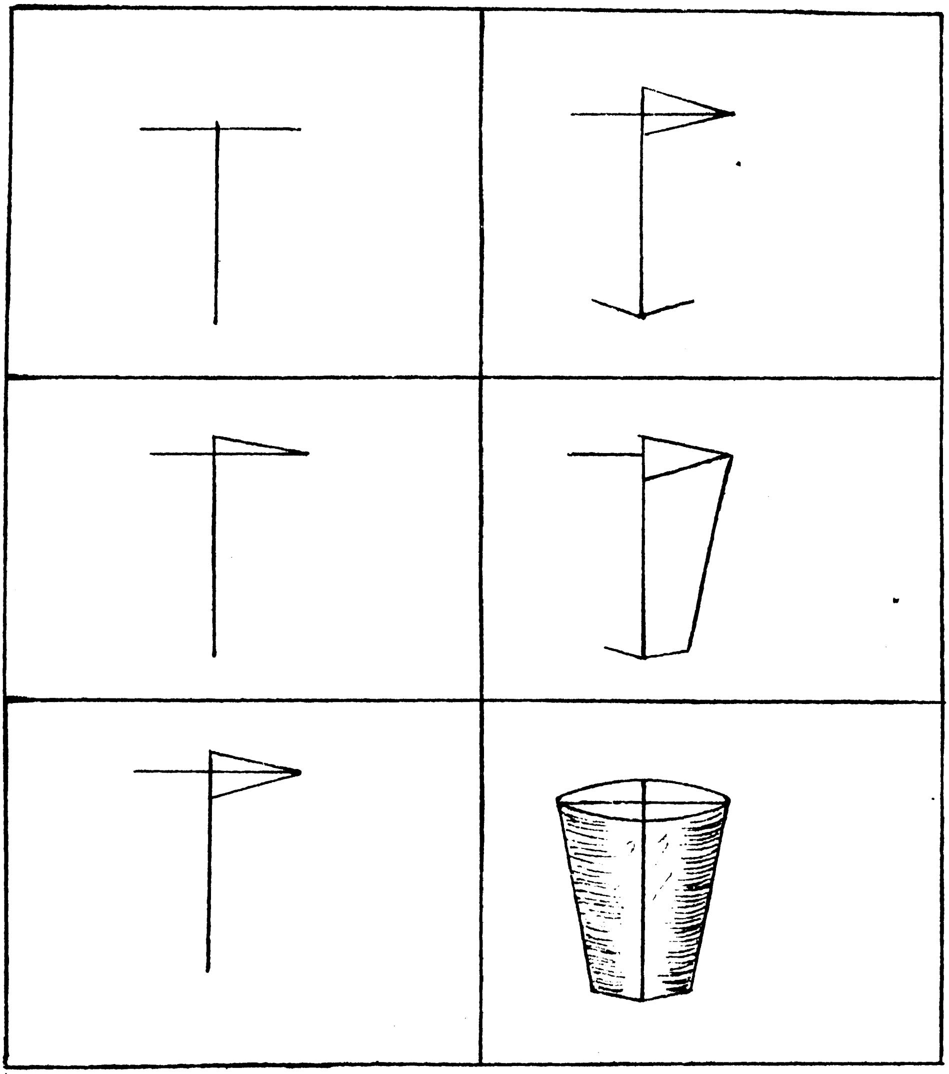

محمد رشید الدین لاہور

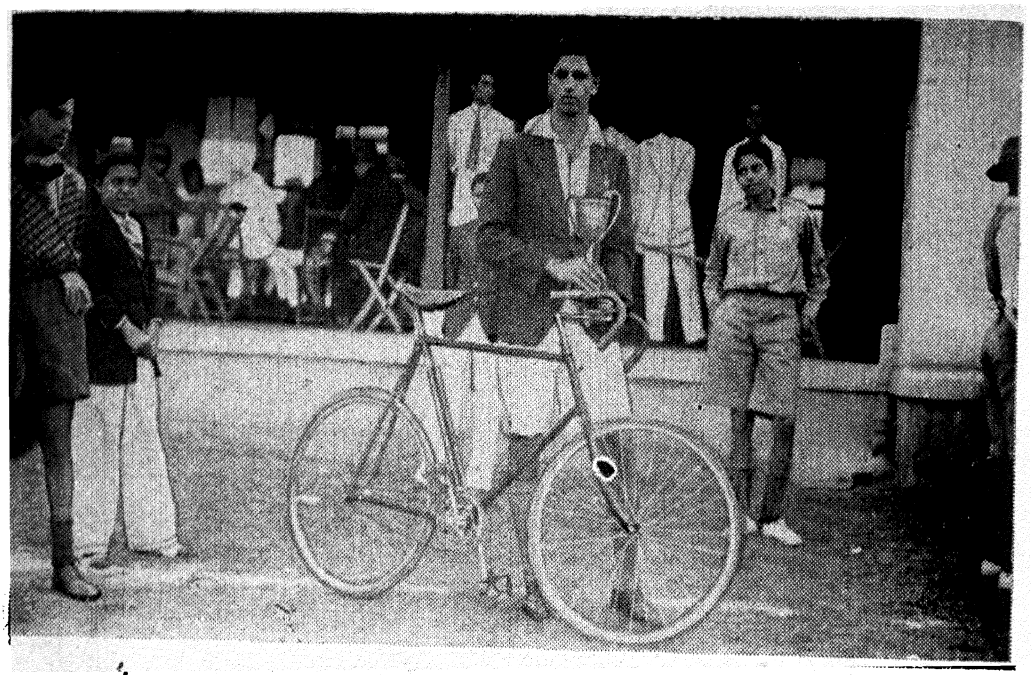

ولیم ٹرنر جس نے سو میل کی سائکل کی دوڑ میں کامیابی حاصل کی - یہ فاصلہ اُس نے
۵ گھنٹہ ۵۷ منٹ اور ۱۵ سکنڈ میں طے کیا

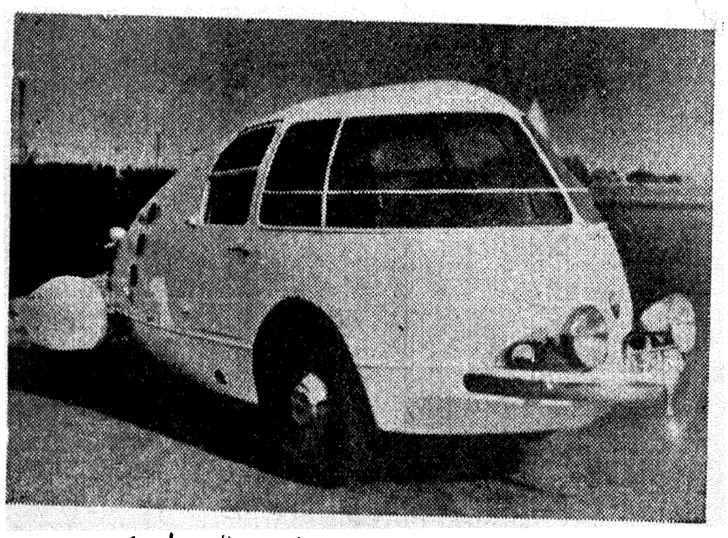

ایک موٹر کے سامنے کا حصہ جس کی نمائش امریکہ میں
کی گئی تھی - اس کے موجد کا بیان ہے کہ یہ
پچانوے میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلے گی -

Calcutta Art Press, Delhi.

مال روڈ شملہ کا ایک منظر حال کی برف باری کے بعد - پیچھے
کی عمارت وہاں کا بڑا ڈاک خانہ ہے

Calcutta Art Press, Delhi.

پیامِ تعلیم

زیر ادارت

سعید انصاری بی اے (جامعہ) محمد حسین حسان (ندوی)

جلد ۱۶ | بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۳۴ء | نمبر ۳

فہرست مضامین

۱۔ بچوں سے باتیں — ایڈیٹر — ۶۷
۲۔ تانبیل خاں — محمد حسین حسان — ۶۹
۳۔ سورج کی دوستی — محمود علی خاں صاحب جامعی — ۷۵
۴۔ افریقہ کے چند جانور — محمد احمد صاحب سبزواری — ۷۸
۵۔ بچے کو نصیحت — حضرت فرجاد کوتانوی — ۸۱
۶۔ بھاپ اور پانی — جیواد صاحب میرٹھی — ۸۲
۷۔ کوا — آفتاب احمد صاحب — ۸۴
۸۔ ایک بدمعاش اور بادشاہ — عبدالرشید خاں صاحب — ۸۹
۹۔ برف کا گھر — عثمان الرحمن صاحب نوقسہ — ۹۲
۱۰۔ ہولی کی بہار — محمود علی خانصاحب — ۹۴
۱۱۔ تیتری — الفت انوری صاحب سیالکوٹی — ۹۷
۱۲۔ باچھو — سید نصیر احمد صاحب — ۹۸
۱۳۔ پانی میں تیرتا درخت — رشید الدین صاحب لاہو — ۱۰۲
۱۴۔ راستہ بتاؤ — " " — ۱۰۳
۱۵۔ انعامی مقابلہ — سید ابو طاہر داؤد صاحب — ۱۰۴

ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی پرنٹر و پبلشر نے جامعہ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر پیام تعلیم سے شائع کیا۔

پیام تعلیم کے نئے خریدار

اس صفحہ پر جنوری اور فروری کے خریداروں کی فہرست شکریہ کے ساتھ شائع کی جاتی ہے۔ ہم جناب جیوا د صاحب اور دوسرے بھائیوں کے ممنون ہیں کہ انھوں نے پیام تعلیم کی اشاعت بڑھانے میں ہماری تھوڑی بہت مدد فرمائی۔

جنوری

جناب خواجہ امین اللہ صاحب دہلی
" سید تحمل حسین صاحب جالم پیٹ
" میجر محمد عثمان خاں صاحب جوناگڈھ
" حافظ محمد یوسف خانصاحب علیگڑھ
" محمد زبیر صاحب باکوڑ
" بنت ماجد حسین صاحب مینڈلہ
" جناب فخر الحسن صاحب ایلور
" غلام احمد ایم ایس نورانی صاحب بمبئی
" محمد ابراہیم عبد الجبار صاحب کراچی
" مولوی امیر حسن صاحب بارہ بنکی
" ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ ہائی اسکول ویلور
جناب بشیر احمد صاحب ہاردا
" ہمشیرہ منظور الحق صاحب کواتھ
" غلام محمد اکبر صاحب چنانڈری
" غلام حسین صاحب ملتان
" مولوی سید علی صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی مجسٹریٹ ایم مراداد
" حکیم مولوی وحید اللہ صاحب گورکھپور
" چودھری بشیر احمد صاحب وال میاں
" نثار احمد صاحب جہلم
" شیخ عبدالرحیم صاحب ڈرافسمین پونا
" سیٹھ غلام حسین احمد علی صاحب بمبئی

فروری

" سید عبداللہ صاحب اورنگ آباد
جناب پرنسپل صاحب میموریل اسکول لوڈیل
جناب عبدالقیوم خانصاحب بی اے بی ٹی اجمیر
" ایم کے بجلے صاحب چیلوں
" اقبال عباسی صاحب بازیدپور
" سید اختر عالم صاحب چھپرہ
" ہیڈ ماسٹر صاحب مڈل اسکول چیلونگ
" مسٹر ایس عارف صاحب شملہ
" ہیڈ ماسٹر صاحب مدرسہ ٹھواجی
" سکرٹری صاحب بزم فروغ اردو کھام گاؤں
" غلام محی الدین صاحب بزداده
" خان بہادر منشی امام الدین صاحب گجرانوالہ
" مشتاق احمد صاحب کاہنوان

منیجر

بچّوں سے باتیں

فروری کا "پیام تعلیم" تمھاری نظر سے گذرا ہوگا۔ ہمیں یقین ہے کہ تم نے اُسے ضرور پسند کیا ہوگا۔ تم میں سے بعض بچوں کے تو خط بھی ہمارے پاس آئے ہیں اور انھوں نے اس نئے انتظام کو بہت پسند کیا ہے اور اپنی خوشی ظاہر کی ہے۔

مگر ہم اس بات کو خوب سمجھتے ہیں کہ اصلی کامیابی کی حد ابھی بہت دور ہے۔ ہاں اگر کوششیں اسی طرح جاری رہیں تو ان شاء اللہ اس حد کو بھی پار کرلیں گے۔ لیکن بھائی ہم کتنی ہی محنت اور دوڑ دھوپ کریں ہماری ایک اکیلی کوشش سے کیا کام چلے گا جب تک تم بھی ہمارا ہاتھ نہ بٹاؤ گے مثل مشہور ہے کہ ایک اکیلا چنا کیا بھاڑ پھوڑ سکتا ہے۔ اگر تمھاری مدد کا کچھ بھی سہارا مل جائے تو پیام تعلیم تھوڑے ہی دنوں میں نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ جائے۔

یہ تو ہمیں یقین ہے کہ تمھیں اپنے پرچے سے بے انتہا محبت ہے تم اُسے بڑی دلچسپی اور شوق سے پڑھتے ہو۔ اور اگر کبھی کبھار اُسے تمھارے پاس پہنچنے میں دیر ہوجاتی ہے تو بڑی بے چینی سے تم اُس کا انتظار کرتے ہو۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ تمھیں اپنے پرچے سے ایسی ہی محبت ہو۔ لیکن ساتھ ہی اس کے ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ اپنے دوسرے ہم جولیوں، اپنے درجے کے لڑکوں اور اپنے بہن بھائیوں اور دوسرے عزیزوں اور رشتہ داروں کے بچوں کو بھی اپنا پرچہ دکھاؤ اور اگر ہو سکے تو اس کی خریداری پر آمادہ کرو۔ اس طرح اگر تم میں سے ہر ایک نے ایک ایک دو دو خریدار بھی پیدا کر دیے تو یقین جانو ہمیں اس سے بڑی مدد مل جائے گی اور تمھارے پرچہ کو زیادہ سے زیادہ بہتر اور دلچسپ بنا سکیں گے۔

اس سے پہلے بھی ہم اس بات کا ذکر کر چکے ہیں مگر تم نے کچھ زیادہ توجہ نہیں کی۔ مگر اب اتنی بے توجہی اور سستی سے کام نہیں چلے گا۔ اگر ہمت کرجاؤ تو خدا تمھاری مدد کرے گا۔ اور ان شاء اللہ ضرور کامیاب ہوگے۔

اس مہینہ سے ہم نے یہ بھی طے کیا ہے کہ اُن تمام بھائیوں کے نام جو خود خریدار ہوئے ہیں یا جنھوں نے دوسروں کو خریدار بنایا ہے۔ فہرست مضامین کے دوسرے صفحہ پر شائع کیے جائیں۔

پچھلے مہینے سے پیام تعلیم کے منیجر صاحب نے رسالہ کی قیمت کچھ تھوڑی سی (۸؍) بڑھا دی ہے تم خود ہی دیکھ رہے ہو کہ بلاک کی اور ہاتھ کی لکھی ہوئی تصویریں برابر شائع کی جا رہی ہیں

آٹھ صفحے مستقل طور سے زیادہ کردیے گئے ہیں کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ صفحے بڑھا دیے جائیں گے۔ ایسی حالت میں یا اضافہ کچھ زیادہ نہیں ہوا ور ہمیں امید ہے کہ تم اسے بڑی خوشی سے قبول کرو گے۔

کچھ باتیں ہمیں اپنے مضمون نگار بھائیوں سے بھی کہنا ہیں۔

۲۱ نومبر کے پرچہ میں ہم نے تفصیل کے ساتھ لکھ دیا ہے کہ اس قسم کے مضمون پرچے میں شائع کئے جائیں گے ہمیں افسوس ہے کہ سوائے دو چار بھائیوں کے کسی نے اس کا خیال نہیں کیا۔

مضمونوں میں ہمارے پاس قصے کہانیاں زیادہ آتی ہیں۔ ان میں سے اکثر چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ جو چھپی ہوئی نہیں ہوتیں وہ بھی زیادہ ایسی ہوتی ہیں جو پیام تعلیم میں چھپنے کے قابل نہیں ہوتیں پھر ان کے بعد جو کچھ اچھی کہانیاں ہوتی ہیں ان کی تعداد بھی اتنی ہوتی ہے کہ اگر ہم انھیں ترتیب سے شائع کریں تو ہمارے مضمون نگار بھائیوں کو دیر سویر کی شکایت پیدا ہوجاتی ہے اس لئے کیا اچھا ہو کہ ہمارے بھائی قصہ کہانیوں پر اپنی محنت نہ خرچ نہ کریں بلکہ اور دوسرے عنوانوں پر ایسے اچھے سادہ اور سہل انداز میں مضمون لکھیں کہ دوسرے بچے انھیں دلچسپی سے پڑھیں اور آسانی سے سمجھ لیں۔ اس سے آپ یہ ہرگز نہ سمجھیں کہ آپ کو کہانیاں لکھنے سے منع کیا جا رہا ہے۔ اگر آپ کو کہانی لکھنے کا شوق ہے تو ضرور کوشش کیجئے۔ مگر ایسی کہانیاں لکھئے جن میں کوئی خاص بات ہو۔ یا جن سے کوئی مفید نتیجہ نکلتا ہو۔ آپ اگر انگریزی جانتے ہیں تو اچھے اچھے انگریزی قصوں کے ترجمے کیجئے یا انھیں سامنے رکھ کر کہانیاں لکھئے۔

جنوری کے پیام تعلیم میں چھ حرفی لفظ کا جو معما دیا گیا تھا اس کے حل آگئے ہیں۔ سب سے زیادہ یعنی ۱۱۶ الفاظ محمد عمر بن حاجی داؤد (بنگلور) نے بنائے ہیں ان کے بعد ضیاء الدین قریشی صاحب نے ۱۰۵ لفظ بنائے ہیں تیسرا نمبر نظام الدین صاحب کا ہے انھوں نے ۸۰ لفظ اور ان کے بعد تمیز الحق صاحب گیاوی نے ۶۰ لفظ بنائے ہیں پھر اسی طرح نمبر گھٹتے چلے گئے ہیں۔

ہماری جامعہ کے بچوں کے مدرسہ یعنی تعلیمی مرکز نمبر ا میں بچوں نے نومبر ۱۹۳۳ء میں اپنا ایک بنک بھی اپنے استاد جناب عبد الغفار صاحب مدہولی کی نگرانی میں کھولا تھا۔ اس کا سارا انتظام بچوں ہی کے سپرد ہے اور وہ اسے بڑی محنت اور سلیقے سے چلا رہے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ بنک دن بدن ترقی کر رہا ہے۔ بچوں نے طے کیا تھا کہ بنک میں جس روز پانسو روپیہ جمع ہوجائیں تو اس کی خوشی میں ایک جلسہ کیا جائے۔ چنانچہ پچھلے مہینے (فروری) میں بنک میں چھ سو سے زیادہ روپے جمع ہوگئے۔ اس خوشی میں انھوں نے ایک شاندار جلسہ کیا۔ جلسہ میں بنک کی رپورٹ پڑھ کر سنائی گئی۔ بنک ہی کے سلسلے میں اور بھی کئی مضمون بچوں نے پڑھ کر سنائے۔ دو ایک نظمیں بھی پڑھی گئیں جو اسی موقع کے مناسب تھیں۔ آخر میں بنک کی طرف سے بچوں اور استادوں کو پنسلیں تقسیم کی گئیں اور جلسہ ختم ہوا۔

کسی آئندہ پرچے میں انشاءاللہ بچوں کے بنک اور بچوں کی اتحادی دوکان پر ایک مستقل مضمون شائع کریں گے۔

تانبیل خاں

(محمد حسین حسان)

یہ ایک سچی کہانی ہے اور اگر میں تم سے پوچھوں کہ تانبیل خاں کون ہی تو تم کہو گے کہ کوئی آدمی یا لڑکا ہو گا۔ لیکن اگر میں تمھیں یہ بتاؤں کہ تانبیل خاں کے چار چھوٹے چھوٹے کالے پاؤں ہیں، ایک چھوٹا سا سیاہ سر ہے۔ ایک ننھی سی کالی دُم ہے اور اُس کا جسم گہرے بھورے رنگ کے ایک خول سے ڈھکا ہوا ہی جو چوا ور قسم کا ہی۔ اس وقت میرا خیال ہی کہ تم بول اٹھو گے "ہو نہ ہو یہ کچھوا ہے" اور تمھارا خیال صحیح ہو گا۔ اور جب تم اس نام پر غور کرو گے تو بے اختیار تمھارے منہ سے اس کچھوے کے مالک اور مالکہ کی تعریف نکل جائے گی کہ انھوں نے کیسا مناسب نام رکھا ہی۔

لیکن جب یہ قصہ شروع ہوتا ہی۔ اُس وقت تانبیل خاں کا نہ تو کوئی مالک تھا اور نہ اس کا کوئی نام تھا وہ محض ایک کچھوا تھا جو بہت دور ایک گہرے نیلے اور گرم سمندر کے کنارے رہتا تھا۔

ایک دن جب وہ بالکل ہی بچہ تھا اور بڑے مزے اور اطمینان سے تازہ ہری ہری پتیوں کو ٹھونگ رہا تھا یکایکی اس نے محسوس کیا کہ وہ ہوا میں ہی اور اُس کے چاروں پیر ہوا میں لٹک رہے ہیں اور ہری پتی کا ایک ٹکڑا اب تک اُس کے منہ میں ہی۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔ لیکن اگر میں اور تم اس موقع پر ہوتے تو دیکھتے کہ ایک آدمی اُسے اوپر اٹھا کر اپنے بورے میں رکھ رہا ہی۔ اس بورے میں اور بھی بہت سے کچھوے تھے اور یہ کچھوے کے لئے ایسی تکلیف کی بات تھی کہ اُس نے فوراً ہی اپنی گردن اور پیر اندر کو سمیٹ لئے۔ دوسرے کچھوؤں نے بھی اس کی دیکھا دیکھی ایسا ہی کیا۔

ان بے چاروں میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہ تھا کہ

(۱) حیدرآباد کے علاقہ میں کچھوے کو تانبیل کہتے ہیں شاید اسی لئے کہ اس کی پیٹھ تانبے کی طرح سخت ہوتی ہے۔

آگے چل کر ان پر کیا گزرنے والی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ سو گئے تھے اور اگر سو نہیں رہے تھے تو پریشان تو ضرور تھے وہ ایک بڑے سے پیپے میں پڑے تھے۔ اُن کے علاوہ اور بھی بہت سے کچھوے اس میں بھرے ہوئے تھے۔ اور اب یہی اُن کا گھر تھا۔

یہ پیپا ایک جہاز کے تختہ پر رکھ دیا گیا اور جہاز بڑی دور کے سفر کے لئے روانہ ہو گیا۔

شاید تم پوچھو کہ جہاز جا کہاں رہا تھا۔ مگر بھائی یہ بات تو مجھے بھی نہیں معلوم ہاں اتنا بتا سکتا ہوں کہ جس جگہ جا رہا تھا وہاں پہنچا نہیں۔ اس لئے کہ جب وہ ایسے کنارے پر آیا جہاں پہاڑی ٹیلے ہی ٹیلے تھے تو یکایک جہاز کو کہرے نے گھیر لیا۔ اور تھوڑی دیر میں سارے سمندر پر چھا گیا۔ سورج بھی اس کی وجہ سے چھپ گیا اور چاروں طرف اندھیر گھُپ ہو گیا۔ یہ وقت جہازوں کے لئے بڑا نازک ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ تیزی سے جائیں تو دوسرے جہازوں سے ٹکرانے کا خوف اور اگر آہستہ چلیں تو یہ ڈر کہ دوسرے جہاز ان سے ٹکرا نہ جائیں۔ مگر اس وقت تو سب سے بڑا ڈر یہ تھا کہ جہاز پہاڑی کے کناروں سے قریب تھا۔ جن سے ٹکرا کر بہت سے جہاز پہلے بھی تباہ ہو چکے تھے۔

اور یہی ہوا جہاز ایک چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ مگر کنارا قریب تھا اس لئے خیر یہ ہوئی کہ کسی کی جان نہیں گئی اور سب بچا لئے گئے۔

مگر ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ یہ قصہ جہاز کے متعلق تو ہے نہیں یہ کچھوؤں کا قصہ ہے۔ ان بے چاروں کی کسی نے خبر نہ لی۔ اس لئے کہ لوگ اتنی جلدی میں تھے کہ انھوں نے کچھوؤں کو آپ اپنی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا۔ پیپا جہاز کے تختے پر ایک طرف کو گر گیا۔ کہرے کی

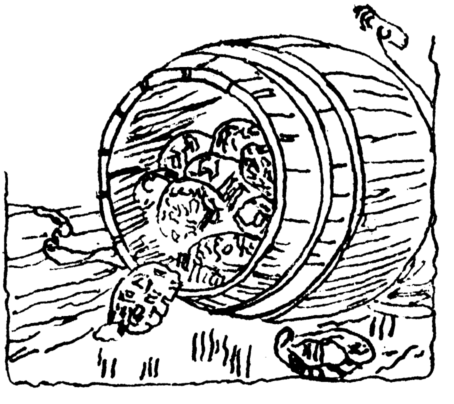

وجہ سے بہت نمی اور سردی تھی۔ اسی لئے تمام کچھوے اپنا سر اور ٹانگیں اندر کو سکیڑے ہوئے تھے، مگر ہمارا کچھوا ان سب کچھوؤں سے عقل مند تھا اور وہ تھا بھی پیپے کے کنارے پر اسی لئے جب پیپا نیچے گرا تو وہ نیچے آ گیا اور جہاز کے تختہ پر رینگنا شروع کیا وہ بہت پریشان اور بہت بھوکا تھا۔ اور بہت آہستہ آہستہ چل رہا تھا یہاں تک کہ وہ ایک ٹوکری کے پاس پہنچ گیا۔ جو ایک طرف کو

پڑی ہوئی تھی، اچھا بتاؤ اس ٹوکری میں تھا کیا؟ گوبھی کا ایک پھول تھا!

بات یہ ہوئی کہ باورچی نے گوبھی کے پھول کی ٹوکری کو اٹھایا ہی تھا کہ جہاز ایک چٹان سے ٹکرایا۔ باورچی گھبرایا ہوا ٹوکری کو لئے جہاز کے تختہ پر آیا اور بدحواسی میں ٹوکری یہیں پھینک گیا۔ کچھوے کے لئے اس وقت یہ ایک نعمت تھی۔ وہ بہت خوش تھا۔ وہ ٹوکری کے اندر چلا گیا اور گوبھی کا پھول اتنا کھایا کہ اس سے زیادہ نہیں کھا سکتا تھا۔ کھا پی کر کچھ اطمینان ہوا تو اپنا سر اور ٹانگیں اندر کو سمیٹ لیں اور بے خبر سو گیا۔

جب وہ جاگا تو تمام چیزیں عجیب و غریب معلوم ہو رہی تھیں۔ ٹوکری نیچے اوپر نیچے اوپر ہچکولے کھا رہی تھی اور ہر چند سکنڈ کے بعد بہت ہی ٹھنڈے اور نمکین پانی کے زبردست چھینٹے گوبھی اور کچھوے پر آکر پڑتے تھے لیجئے اور غضب ہوا! ایک بہت بڑی لہر نے جہاز کو سمندر میں غرق کر دیا۔ اور ٹوکری کو بہا کرلے گئی۔ اب کچھوا اور گوبھی کے پھول بہہ رہے تھے اور بہے چلے جا رہے تھے۔ کڑاکے کی سردی تھی اور کچھوے کے لئے سخت مصیبت کا وقت۔ ٹوکری آدھی سے زیادہ پانی سے بھر گئی تھی لیکن تھی بہت مضبوط اس لئے بہت آسانی سے تیر رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ایک بہت بڑی لہر آئی اور ٹوکری کو سمندر کے ریتیلے کنارے پر بہالے گئی۔ یہ لہر جب سمندر میں واپس لوٹی تو ٹوکری وہیں چاندی جیسے چمکتے ہوئے ریت پر چھوڑ آئی۔ کچھوا اور گوبھی کا پھول اب تک اس کے اندر تھے۔

نمکین پانی سے کچھوے کا دم گھٹ رہا تھا غریب ننھی سی جان! سردی نے اس کی حالت ایسی تباہ کر دی تھی کہ پہلے تو وہ ہل جُل نہیں سکتا تھا لیکن آخر دن نکل آیا اور سورج نے نیلے آسمان میں اوپر چڑھنا شروع کیا۔ اس وقت تو وہ اس ریتیلی کھاڑی کے بالکل اوپر معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے کچھوے کو بھی گرمی پہنچی اور اُس کی جان میں جان آئی۔ اب اُس نے اپنا سر اندر سے نکالا کالی کالی آنکھیں ذرا دیر کو جھپکائیں۔ اور اپنے چاروں طرف کھانے کے لئے نظر دوڑائی۔ گوبھی کا پھول بھیگا ہوا تھا اور بہت بدمزا تھا۔ اس لئے چارے کی تلاش میں اُس نے آہستہ آہستہ کنارے کی طرف رینگنا شروع کیا اتنے میں ایک سمندری بگلے نے اُسے دیکھ پایا اور نیچے کی طرف جھپٹا لیکن جب قریب آیا تو یہ دیکھ کر وہ اچنبھے میں رہ گیا کہ یہ پتھر کی قسم کی ایک کالی سی چیز ہے۔

کچھوا کچھ سہم گیا تھا۔ لیکن بھوک بھی لگی تھی اس

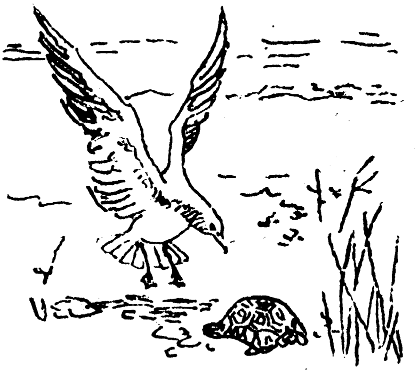

سلئے وہ چلتا ہی رہا۔ چلتے چلتے اُسے ایک ہرا بھرا میدان نظر آیا جہاں ایک چھوٹا سا چشمہ بہتا تھا۔ اور اُس کے کنارے نرم نرم گھاس، پانی کے پودے اور پھول اُگے ہوئے تھے۔ کچھوا اس جگہ پہنچ گیا۔ اور خوب کھایا۔

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ اور آگے بڑھا۔ وہاں چیونٹیاں نہیں تھیں۔ وہ آسانی سے سمندر سے بہت دور چلا گیا اور سالہا سال یہاں بڑے مزے سے رہتا رہا۔ وہاں کھانے کا سامان کافی تھا۔ خرگوش اور بہت

سے پرند اُس کے دوست ہو گئے تھے۔ سمندری بگلوں نے بھی جب یہ دیکھا کہ جس وقت وہ اس کے قریب جاتے ہیں تو وہ جلدی سے ہاتھ پاؤں سمیٹ کر بالکل پتھر کا سا بن جاتا ہے۔ اس کا خیال ہی چھوڑ دیا۔ سمندری بگلوں کی چونچیں بڑی تیز ہوتی ہیں لیکن کچھوا اپنی عقلمندی سے اُن سے بچا رہا۔

جب جاڑے کا زمانہ آتا تو وہ اپنے لئے جنگل اور جھاڑیوں کے درمیان ایک گرم اور خشک بل تلاش کر لیتا۔ اور پھر بہار کے موسم میں رینگتا ہوا باہر نکل آتا اور گلاب اور دوسرے ہرے ہرے پودوں کی پتیاں کھا کر پیٹ بھرتا۔

ایک دن چودھری بلدیو سنگھ کا مالی شبراتی چٹانوں پر ٹہل رہا تھا کہ اس کی نظر اس کچھوے پر پڑ گئی۔ کچھوا جنگل میں ایک پتلے سے راستہ پر رینگتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ مالی فوراً رک گیا اور اُسے غور سے دیکھنے لگا اور اُس سے کہنے لگا۔ " اہا جناب۔ آپ کہاں سے تشریف لائے

ہیں " میں آپ کو اپنی سرکار کے پاس لے جاؤں گا۔

نیچے جھک کر اُس نے کچھوے کو اٹھایا اور اپنے کوٹ کی بڑی سی جیب میں رکھ لیا۔

چودھری بلدیو سنگھ اپنے گاؤں کے قریب ایک چھوٹی سی وادی میں رہتے تھے۔ اس وادی میں ان کا ننھا سا سفید بنگلہ جس کی دونوں چمنیاں خرگوش کے کانوں جیسی تھیں بہت خوب صورت معلوم ہوتا تھا۔ بنگلہ کے سامنے گھاس کا ایک تختہ تھا جس کے چاروں طرف خوب صورت پھولوں کی باڑ لگائی گئی تھی۔ بنگلہ سے ملا ہوا ایک باغ بھی تھا اور چاروں طرف پتھر کی دیوار سے گھرا ہوا تھا۔ اس میں طرح طرح کے پھول لگے ہوئے تھے۔ بہار کے موسم میں اس باغ میں کچھ عجیب بہار ہوتی تھی۔

چودھری صاحب اور اُن کی بیوی اس وقت نرائی میں مشغول تھے یعنی باغ سے گھاس اور خراب پودے اکھاڑ رہے تھے کہ اتنے میں مالی نے کچھوا جیب سے نکال کر ایک لمبی سی ہری شاخ کے پاس رکھ دیا۔ جو بہت دن ہوئے کاٹ کر پھینک دی گئی تھی۔ اور کہنے لگا "یہ لیجیے خدا نے انھیں ہماری مدد کے لئے بھیجا ہے۔ یہ خراب پودے کھا جایا کریں گے۔" اتنے میں کچھوے نے نہایت آہستہ آہستہ اپنا سر نکالا۔ بڑی احتیاط سے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ اور ہری شاخ کے پتوں کو کھانا شروع کیا اور برابر چباتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک پتا بھی باقی نہ بچا۔ اور خالی ڈنٹھل رہ گیا۔ اس عرصہ میں مالی نے سارا قصہ سنایا کہ کس طرح وہ ایک چٹان پر چر رہا تھا اور وہ اسے دیکھ کر پکڑ لایا۔ چودھری صاحب کی بیوی نے کہا۔ اچھا ہے کچھوے کو یہیں رہنے دو۔ یہیں وہ اپنا گھر بنائے گا۔ اور آرام سے زندگی گذارے گا۔

چودھری صاحب نے کہا "اور اس کا نام تابیل خاں رکھا جائے۔"

غرض تابیل خاں وہیں رہ پڑے۔ میں نے اُن کو وہیں دیکھا اور یہ اُس وقت جب میں ایک بار چودھری صاحب سے ملنے کے لئے اُن کے یہاں گیا۔ وہ بہت خوش معلوم ہوتا تھا۔ باغ میں ہریالی بہت تھی۔ ہر قسم کے پودوں اور پھولوں کی بہتات تھی۔ تابیل خاں گھاس پات ہی نہیں کھاتا بلکہ کبھی کبھی پودوں پر بھی ہاتھ صاف کر دیتا تھا۔ لیکن اس باغ میں پودے اس تیزی سے اُگتے تھے کہ اُس کی اس غلطی سے کچھ ایسا زیادہ نقصان نہیں ہوتا تھا۔

باغوں میں تو تم جانو درخت بھی ہوتے ہیں اور کہیں کہیں کھلے ہوئے سبزہ زار اور میدان بھی تابیل خاں کو اور کیا چاہیئے وہ گرمی کے وقت درختوں کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے اور سردی ہو تو میدان میں بیٹھ کر

مزے سے دھوپ کھاتا ہے۔ جاڑوں کے زمانے میں باغ کی دیوار کے پاس نرم زمین کھود کر بل بنالیتا ہے اور بہار کے موسم میں جب زمین گرم ہو جاتی ہے تو باہر نکل آتا ہے۔

جب وہ اپنے سوراخ سے باہر نکلتا ہے تو چودھری صاحب اور اُن کی بیوی اکثر زائی کرتے ہوتے ہیں اُس وقت انھیں ایک مشغلہ ہاتھ آجاتا ہے وہ اُسے سلام کرتے ہیں اور کہتے ہیں "آداب عرض ہے جناب تانبیل خاں صاحب اس دنیا میں دوبارہ واپس آنا مبارک ہو" اور تم خود ہی سوچو یہ بھی ایک قسم کا جنم دن یا تم اسے ایک طرح سے سال کا پہلا دن بھی کہہ سکتے ہو۔

تانبیل خاں پھر خراماں خراماں شاید چارے کی تلاش میں چکر لگاتا ہے۔ وہ اب پہلے سے دوگنا بڑا ہو گیا ہے اور میرے خیال میں پہلے سے دوگنا خوش بھی ہے۔

❖

یہ ایک سچا قصہ ہے جو میں نے تمھیں سنایا تانبیل خاں موجود تھا اور میں نے اُسے باغ میں ٹہلتے ہوئے دیکھا ہے ویسے بھی میں نے کچھوؤں کی بابت بہت کچھ پڑھا ہے۔ یہ زیادہ تر سبزی کھاتے ہیں۔ علاوہ اس کے کرم کلا ہرے ہرے پتے پھول ان کا من بھاتا چارا ہیں۔ ویسے یہ ہر وقت اپنی کھال میں مست رہتے ہیں۔ کوئی اچھی چیز کھانے کو نہ ملے تو پروا نہیں کرتے۔ گھاس پات پر گذر کر لیتے ہیں۔ اگر انھیں کسی چھوٹی جگہ میں بند رکھا جائے تو روٹی اور دودھ بھی کھالیں گے۔ اگر چارے میں کافی تری ہے تو پانی بہت کم پیتے ہیں اور پیتے بھی ہیں تو بہت آہستہ آہستہ۔

وہ اسی سوراخ میں جاکر سوتے ہیں جس میں جاڑے کا موسم گذارتے ہیں۔ سورج کے نیچے بیٹھ کر دھوپ کھانا انھیں بہت زیادہ پسند ہے، خصوصاً جب کھا پی کر فارغ ہو گئے ہوں۔

کبھی کبھی سایہ میں بیٹھنے کا لطف بھی اٹھاتے ہیں سورج ڈوبنے سے پہلے آرام کرنے چلے جاتے ہیں اور جب سورج خوب اوپر چڑھ آتا ہے تو سو کر اُٹھتے ہیں۔ ہاں بارش انھیں بہت ناپسند ہے۔ گانا سننے کے بڑے شوقین ہیں جب گانا ہوتا یا بینڈ بجتا ہے تو سر اور گردن باہر نکال کر بڑی توجہ سے سنتے ہیں۔ ماشاءاللہ عمر بھی بہت بڑی ہوتی ہے بعض عجائب خانوں ۱۰۷، ۱۲۳ اور ۲۲۰ برس تک بھی زندہ رہے ہیں۔

(ترجمہ و اقتباس)

سورج کی دوستی

(از محمود علی خاں صاحب جامعی)

پچھلے پرچے میں "دنیا گول ہے" والے مضمون سے یہ بات تو آپ کی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ واقعی ہماری یہ دنیا جس پر ہم چلتے پھرتے ہیں نارنگی، گیند یا لٹو کی طرح گول ہے لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی پیدا ہوا ہوگا کہ یہ دنیا آخر گول ہو کیسے گئی

سنئے اصل بات یہ ہے کہ ہماری دنیا بھی سورج کا بچہ ہے یعنی پہلے پہل اس جہان میں صرف سورج تھا۔ یہ سورج بہت سی گرم گرم لیکن نرم اور پتلی چیزوں کا بنا تھا مگر اب ہزاروں لاکھوں برس گذرنے کے بعد یہ اوپر سے کچھ خشک سا ہوگیا ہے۔ یہ برابر پھرکی کی طرح گھومتا ہے۔ اگر آپ کسی پیالے میں پانی بھر کر خوب چکر دیں تو پانی کی بوندیں اُڑ اُڑ کر ادھر اُدھر گریں گی۔ اسی طرح جب سورج زیادہ نرم تھا تو چکر کاٹنے میں اس کے کچھ حصے اُڑ اُڑ کر ہوا میں دور چلے گئے۔ انہی میں سے ایک ہماری دنیا ہے۔ یہ بھی پہلے نرم نرم تھی اور چونکہ اپنے زور میں لٹو کی طرح چکر کھاتی ہے اس لئے گول پڑ گئی۔ مثلاً اگر آپ تھوڑی سی گیلی مٹی یا آٹا لیں اور دونوں ہاتھوں کے بیچ میں رکھ کر اسے خوب چکر دیں تو وہ گول گول غلہ سا بن جائے گا اپنی غلیل کے غلّے آپ اسی طرح بناتے ہیں۔ ہماری دنیا بھی ہوا کے دباؤ اور گھومنے سے گول ہوگئی۔

دنیا کے گول ہونے اور لٹو کی طرح گھومنے کی وجہ سے یہاں دن اور رات ہونے لگے۔ سورج آگ کی طرح دہکتا ہے اور خوب روشن اور چمکدار ہے۔ اس کی روشنی دور دور تک جاتی ہے۔ بس یہ سمجھ لیجئے جیسے ایک لمپ روشن ہے۔ اس لمپ کے سامنے اگر آپ ایک فٹ بال رکھ دیں تو فٹ بال کے سامنے کے حصے پر تو روشنی پڑے گی اور اس کے پیچھے کے حصے پر جو لمپ سے آڑ میں ہوگا بالکل اندھیرا ہوگا۔ اسی طرح ہماری گول دنیا کا وہ حصہ جو سورج کے سامنے ہوتا ہے اس میں دن ہوتا ہے اور پیچھے والے حصہ میں رات ہوتی ہے۔ یعنی جب ہمارے ہندوستان میں دن ہوتا ہے تو امریکہ میں جو بالکل ہمارے پیچھے واقع ہے رات ہوتی ہے۔ جب بارہ گھنٹے بعد

امریکہ والا حصہ گھوم کر سورج کے سامنے آجاتا ہے اور وہاں دن ہوجاتا ہے اور ہندوستان والا حصہ پیچھے ہوجاتا ہے تو یہاں رات ہوجاتی ہے۔ بارہ گھنٹے بعد پھر پہلی سی حالت ہوجاتی ہے گویا ۲۴ گھنٹے میں دنیا اپنا چکر پورا کرتی ہے۔

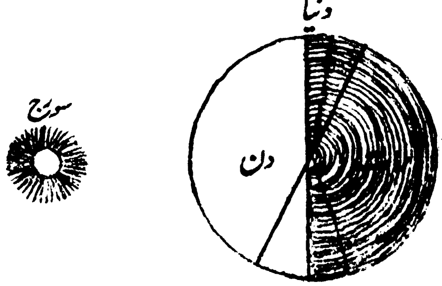

آپ کہیں گے یہ تو عجیب بات بتلائی ہمیں تو صاف صاف سورج دنیا کے چاروں طرف گھومتا معلوم ہوتا ہے۔ اور آپ لکھتے ہیں کہ دنیا گھومتی ہے۔ دیکھئے آپ کبھی ریل گاڑی میں تو ضرور بیٹھے ہوں گے جب ریل گاڑی جنگلوں میں سے گذرتی ہے تو کھڑکی سے سر نکال کر دیکھئے۔ تمام پہاڑ۔ کھیت۔ درخت سب دوسرے رُخ بھاگتے ہوئے نظر آئیں گے۔ تو کیا واقعی درخت وغیرہ چلنے لگتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ ہماری ریل چلتی ہے اور اس کی تیزی میں ہمیں یہ سب چیزیں دوسرے رُخ کو چلتی معلوم ہوتی ہیں۔ اور اپنی ریل کھڑی معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح ہماری دنیا مغرب سے مشرق کو اپنی کیلی پر لٹو کی طرح گھومتی ہے اور سورج مشرق سے مغرب کو چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

جیسے آگ میں روشنی بھی ہے اور گرمی بھی۔ اسی طرح سورج میں روشنی بھی ہے اور گرمی بھی۔ ہماری دنیا کا بیچوں بیچ کا حصہ سورج کے بالکل سامنے ہے اور اوپر نیچے کے حصے ذرا دور پڑتے ہیں۔ اسی وجہ سے بیچوں بیچ کے ملک زیادہ گرم ہیں اور جتنا جتنا آپ اوپر یا نیچے جائیں گے اتنی ہی سردی زیادہ ہوتی جائے گی۔ مثلاً اگر کسی اسٹول پر انگیٹھی رکھی ہو اور آپ اس کے پاس کھڑے ہوجائیں اور انگیٹھی آپ کے پیٹ کے برابر میں ہو تو پیٹ زیادہ گرم ہوجائے گا اور پاؤں اور سر ٹھنڈے رہیں گے۔ ہمارا ہندوستان دنیا کے بیچ والے حصہ میں واقع ہے اسی لئے اوپر کے ملکوں کے مقابلے میں یہاں گرمی زیادہ پڑتی ہے

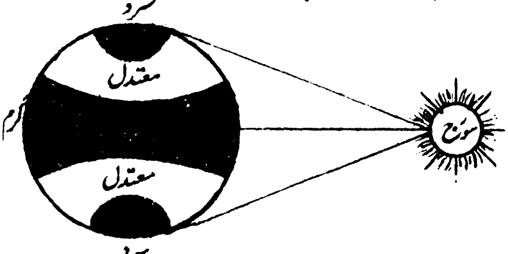

یہ تو آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑے بازار جارہا ہے۔ بیٹا ہے بڑا نٹ کھٹ۔ جہاں کوئی تماشا ہوتے دیکھا بس چاہتا ہے کہ باپ کا ہاتھ چھڑا کر بھاگ جائے۔ لیکن باپ زیادہ طاقتور ہے۔ وہ لڑکے کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے۔ لڑکا جب بھاگنے کے لئے بہت زور لگاتا ہے تو ہاتھ چھڑا نہیں سکتا۔ اپنے

زور میں اِدھر اُدھر جھولنے اور چکر کاٹنے لگتا ہے۔ یہی حالت ہماری دنیا کی ہوئی جب سورج سے علیحدہ ہوئی تو اپنے زور میں یہ چاہا کہ دور نکل جائے۔ سورج کی طاقت دنیا کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا سورج کے چاروں طرف چکر کاٹنے لگی۔ بس ایسا سمجھ لیجئے جیسے ایک لٹوا اپنے چاروں طرف بھی گھومتا جاتا ہے اور اِدھر اُدھر چلتا بھی جاتا ہے۔ ہماری دنیا یہ چکر پورے ایک سال میں پورا کرتی ہے۔

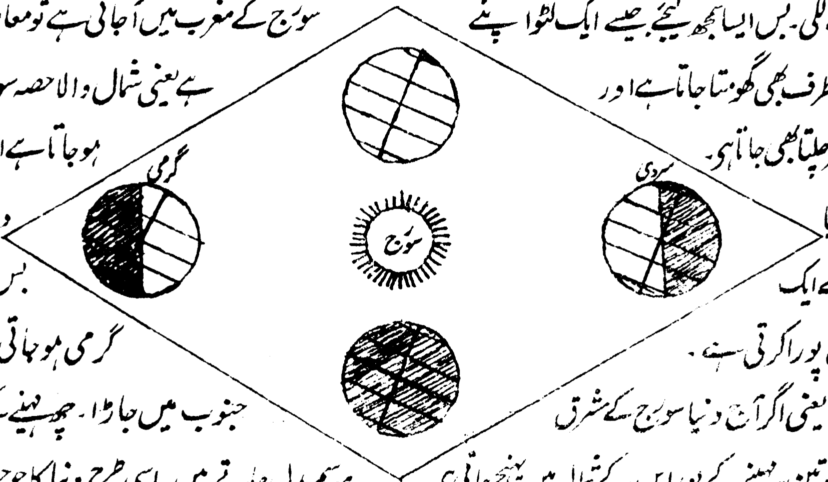

یعنی اگر آج دنیا سورج کے مشرق میں ہے تو تین مہینے کے بعد اس کے شمال میں پہنچ جاتی ہے پھر تین مہینے بعد مغرب میں اور تین مہینے بعد جنوب میں۔ آخر کو تین مہینے بعد پھر اسی جگہ آجاتی ہے جہاں سے چلی تھی۔

اتفاق دیکھئے کہ ہماری دنیا ذرا ترچھی واقع ہوئی ہوئی ہے اور جب ہے گھومتی ہی یا چلتی ہے لیکن اُسی طرح ترچھی رہتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب دنیا سورج کے مشرق میں ہوتی ہے تو اس کا جنوب والا حصہ سورج کے نزدیک ہوتا ہے اور شمال والا دور۔ اسی لئے جنوب میں گرمی ہوتی ہے اور شمال میں جاڑا لیکن چھ مہینے بعد جب دنیا سورج کے مغرب میں آجاتی ہے تو معاملہ الٹا ہوجاتا ہے یعنی شمال والا حصہ سورج کے نزدیک ہوجاتا ہے اور جنوب والا دور۔ بس شمال میں گرمی ہوجاتی ہے اور جنوب میں جاڑا۔ چھ مہینے کے بعد پھر موسم بدل جاتے ہیں۔ اسی طرح دنیا کا جو حصہ سورج کے قریب ہوتا ہے وہاں گرمی کے علاوہ روشنی بھی دیر تک رہتی ہے اور دور والے حصے میں روشنی بھی زیادہ دیر نہیں رہتی۔ یہی سبب ہے کہ گرمیوں کے زمانے میں دن بڑا ہوتا ہے اور جاڑوں میں چھوٹا۔

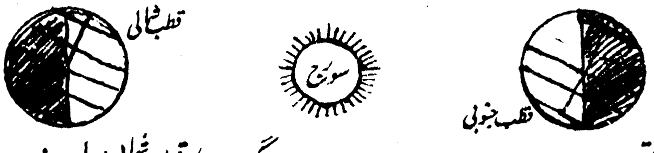

اور گرمیوں بھر قطب شمالی میں اور سردیوں بھر قطب جنوبی میں دن رہتا ہے۔

آئندہ پرچہ میں انشاء اللہ چاند کی دوستی کا حال لکھیں گے۔

افریقہ کے چند جانور

۷۔ گھڑیال یا مگر

(از جناب محمد احمد صاحب سبزواری سب ایڈیٹر نورس)

یہ چھپکلی کی صورت کا سب سے زیادہ خوفناک ہیں۔ اس کی کمر کا رنگ بھورا اور پیٹ کا زرد ہوتا ہے

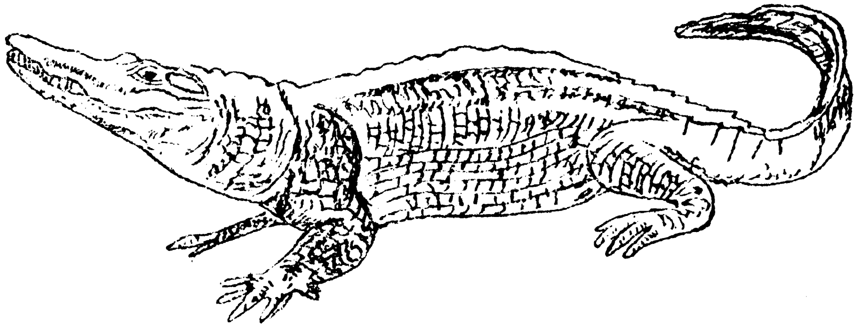

دریائی جانور ہے۔ افریقہ کے تمام دریاؤں میں پایا جاتا ہے۔ افریقہ کے جنوب میں ایک بڑا دریا لمپوپو بہتا ہے۔ اس میں گھڑیال اس کثرت سے ہیں کہ وہاں کے لوگ اس دریا کو "گھڑیالوں کی ندی" کہتے ہیں اس کی لمبائی ۱۲ سے لے کر ۱۶ فٹ تک ہوتی ہے۔ اس کی کھال بہت موٹی اور اس پر دلدار نہیں ہوتی

اس کا منہ اتنا لمبا اور بڑا ہوتا ہے کہ ایک سالم بکری کا ایک ہی نوالہ کرتا ہے۔ اس کے دانت ساٹھ کے قریب ہوتے ہیں۔ اس کے چار پنجے ہوتے ہیں۔ اسکے اگلے پنجوں میں پانچ پانچ انگلیاں اور پچھلے پنجوں میں صرف چار ہی انگلیاں ہوتی ہیں۔ ناخن لمبے اور نوک دار ہوتے ہیں۔ دُم بھی تقریباً ۶ ، ۷ فٹ لمبی۔ یہ سیدھا

خوب دوڑتا ہے۔ لیکن گھومنے میں دیر لگتی ہے اس لئے اگر کسی انسان کا پیچھا کرے اور وہ آڑا ترچھا ہو کر بھاگے تو گھڑیال اس کو نہیں پکڑ سکتا۔ اگرچہ یہ دریائی جانور ہے مگر پانی کے اندر گھنٹے آدھ گھنٹے سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔ اُسے سانس لینے کے لئے باہر آنا پڑتا ہے۔ یہ نہایت بلانوش جانور ہے۔ مُرغابی، بھیڑ، بکری، چوپا، آدمی گائے وغیرہ جو بھی اس کے ہاتھ لگ جائے یہ اُسے کھالیتا ہے۔ کبھی کبھی کنارے کے قریب صرف نتھنے پانی سے نکالے شکار کی گھات میں بیٹھا رہتا ہے اور جونہی کوئی اس کی گرفت میں آجائے تو یہ ٹانگ یا گردن پکڑ کر پانی میں لے جاتا ہے۔ اور جب شکار مرجاتا ہے تو چھوٹا سا ہو تو سالم نگل جاتا ہے اور بڑا ہو تو کنارے لاکر کھاتا ہے۔ اس کی مادہ دریا کے کنارے ریت میں ایک وقت میں سو سوا سو انڈے دیتی ہے۔ انڈے دے کر خود چلی جاتی ہے۔ صرف سورج کی گرمی سے بچے نکل آتے ہیں۔ اس کے انڈے پہلے بہت نرم ہوتے ہیں یہاں تک ہاتھ سے دب جاتے ہیں مگر دوسرے ہفتے ان میں سختی آجاتی ہے۔ گھڑیال کو دھوپ کھانے کا بہت شوق ہوتا ہے چنانچہ روزانہ دوپہر کو یہ دریا کے گرم ریت پر لوٹیں لگاتا ہے۔

اس کا شکار بہت مشکل ہے۔ اکثر لوگ پہلے بہت سے آدمیوں کو اس بات کے لئے نوکر رکھتے ہیں کہ وہ ان کو خبر دیں کہ مگر اس وقت کہاں ہیں اور جب اطلاع ملنے کے بعد شکاری اپنے سامان وغیرہ کے ساتھ مقام مقررہ پر پہنچ جاتے ہیں تو یا تو گھڑیال اس وقت تک غائب ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور اگر ہوتے بھی ہیں تو ان لوگوں کو قریب آتے دیکھ کر ہی فرار ہو جاتے ہیں۔ کبھی گولی چلانے کا موقع بھی مل جائے تو وہ زخمی ہو کر دریا میں کود کر غائب ہو جاتے ہیں۔ ایک انگریز جس نے افریقہ کا سفر کیا ہے لکھتا ہے کہ "میں مگر کے شکار کو گیا اور ہزاروں چھوٹے بڑے مگر دیکھے اور سیکڑوں پر ہی گولیاں چلائیں۔ بہت سے زخمی بھی ہوئے مگر میں ایک مگر کو بھی مارنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ تقریباً یہی حال دوسرے شکاریوں کا ہوتا ہے۔ اگر ان سے حقیقتاً پوچھا جائے تو وہ اس بات کا اقرار کریں گے کہ جس مگر کے متعلق وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے مارا وہ انھوں نے کسی عرب ہی سے خریدا ہوگا۔"

عرب کے لوگ مگر کے شکار میں بہت مشاق ہوتے

ہیں۔ یہ لوگ ان مقامات پر جہاں نگر روزانہ آتے جاتے ہیں پہلے سے جاکر کسی چٹان کے پیچھے یا ریت میں دبک کر بیٹھ جاتے ہیں اور جب نگران کے قریب آکر سو جاتے ہیں تو یہ آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے بالکل ان کے قریب جاکر ان پر حملہ کر دیتے ہیں۔ اور اس سے پہلے کہ نگران پر حملہ کرے اور اسے اپنا نوالہ بنائے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ مگر یہ کام بہت ہی خطرناک ہوتا ہے اور اس میں بڑی پھرتی کی ضرورت ہے۔ اگر ذرا سی دیر یا غفلت ہو جائے یا خنجر منھ پر نہ لگے تو پھر شکاری خود ہی شکار ہو جاتا ہے۔ عرب اس کی آلائش صاف کر کے اور اس کے پیٹ میں بھوسہ وغیرہ بھر کر بازاروں میں فروخت کرتے ہیں۔ تقریباً افریقہ کے ہر ایسے شہر میں جو کسی دریا یا جھیل کے کنارے ہے یہ چیزیں بکتی ہیں اور سیاح بہت سستی قیمت پر انھیں خرید لیتے ہیں اور پھر اپنے وطن آکر شیخی مارتے ہیں کہ یہ نگر ہم نے مارا۔

لطیفے

ٹکٹ کلکٹر۔ (ریل میں) ٹکٹ دکھائیے جناب۔

بچہ۔ ابا ابا یہ آدمی کس لئے آیا ہے۔

باپ۔ بیٹا یہ ٹکٹ دیکھنے آئے ہیں۔

بچہ۔ ارے یہ اتنے بڑے ہو گئے انھوں نے ابھی تک ٹکٹ ہی نہیں دیکھا ہے۔

جج۔ تمھاری عمر کیا ہے

گواہ۔ سولہ سال حضور۔

جج۔ جھوٹ مت بولو تمھاری عمر اس سے کہیں زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

گواہ۔ حضور میں سچ بولتا ہوں۔ میں انتیس فروری کو پیدا ہوا تھا اس لحاظ سے میری پیدائش کی تاریخ ہر چار سال میں ایک بار آتی ہے۔

تم اس قمیص کی دھلائی بھی حساب میں لگا رہے ہو جسے تم کھو چکے ہو۔

دھوبی۔ جی سرکار میں نے تو اسے کھونے سے پہلے دھویا تھا۔

بچے کو نصیحت

از حضرت زجاد کوتانوی مدظلہ

مرد بنو فکر کو آنے نہ دو
ہمت مردانہ سے تم کام لو

پڑھنے میں مصروف ہو جی توڑ کے
آگے بڑھو ہم سے ہمیں چھوڑ کے

اشہب(۱) محنت کی عنان(۲) کو اٹھاؤ
علم کے میدان میں سرپٹ اڑاؤ

شوق میں تعلیم کے باندھو کمر
تکیہ(۳) کرو زورِ خداداد(۴) پر

دیکھو جماعت میں کوئی بڑھ نہ جائے
آگے کوئی تم سے سبق پڑھ نہ جائے

جو قدم اُٹھے وہی آگے پڑے
ساتھ کے رہ جائیں کھڑے کے کھڑے

جوش سے فراٹے طبیعت بھرے
ایک ہی زنانے میں سب طے کرے

علم کے دریا کے شناور(۵) بنو
علم کے میداں کے دلاور بنو

ہمت و محنت سے کرو گے جو کام
منزل مقصود ہے پھر ایک گام(۶)

وقت گیا پھر نہیں آتا ہے ہاتھ
اور نہ کسی سے یہ نبھاتا ہے ساتھ

---

(۱) گھوڑا۔ (۲) گھوڑے کی باگ۔ لگام۔ (۳) بھروسا۔ اعتماد۔

(۴) خدا کا دیا ہوا زور۔ (۵) تیراک۔ (۶) قدم۔

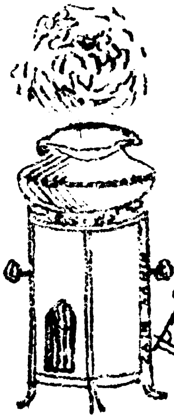

بھاپ کا پانی میں تبدیل ہونا

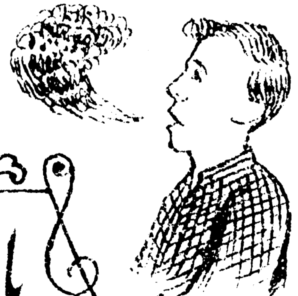

(از جناب جواد صاحب)

ایک برتن میں کچھ پانی گرم کرو یہاں تک کہ وہ اُبلنے اور بھاپ بننے لگے۔ اس بھاپ کو غور سے دیکھو کیا یہ پانی کے بالکل اوپر دکھائی دیتی ہے یا جب برتن کے منہ سے باہر آجاتی ہے؟ اگر تم غور سے دیکھو تو تمھیں معلوم ہوگا کہ بھاپ پانی کی سطح کے بالکل اوپر دکھائی نہیں دیتی بلکہ جب وہ برتن سے باہر نکل آتی ہے اُس وقت دکھائی دیتی ہے۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ ایسا کیوں ہے؟ بھاپ پانی کی سطح سے کچھ اوپر کیوں دکھائی دیتی ہے؟

کیا تم نے کبھی ریل کے انجن میں سے بھاپ نکلتی دیکھی ہے؟ اگر دیکھی ہے تو تم نے یہ بھی اندازہ کیا ہوگا کہ نلکی کے منہ کے بالکل نزدیک بھاپ دکھائی نہیں دیتی بلکہ جب کچھ دور چلی جاتی ہے اس وقت دکھائی دیتی ہے۔ تم نے جاڑوں میں کبھی منہ سے سانس نکالا ہے؟ کیا تم بتا سکتے ہو کہ جاڑوں میں یہ سانس کیوں دکھائی دیتی ہے اور گرمیوں میں کیوں نہیں دکھائی دیتی۔ پہلی مثال میں بھاپ پانی کی سطح کے بالکل اوپر اس لئے دکھائی نہیں دیتی کہ وہ حصہ زیادہ گرم ہوتا ہے اور وہاں گرمی کی وجہ سے بھاپ جمنے نہیں پاتی۔ کچھ دور اوپر ٹھنڈی ہوکر بھاپ پانی کے چھوٹے چھوٹے قطروں کی شکل اختیار کرلیتی ہے اور تم ان ننھے ننھے قطروں کو دیکھ سکتے ہو۔

یہی وجہ ہے کہ بھاپ انجن میں نلکے کے منہ کے بالکل قریب دکھائی نہیں دیتی بلکہ کچھ فاصلے پر نظر آتی ہے۔

آدمی کے بدن میں ہر وقت پانی موجود رہتا ہے جب جاڑوں میں منہ سے سانس نکالتے ہو تو جو بھاپ اس کے ساتھ آتی ہے وہ جم جاتی ہے اور ہم اسے آسانی سے دیکھ سکتے ہیں۔

پانی کے بخارات کا ٹھنڈا ہو کر پھر پانی میں تبدیل ہو جانا بستگی کہلاتا ہے۔

تجربہ نمبر ۱۔ ایک گلاس میں پانی لو اور اس میں ایک برف کا ٹکڑا ڈال دو، اب اس گلاس کو ایک گرم کمرے میں رکھ دو۔ تھوڑی دیر بعد اس کے باہر کے حصے کو غور سے دیکھو۔ یہ حصہ دھندلا کیوں ہے۔ پانی صرف گلاس کے باہر کے حصے پر کیوں جم جاتا ہے اور چیزوں پر کیوں نہیں جمتا؟ اگر تم ایک گلاس میں گرم پانی بھر کر رکھ دو تو کیا اس پر بھی بھاپ اسی طرح جم جائے گی؟

تجربہ نمبر ۲:۔ ایک تنگ منہ کے برتن میں پانی کھولاؤ اور ایک ٹھنڈے پانی کا گلاس اس پر اس طرح پکڑو کہ بھاپ گلاس سے ٹکرائے۔ تم دیکھو گے کہ پانی کے قطرے گلاس پر جم جائیں گے۔

اب گلاس میں اچھا گرم پانی بھر لو اور اس کو بھی اسی طرح پکڑو۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس پر قطرے کیوں نہیں جمتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بھاپ ٹھنڈے گلاس سے ٹکراتی ہے تو جم جاتی ہے اور جب گرم گلاس سے ٹکراتی ہے تو ٹھنڈی نہیں ہوتی اور جم نہیں سکتی۔

لطیفے

ماسٹر۔ نرائن تم ہمیشہ اسکول میں دیر سے آتے ہو۔

نرائن۔ ماسٹر صاحب یہ میری غلطی نہیں ہے چپراسی کی خطا ہے کہ اتنی جلدی میرے آنے سے پہلے ہی گھنٹی بجا دیتا ہے۔

مریض۔ ڈاکٹر صاحب میرے دل کی حالت کچھ ٹھیک نہیں۔

ڈاکٹر۔ کیوں کیا بات ہے کیا کہیں سے کوئی ایسی ویسی خبر آئی ہے؟

مریض۔ جی ہاں ڈاکٹر صاحب آپ کا بل آیا ہے۔

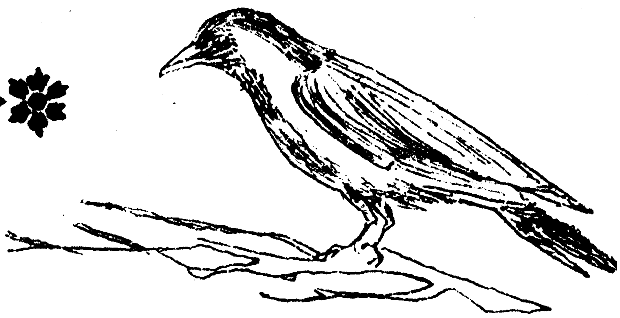

کوّا

آفتاب احمد متعلم درجۂ ششم
تعلیمی مرکز نمبر ۱ جامعہ

کوّے کو تو آپ ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کوئی شہر، قصبہ یا گاؤں ایسا نہیں جہاں یہ حضرت موجود نہ ہوں صرف ایک کلکتہ شہر میں سنا ہے کہ دس لاکھ کوّے رہتے ہیں۔ کوا دوسرے پرندوں کے برعکس ہمیشہ سے آبادی کو پسند کرتا ہے جنگل اُسے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔

یہ کبوتر سے کچھ بڑا ہوتا ہے۔ چونچ لمبی اور سخت، پر بہت مضبوط ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی آنکھ میں ایک ہی پتلی ہوتی ہے اور دونوں آنکھوں میں گھومتی رہتی ہے۔ رنگ تو خیر کالا ہوتا ہی ہے لیکن آواز بھی ایسی خراب کہ ہر شخص نفرت کرتا ہے۔ اگر اس کی آواز میں مٹھاس ہوتی تو بات کچھ بنجاتی۔ مگر کوا ان باتوں کی پروا نہیں کرتا کوئی کچھ لکھے، کوئی کچھ کہے اُسے تو اپنے کام سے کام بستی اُسے چھوٹ تک نہیں گئی۔ پو پھٹنے سے پہلے ہی وہ چیخنا چلانا شروع کر دیتا ہے۔ ہم میں سے بہت سے بھائی تو اس وقت بستر پر پڑے خرّاٹے لیتے ہوتے ہیں جب کوّے کی کائیں کائیں کی آواز ہمارے کانوں میں پڑتی ہے تو ہماری آنکھ کھلتی ہے اور ہمیں خیال ہوتا ہے کہ سویرا ہو گیا۔

پرندوں میں آدمیوں کی طرح سوجھ بوجھ تو ہوتی نہیں اس لئے اُن کے یہاں کوئی امیر ہوتا ہے نہ غریب، ہاں بھوک کی آگ سے بے چین ہو کر اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے انھیں دن بھر دوڑ دھوپ کرنی پڑتی ہے۔ صبح سے شام تک اسی فکر میں لگے رہتے ہیں شام کو سب جمع ہو کر شور و غل مچاتے ہیں پھر آرام کی نیند سو جاتے ہیں۔ دوسرے دن صبح ہوئی اور پھر وہی چکر اور شام کو پھر آرام

کوّا اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے محنت تو ضرور کرتا ہے۔ مگر اکثر اس کی محنت

ایک اچھی ماں - اپنے بچوں کو ہوا کھلانے لے جارہی ہے - یہ صحت
اور صفائی کی تمام ضروری باتیں جانتی ہے

Calcutta Art Press, Delhi.

یہ کونگرو گھونسہ بازی کا بہت بڑا ماہر ہے اس کا ایک شاگرد
اس کے سامنے لیٹا ہوا ہے

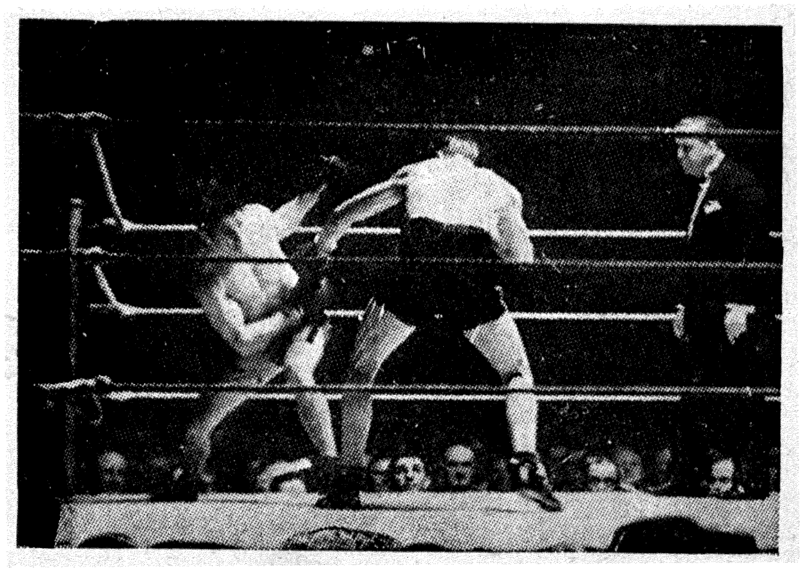

انگلستان کے دو مشہور گھونسہ باز

Calcutta Art Press, Delhi.

اپنی حد سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ وہ چوری بھی کرتا ہے ڈاکہ بھی ڈالتا ہے اور چھینا جھپٹی اور لوٹ کھسوٹ میں تو شاید ہی کوئی پرندہ اُس کی برابری کر سکے۔ ہماری آپ کی چیزوں کا تو وہ نقصان کرتا ہی ہے۔ چھوٹی چھوٹی چڑیوں کو بھی مار ڈالتا ہے۔ کسی کے انڈے ہضم کر جاتا ہے تو کسی کے بچے اُس کی خوراک بنتے ہیں۔ انسان کی کھانے پینے کی بہت کم ایسی چیزیں ہوں گی جن سے کوّے کو پرہیز ہو اور اسی پر بس نہیں بلکہ وہ اس سے بھی بہت آگے بڑھ جاتا ہے۔ روٹی۔ چاول۔ دال۔ ترکاری۔ پوری کچوری۔ بالائی۔ مٹھائی۔ پھل۔ پھول۔ گوشت مچھلی کیڑے مکوڑے۔ گبریلے۔ مرے ہوئے جانوروں کی لاشیں غرض کہاں تک گنایا جائے۔ جو کچھ سامنے آجاتا ہے سب چٹ کر جاتا ہے۔

کوّے کھیتوں کا بہت نقصان کرتے ہیں۔ مکا۔ مونگ پھلی اور کہیں کہیں دھان اور دوسری فصلوں کا بھی ناس کر دیتے ہیں۔ آم، انجیر، شہتوت اور دوسرے پھلوں پر بھی اُن کے ایسے ہی حملے ہوتے رہتے ہیں۔ کھیتوں کی حفاظت کے لئے کسان طرح طرح کی تدبیریں کرتے ہیں یہاں تک کہ کسی کوّے کو مار کر ٹانگ دیتے ہیں۔ پھر بھی ایسے ڈھیٹ چور کے مقابلے میں انھیں بہت کم کامیابی ہوتی ہے۔

آپ شاید خیال کریں کہ اس جانور سے تو سراسر نقصان ہی نقصان ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ اس سے ہمیں کچھ فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ جب کبھی ٹڈی دل کسی گاؤں یا فصل پر ٹوٹ پڑتا ہے اور کسانوں میں ہائے ہائے مچ جاتی ہے تو کوّے ان نقصان دینے والے جانوروں کی تعداد گھٹا کر کسانوں کی مصیبت کو کچھ نہ کچھ کم ضرور کر دیتے ہیں۔

کوّوں سے سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچتا ہے کہ وہ ہمارے گھروں کے آس پاس کی سڑی گلی اور خراب چیزوں، مرے ہوئے چوہوں، بلیوں اور مرے ہوئے جانوروں کی لاشوں کو اپنے پیٹ کی تیز آگ سے بھسم کر ڈالتے ہیں۔ اور اس طرح ہوا کو خراب اور زہریلا ہونے سے بچاتے ہیں۔

دیسی کوّے کے علاوہ ایک اور کوا ہوتا ہے جسے بہار میں کال یا کاگ۔ اور بعض جگہ ڈوم کہتے ہیں۔ ہم اسے بڑا کوّا کہیں گے۔ یوں تو اس کی

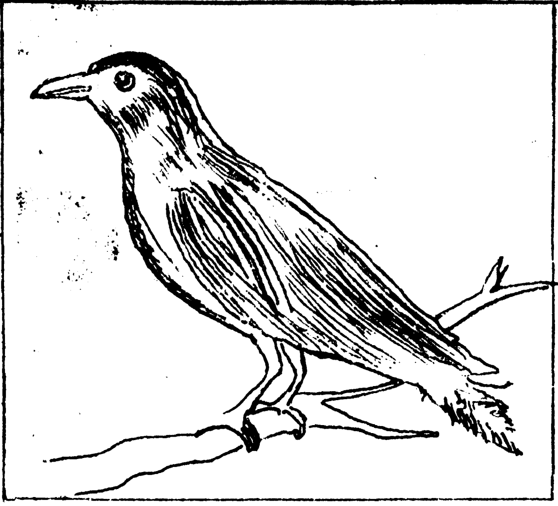

اور بھی کئی قسمیں ہیں لیکن ہمارے ہندوستان میں یہی دو قسمیں پائی جاتی ہیں۔ دکن کی طرف بڑے کوے کی چونچ اور پر، دیسی کوے سے کچھ چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور باتوں میں وہ دیسی کوے کی طرح ہوتا ہے۔ لیکن بڑا ہونے پر بھی وہ دیسی کوے کی طرح ڈھیٹ نہیں ہوتا۔ شرارت اور بدتمیزی میں تو دیسی کوا سب سے بازی لے گیا ہے۔

بڑے کووں کو معلوم نہیں چمکیلی چیزیں اس قدر کیوں پسند ہیں۔ موقع پاتے ہی انھیں لے اڑتے ہیں۔ چاندی کی چھوٹی موٹی چیزیں اکثر اس طرح غائب ہو جاتی ہیں۔ کوے انھیں کسی کام میں نہیں لاتے یا تو تھوڑی دور لے جاکر انھیں گرا دیتے ہیں یا کہیں تھوڑی مٹی کھود کر دبا دیتے ہیں۔

اوپر کہیں کووں کی شرارت کا ذکر آچکا ہے یہ تو آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ آپ کے چھوٹے چھوٹے بہن بھائی کچھ کھا پی رہے ہیں، اور کوے نے جونہی دیکھا کہ بچے کے پاس کوئی بڑا آدمی نہیں ہے جھٹ سے نیچے اترا اور جو کچھ بچے کے سامنے رکھا ہے جھپٹا مار کر اڑا لے گیا اور بچہ روتا پیٹتا رہ گیا۔ یہ تو رات دن کا تماشا ہے علاوہ اس کے چھوٹے چھوٹے پودوں کو اکھاڑ پھینکنا پھولوں کو توڑنا۔ پرندوں اور چوپایوں کا ٹھونگیں مار مار کر ناک میں دم کر دینا۔ یہ شرارت نہیں تو کیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ کوا جب کھا پی کر خوب بےفکر ہو جاتا ہے تو پھر شرارت کی سوجھتی ہے اور دل خوش کرنے کے لئے ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے۔ گائے بیلوں کی اگر زبان ہوتی تو وہ غریب بتاتے کہ یہ کمبخت کبھی کبھی انھیں کتنا دق کرتا ہے اگر قسمت کا مارا الو کہیں دن کو نکل آیا تو بیسیوں کوے مل کر اسے بری طرح مارتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ کائیں کائیں بھی کرتے جاتے ہیں۔

دیسی کوّوں میں ایکا بہت ہوتا ہے۔ اگر کوئی کوّا مرجائے تو یہ اُس کے ماتم کے لئے دور دور سے آکر جمع ہوجاتے ہیں۔ ان کی پنچایت بھی بیٹھتی ہے۔ مگر اس میں کیا بحث ہوتی ہے۔ یہ ہم نہیں بتا سکتے ہاں اتنا لوگ بتاتے ہیں کہ یہ پنچایت کسی قصوروار کو سزا دینے کے لئے بیٹھتی ہے۔ جو اپنی بُری حرکتوں سے قوم کو ذلیل کرے اُسے سخت سے سخت ڈنڈ دینا چاہئے۔ یہ کوّوں کا چلن اور قانون ہے۔ اس لئے ایسی پنچایت کے بعد قصوروار کو یا تو برادری سے خارج کردیا جاتا ہے یا مار ڈالا جاتا ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ کوّوں کے دل میں محبت نہیں ہوتی۔ کوّا اپنی بیوی اور بال بچوں سے بہت محبت کرتا ہے۔ اپنے کسی بھائی کو مصیبت میں دیکھ کر جی جان سے اُس کی مدد کو تیار ہوجاتا ہے۔

دوسرے پرندوں کی طرح کوّا بھی اپنے گھونسلے میں پورے سال نہیں رہتا جنوری فروری سے پہلے آپ ان کے گھونسلے نہ دیکھیں گے۔ ہاں بنگال میں کہیں کہیں دسمبر ہی میں اُن کے گھونسلے تیار ہوجاتے ہیں۔ بڑے کوّے کا گھونسلا بہت اونچے پیڑ پر ہوتا ہے۔

دیسی کوّا آبادی کے قریب ہی بسیرا کرتا ہے۔ یہ بھی بہت اونچی جگہ کو پسند کرتا ہے۔ نر اور مادہ دونوں گھونسلے کا سامان اکٹھا کرتے ہیں۔ لیکن گھونسلے بنانے کا کام مادہ کرتی ہے۔ دیسی کوّے کا گھونسلا اتنا اچھا نہیں ہوتا جتنا بڑے کا۔ اس کے لئے خاص طور پر ٹہنیاں اور ڈنٹھل جوڑے جاتے ہیں اور اندر گھاس یا بال کا فرش ہوتا ہے بال کبھی تو گھوڑے کی دم کے ہوتے ہیں کبھی آدمی کے سر، داڑھی یا مونچھ کے۔ گھونسلا کٹورے کی طرح گول ہوتا ہے۔ تقریباً دو دن اس کام میں لگ جاتے ہیں۔ پھر مادہ انڈا دیتی ہے۔ اس کا وقت جنوری سے مئی تک ہے۔ انڈوں کی تعداد چار پانچ تک ہوتی ہے۔ اس میں کبھی زیادتی بھی ہوسکتی ہے۔ انڈا کبوتر کے انڈے کے برابر ہوتا ہے۔ رنگ نیلا، ہرا یا فیروزی ہوتا ہے اور بہت چکیلا۔

انڈے دینے کے بعد کوّے اپنے گھونسلے میں ضرور سوتے ہیں۔ دوسری چڑیوں کے انڈے بہت دلیری سے چراتے ہیں اس لئے انھیں ڈر رہتا ہے کہ کہیں ہمارے انڈے بھی چوری نہ چلے جائیں گھونسلے کے چاروں طرف تار یا ببول کے کانٹے

لگا دیتے ہیں تاکہ کوئی انڈا نہ لے سکے۔ انڈا سیتے وقت وہ اس بات سے بھی بہت چوکنے رہتے ہیں کہ کہیں انڈے زیادہ نہ ہو جائیں۔ پھر بھی خدا کی قدرت دیکھئے کہ ایسے چالاک پرندے کو بھی دوسری چڑیاں بات کی بات میں الو بنا کر اپنا الو سیدھا کر لیتی ہیں۔ بچے نکل کر ذرا بڑے ہوتے اور اُڑنے لگتے ہیں تو کوّے بھی گھونسلوں کو سلام کرتے ہیں۔ اور پیڑ کی شاخ پر رات گذارتے ہیں۔ آپ سیکڑوں کووں کو ایک ہی باغ میں یا آس پاس کے پیڑوں پر رات گذارتے پائیں گے۔ اپنے اپنے پیڑ کی ہر ایک کو پہچان ہوتی ہے ہماری آپ کی طرح کووں کو بھی اپنے گھر یا وطن کی بہت محبت ہوتی ہے۔ شام ہوتے ہی اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتے ہیں اور تھوڑی دیر تک کائیں کائیں کرکے سو جاتے ہیں۔ علٰحدہ علٰحدہ شاخوں پر سونے کی تمام پرندوں اور کووں کو عادت ہوتی ہے۔ اس لئے جب کبھی زور شور کی ہوا آتی ہے یا اولے پڑتے ہیں تو وہاں کی زمین اُن کی لاشوں سے بھر جاتی ہے۔

پرندوں کو نہانے کا بھی شوق ہوتا ہے۔ کچھ پرندے تو ہماری طرح پانی سے نہاتے ہیں۔ کچھ دھول یا مٹی سے۔ کوّا پانی سے نہاتا ہے۔ وہ سارا جسم پانی میں نہیں ڈبوتا۔ ہاں اپنے پروں کو صاف کر لیتا ہے۔

حل معما

متعلق پیام تعلیم فروری صفحہ ۳۶

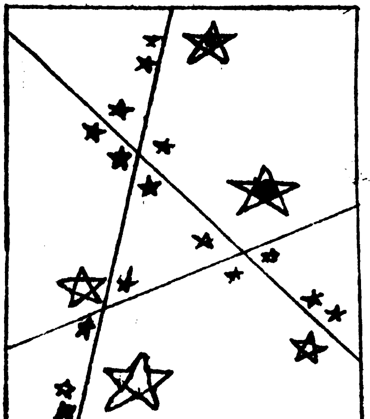

محمد رشید الدین۔ لاہور

ایک بدمعاش اور بادشاہ

(از عبدالرشید خاں (از مدراس) ہمشیر زادہ مولانا محوی صدیقی)

کسی ملک میں ایک بدمعاش تھا۔ جو لوگوں کو اپنی چالاکیوں سے بہت پریشان کرتا رہتا تھا جب لوگوں کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی تو بادشاہ نے غصہ ہو کر اس بدمعاش کو پکڑ بلایا اور سزا کا حکم دے یا۔ مگر پھر اُس کی درخواست پر اُسے ایک موقع اور عطا کیا اور وعدہ کیا کہ اگر وہ بادشاہ کی تین شرطیں پوری کر دے گا تو اس کو آزاد کر دیا جائے گا۔ "میں ہر کام کرنے کے لئے تیار ہوں، میرے بادشاہ" بدمعاش نے کہا۔ بادشاہ نے کہا "اچھا ابھی معلوم ہو جائے گا۔ جاؤ سامنے جو کسان ہل چلا رہا ہے اُس کے بیل غائب کر دو مگر شرط یہ ہے کہ اُسے خبر نہ ہو" بادشاہ کا خیال تھا کہ یہ کام اِس سے نہ ہو سکے گا اور سزا دینے کا اچھا موقع ہاتھ آ جائے گا۔

بدمعاش کھیت کی پاس والی جھاڑیوں میں گیا اور زور زور سے الاپنا شروع کیا اس کی آواز بہت اچھی تھی۔ کسان نے ہل چھوڑ دیا اور گانا سننے لگا۔ آخر ایسا مزہ آیا کہ بے خود ہو کر گانے والے کی تلاش کرنے کے لئے جھاڑیوں میں داخل ہوا بدمعاش موقع کی تاک ہی میں تھا۔ فوراً جھاڑیوں سے باہر نکل آیا اور بیلوں کی دُموں کا تھوڑا حصہ اور سینگ کاٹ لئے اور انھیں بھگا دیا جس جگہ کسان نے بیل چھوڑے تھے وہاں سینگ اور دُمیں اس طرح گاڑدیں کہ اُن کا تھوڑا حصہ زمین سے باہر دکھائی دیتا رہے۔ کسان اِدھر اُدھر تلاش کے بعد جب جھاڑیوں سے باہر نکلا تو یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ بیل غائب ہیں۔ اُن کی دُمیں اور سینگ زمین پر تھوڑے نکلے ہوئے ہیں اور باقی تمام حصہ زمین میں دھنسا ہوا ہے۔ اس نے خیال کیا کہ افسوس یا تو زمین دھنس گئی یا زلزلہ کی وجہ سے میرے بیل زمین میں دفن ہو گئے۔

اس وقت بدمعاش کسان کے سامنے آنکلا اور قصہ پوچھنے لگا۔ تمام قصہ سننے کے بعد بدمعاش بولا کہ ان کی دُم میں پکڑ کر کیوں نہیں کھینچتے۔ کسان نے دم پکڑ کر زور سے کھینچی تو وہ اُکھڑ کر اُس کے ہاتھ میں آگئی۔ بدمعاش بولا کہ اب سینگ پکڑ کر کوشش کرو کسان نے سینگ پکڑ کے کھینچے وہ بھی اس کے ہاتھ میں آگئے مگر بیل نہ نکلے۔ بدمعاش نے کہا بھائی اب صرف ایک تدبیر باقی ہے کہ پھاوڑا یا کدالی لاکر ان کو کھود و۔ کسان نے کھودا بھی مگر بیل ہوں تو نکلیں۔ کسان سمجھ گیا کہ بیل زمین کے بہت اندر دھنس گئے ہیں، بیچارا مایوس ہو کر روتا پیٹتا اپنے گھر چلا گیا بدمعاش نے آکر اپنی ساری کارگذاری بادشاہ کے حضور میں عرض کی۔ بادشاہ نے بدمعاش کی چالاکی پر بہت تعجب کیا اور دوسری مرتبہ اس سے زیادہ مشکل کام اس کے سپر کیا اور اس سے کہا کہ آج رات شاہی اصطبل میں جاؤ اور میرا خاص گھوڑا لے آؤ مگر کسی کو خبر نہ ہو۔ بدمعاش نے کہا بہت خوب۔

بادشاہ نے چپکے سے حکم دے دیا تھا کہ رات کو اصطبل میں ڈبل پہرا لگایا جائے۔ اس گھوڑے کا سائیس رات بھر اس پر سوار رہے اور ہر تین منٹ کے بعد ناس سونگھتا رہے تاکہ نیند نہ آنے پائے۔ بادشاہ نے سمجھا کہ احتیاط کافی کرلی گئی ہے اور اب کی بار بدمعاش ضرور ناکام رہے گا۔

بدمعاش پہلے تو بادشاہ کی آرام گاہ کے محافظ کے کمرے میں گیا اور اس کا لباس پہن کر رات کو اصطبل میں پہنچا۔ اپنے ساتھ عمدہ کھانے اور شراب بھی لیتا گیا۔ اصطبل کے محافظوں سے کہنے لگا کہ جس چور کا اندیشہ تھا وہ گرفتار کرلیا گیا ہے اور اس خوشی میں بادشاہ نے کھانا بھیجا ہے۔ پہرے والوں نے خیال کیا کہ یہ کوئی بادشاہ کی "آرام گاہ"(۱) کا محافظ ہے ٹھیک کہتا ہوگا۔ خوش اور مطمئن ہو کر کھانا شروع کردیا۔ بدمعاش نے کھانے میں نیند لانے والی دوا ملادی تھی جس کی وجہ سے سب کو نیند آگئی اور بے خبر سوگئے۔ شاہی گھوڑے کے سوار نے بدمعاش کو محافظ سمجھ کر گھوڑے کی باگ اس کے ہاتھ میں دے دی اور کہا کہ ذرا اسے تھام لو میں دو منٹ جھپکی لے لوں۔ وہ گھوڑے سے اُتر کر سو گیا تو بدمعاش گھوڑے کو

(۱) وہ کمرہ جہاں بادشاہ آرام کرتا ہے۔

لے اڑا۔ بادشاہ سمجھتا تھا کہ میں نے اصطبل کا اچھا خاصا انتظام کر دیا ہے پھر اس نے سوچا کہ چل کر دیکھیں کہ سب معاملہ ٹھیک ہے۔ اصطبل پہنچ کر اس نے سب کو سوتا پایا تو اس کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اسی وقت گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی اور بدمعاش مع گھوڑے کے موجود تھا۔

بادشاہ اس دفعہ بھی ناکام رہا اور نہایت غصہ ہوا پھر کہنے لگا کہ آخری شرط تم ضرور ہارو گے وہ شرط یہ ہے کہ ملکہ کی شادی کی انگوٹھی اس کے ہاتھ سے اتار لاؤ مگر اس کو خبر نہ ہو کہ کس نے اتاری ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے محل کے ہر دروازے پر ڈبل پہرے دار مقرر کر دئے اور خود ملکہ کے پاس آرام کرسی پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا کہ دیکھیں کیا ظہور میں آتا ہے۔ آدھی رات کو محل کے نیچے کسی کے چلنے کی آواز آئی پھر ایک سیڑھی کھڑکی سے لگائی گئی۔ بادشاہ خاموش سب دیکھ رہا تھا اس کا خیال تھا کہ جب اوپر چڑھ کر تو اس کو دھکا دے کر نیچے گرا دوں گا۔ غرض وہی ہوا اندھیرے میں کسی کے نیچے گرنے کی آواز آئی اور کراہنے کی بھی۔ بادشاہ نے سوچا کہ چلو خدا کا شکر ہے آج میں نے بدمعاش کا خاتمہ کر دیا اور اگر مرا نہیں تو بھی چوٹ سخت آئی ہو گی مجھے اس کے دیکھنے کے واسطے جانا چاہئے۔ وہ ملکہ سے یہ کہتا ہوا چل دیا "میں نے بدمعاش کو گرا دیا ہے اور شاید وہ مر بھی گیا ہو گا۔ میں نیچے دیکھنے جا رہا ہوں"

حقیقت میں سیڑھی پر سے گرنے اور کراہنے والا بدمعاش ہی تھا مگر وہ بڑا مکار تھا۔ اس طرح گرا کہ ذرا بھی چوٹ نہ آئی۔ جب بادشاہ نیچے آیا تو وہ محل میں کھسک گیا اور بھیس بدل سیدھا ملکہ کے پاس پہنچا۔ کہنے لگا کہ ملکہ میں نے بدمعاش کا خاتمہ کر دیا۔ اب تم انگوٹھی مجھے دے دو اور آرام سے سو جاؤ۔ ملکہ نے انگوٹھی اتار کر دے دی اور سونے کی تیاری کرنے لگی۔ اتنے میں بادشاہ واپس آیا اور کہنے لگا واقعی میں نے اس کی جان لے لی۔ ملکہ کے دل میں خودبخود کچھ شبہ سا پیدا ہوا اس نے کہا۔ مگر آپ بار بار اس بات کا ذکر کیوں کر رہے ہیں۔ بادشاہ نے تعجب سے کہا "میں تو ابھی ابھی اس کمرے میں باہر سے آیا ہوں اور ابھی ابھی تمھیں اس بات کی خبر دی ہے" ملکہ نے کہا "ابھی آپ نے انگوٹھی لیتے وقت مجھ سے

کہا تھا کہ چور کا خاتمہ کر دیا" بادشاہ نے حیران ہوکر کہا "میں نے تمہاری انگوٹھی ہرگز نہیں لی تم نے ضرور بدمعاش کو دے دی۔ میں نے آج تک ایسا چالاک آدمی نہیں دیکھا"

دوسرے دن بدمعاش نے وہ انگوٹھی بادشاہ کے سامنے لاکر پیش کردی۔ بادشاہ نے اُس کے سارے قصور معاف کردئے اور اُس کے گذارے کے لئے تھوڑی پنشن بھی مقرر کردی۔ اب بدمعاش نے بھی اپنی حرکتیں چھوڑ دیں اور مزے سے رہنے لگا۔

برف کا گھر

از جناب عثمان الرحمٰن صاحب

آج ہم آپ کے سامنے ایک ایسی جگہ کا حال بیان کرتے ہیں جو نہایت سرد ہے اور جسے اگر برف کا گھر کہیں تو غلط نہ ہوگا۔ آپ نے براعظم ایشیا کا نام تو ضرور سنا ہوگا۔ نہ سنا ہو تو اپنے ماسٹر صاحب سے پوچھ لیجئے۔ وہ آپ کو اچھی طرح سمجھادیں گے اس لئے کہ یہاں ہم نے اس کے متعلق تفصیل سے بیان کیا تو ہمارا چھوٹا سا مضمون بہت لمبا اور بے مزہ ہوجائے گا۔ ہاں مگر اتنا ہم آپ کو اور بتائے دیتے ہیں کہ دنیا میں اور بھی کئی براعظم ہیں اور ایشیا دنیا کے براعظموں میں سب سے بڑا ہے اور ہمارا ہندوستان اسی کا ایک پیارا حصہ ہے۔ اس کے شمال میں ایک ٹھنڈی ویران اور پست (نشیبی) زمین کی ایک تنگ پٹی ہے جسے ٹنڈرا کہتے ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا نہایت سرد ہے۔ جاڑوں میں یہاں برف گرتی ہے جو زمین پر ایک موٹی تہ کی صورت میں جم جاتی ہے اور کئی فٹ نیچے تک پتھر کی طرح سخت ہوجاتی ہے۔ سمندر کا بھی یہی حال ہوتا ہے سفید برف کا فرش میلوں تک بچھ جاتا ہے اور اُس پر

وہاں کے رہنے والے خوب آسانی سے چل پھر سکتے ہیں
سردیوں کا موسم وہاں نو مہینے سے زیادہ رہتا ہے
اور ایسی کڑاکے کی سردی پڑتی ہے کہ ہم یہاں سخت
سے سخت سردیوں میں بھی اس کا تصور نہیں کر سکتے
وہاں اس زمانے میں سورج بالکل نظر نہیں آتا۔ آپ
پوچھیں گے کہ پھر اس قدر لمبی رات میں لوگ کاروبار
کیسے کرتے ہیں۔ سنئے اول تو وہاں کاروبار ہی کچھ
نہیں دوسرے اس موسم میں ایک قدرتی روشنی آسمان
کے کناروں پر رہتی ہے۔ اس سے تمام ملک میں ہلکی
سی روشنی پھیل جاتی ہے۔

گرمی کا موسم بہت تھوڑے عرصے تک
رہتا ہے ان دنوں سورج بہت نیچے رہتا ہے جس
کی وجہ سے برف پگھل جاتی ہے اور تمام ملک میں دلدل
ہو جاتی ہے۔ یہاں کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں دلدل
کی وجہ سے ایک قسم کی کائی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس
کائی کو وہاں کا مشہور جانور "رین ڈیر" کھاتا ہے جو
ہمارے یہاں کے بارہ سنگھے کے مشابہ ہے۔

اس ملک کی آبادی بہت کم ہے۔ یہاں کے
رہنے والے "ساموئیڈی" کہلاتے ہیں۔ ان کی زندگی
کا دار و مدار "رین ڈیر" پر ہے۔ یہاں کے لوگ
ایک گاڑی بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہ بارہ سنگھے کی
ہڈیوں سے بنائی جاتی ہے اور اس پر اس کی کھال
منڈھی ہوتی ہے۔ اس میں پہیئے نہیں ہوتے بلکہ نیچے
دو بڑی ہڈیاں لگی ہوتی ہیں جن کے ذریعے یہ برف پر پھسلتی
ہے۔ اس میں بارہ سنگھے جوتے جاتے ہیں اور بعض جگہ
بڑے کتے اسے کھینچتے ہیں۔

یہاں کے رہنے والے "رین ڈیر" یا سیل مچھلی کا
گوشت کھاتے ہیں اور بارہ سنگھے کا دودھ پیتے ہیں۔
یہ لوگ اپنے خیمے انھیں جانوروں کی کھالوں سے
بناتے ہیں یا پھر برف سے۔ ان کے گھروں میں سیل
مچھلی کی چربی کی موم بتی جلائی جاتی ہے اور ریچھ کی
کھال رات کو لوگ اوڑھتے ہیں۔ ان باتوں کی وجہ
سے ایسے جاڑوں میں بھی ان لوگوں کو پسینہ آجاتا ہے۔

ہم اپنے ملک میں جہاں اللہ میاں کی طرف سے
ہر طرح کا آرام کا سامان میسر ہے۔ سردیوں کے زمانے
میں کانپتے رہتے ہیں۔ اگرچہ سردی کے دور کرنے
کے لئے انگیٹھی سے لے کر بجلی کا ہیٹر تک ہمارے پاس
موجود ہیں۔ بھلا سوچئے تو اگر کسی صورت سے یکایک

ہم اس برف کے گھر میں پہنچ جائیں تو کیسی آفت میں پھنس جائیں اور ہمیں اپنی زندگی گذارنا کس قدر دشوار ہو جائے۔ سچ ہے اللہ میاں نے ہر ملک کے رہنے والوں کو کچھ ایسی طبیعتیں دے دی ہیں کہ وہ اپنے ملک میں اچھی طرح آرام سے رہ سکتے ہیں خواہ وہ "ساموئیڈی" ہوں یا ہم بے چارے ہندوستانی۔

ہولی کی بہار

(از محمود علی خاں صاحب جامعی)

ہولی کا تہوار ہندوؤں میں ایسے زور شور سے منایا جاتا ہے کہ دو چار دن کے لئے ہندوستان بھر میں بڑی چہل پہل ہو جاتی ہے۔ کہیں ڈھولک بج رہی ہے۔ کہیں رنگ کھیلا جا رہا ہے اور کہیں آپس میں ہنسی مذاق ہو رہا ہے۔

ہر اچھی سے اچھی بات کے ساتھ کچھ نہ کچھ برائیاں بھی ضرور شامل ہو جاتی ہیں۔ ہولی میں بہت سی بیہودہ باتیں ہوا کرتی ہیں لیکن جیسے آم میں گٹھلی ہونے پر کوئی آم کو برا نہیں کہتا اسی طرح ان خرابیوں کی وجہ سے ہولی کو بھی برا نہیں کہہ سکتے۔ کیوں کہ ہولی کا جو اصل مقصد ہے وہ بہت اچھا ہے

ہمارے ہندوستان کے تہوار زیادہ تر فصل اور موسم کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ جب برسات ختم ہو جاتی ہے اس وقت ہمارے گھر ذرا خراب حالت میں ہوتے ہیں۔ کہیں مٹی گر پڑی ہے تو کہیں کوئی دیوار خراب ہو گئی ہے اور کچھ نہیں تو کم سے کم پانی کے چھینٹوں سے جگہ جگہ دھبے ہی پڑ گئے ہیں اس وقت دیوالی منائی جاتی ہے۔ ہر شخص مکان کی صفائی کرتا ہے۔ مرمت کرکے لپائی پتائی کراتا ہے سامان درست کرکے قرینہ سے رکھتا ہے۔ اس

لئے ساری کی ساری آبادی نئے سرے سے اُجلی اُجلی معلوم ہونے لگتی ہے۔

اسی طرح ہولی جاڑا جانے اور گرمی آنے کی نشانی ہے۔ اس وقت اناج کی فصل بالکل تیار ہوتی ہے اور کسان اپنے کھیتوں پر محنت مشقت کرکے بالکل فارغ ہوجاتے ہیں بس فصل کاٹنے کی دیر ہوتی ہے۔ یہ بے چارے ہل چلاتے چلاتے اتنے تھک جاتے ہیں کہ انھیں ذرا سے آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ قاعدہ ہے کہ آرام سے کر اور تازہ دم ہوکر جو کام کیا جاتا ہے وہ اچھی طرح ہوتا ہے۔ اس لئے فصل کاٹنے اور اناج نکالنے کا کام شروع کرنے سے پہلے یہ تھوڑا سا آرام کرلیتے ہیں اور اسی آرام کا نام ہولی ہے۔

علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ کوئی شخص ہمیشہ منہ پھلائے بیٹھا رہے اور کبھی نہ ہنسے تو دوسرں کو بھی اس کی صورت بُری معلوم ہوتی ہے اور خود اُس کی تندرستی بھی خراب ہوجاتی ہے۔ ہولی کا تہوار اسی لئے رکھا گیا ہے کہ دنیا کی ساری فکروں کو بھول جاؤ۔ سب مل کر خوب ہنسو بولو۔ جی کھول کر خوب خوشیاں مناؤ، گاؤ بجاؤ۔ ہنسی مذاق کرو لیکن بدتمیزی نہ کرو۔ ہندوؤں کے بہت بڑے اوتار مہاراج کرشن نے رنگ سے ہولی کھیل کر اس تہوار میں اور بھی رنگینی پیدا کردی۔ اب سب لوگ خوب رنگ اڑاتے ہیں۔ غریب سے غریب آدمی کو بھی حق حاصل ہے کہ امیر سے امیر پر رنگ ڈال دے اور اس کا فرض یہ ہے کہ غصہ نہ ہو بلکہ ہنس دے۔

ہولی کی ایک اور وجہ بھی ہے۔ اس سلسلے میں آئے ایک بڑا اچھا قصہ آپ کو سنائیں۔ یہ قصہ آپ ہی جیسے ایک لڑکے کی بہادری اور خدا پرستی کا ہے۔

پُرانے زمانے میں ایک راجہ تھا ہرن کشب وہ بڑا ظالم تھا اور خدا کو (توبہ توبہ) بالکل نہیں مانتا تھا۔ مثل مشہور ہے کہ فرعون کے گھر میں موسیٰ ہوتے ہیں چنانچہ اس راجہ کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا اس کا نام پرہلاد تھا۔ یہ لڑکا بڑا ہوکر اللہ میاں کو ماننے لگا۔ باپ نے جو یہ سنا تو اس پر بہت غصہ ہوا لیکن وہ بہادر اللہ کا پیارا اپنی بات سے نہ پھرا۔ جب باپ سمجھاتے سمجھاتے تھک گیا تو اس پر طرح طرح کی سختیاں شروع کردیں۔ یہاں تک کہ زہر دیا

ہاتھی کے پاؤں میں باندھ کر کھنچوایا۔ سمندر میں پھنکوایا۔ پہاڑ سے گرایا۔ دنیا کا کوئی باپ ایسے پتھر دل کا نہ ہوگا اور اپنے بیٹے پر ایسی سختیاں نہ کرے گا جیسی ہرن کشپ نے پرہلاد پر کیں۔ مگر خدا کی شان دیکھو پرہلاد کا بال بیکا نہ ہوا۔ اگر ایک طرف باپ کو شیطان ورغلا رہا تھا تو دوسری طرف بیٹے کی اللہ مدد کرتا تھا کیوں کہ اُسی کی خاطر تو یہ سب مصیبتیں جھیل رہا تھا۔ تم جانو جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے، اس لئے پرہلاد ہمیشہ زندہ سلامت رہا۔

آخر مجبور ہو کر ایک دن اس کے باپ نے حکم دیا کہ اس کو آگ میں جلادو۔ اس ڈر سے کہ آگ میں سے نکل کر بھاگ نہ جائے اپنی بہن ہولکا کو حکم دیا کہ ایسے کپڑے پہن لے جن پر آگ اثر نہ کرتی ہو اور پرہلا کو گود میں لے کر آگ میں بیٹھ جائے۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ اور آگ جلادی گئی۔ مگر کرنا خدا کا کیا ہوا کہ ہولکا تو جل کر بھسم ہوگئی اور پرہلاد ہنستا کھیلتا نکل آیا۔

یہ دیکھ کر ہرن کشپ آپے سے باہر ہوگیا اور بیٹے سے بولا ”بتا، تیرا خدا کہاں ہے؟“

پرہلاد: ”ہر جگہ ہے“

ہرن کشپ (سامنے کھمبے کی طرف اشارہ کرکے) ”کیا اس میں بھی ہے؟“

پرہلاد: ”ہاں اس میں بھی ہے۔“

ہرن کشپ نے غصہ میں آکر کھمبا توڑ ڈالا۔ کہتے ہیں کہ کھمبے میں سے ایک بڑی ہیبت ناک صورت نکلی اور ہرن کشپ کا خاتمہ کردیا۔ اس طرح حق کی فتح ہوئی اور ناحق کو نیچا دیکھنا پڑا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اسی دن کی یادگار میں ہولی جلائی جاتی ہے۔

لومڑی اور مینا (باتصویر) اس کہانی میں بچوں کی زبان کے چہار حرفی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ لومڑی اور مینا کی ملاقات لومڑی کے گھر بہت سے جانوروں کی دعوت۔ لومڑی کی مکاری۔ تیتر۔ کوا۔ مرغی بطخ وغیرہ کی دلچسپ لڑائی۔ لومڑی کا جان سے مارا جانا وغیرہ۔ تصویریں دلچسپ ہیں۔ قیمت ۳ر
پتہ۔ مکتبہ جامعہ قرولباغ دہلی

تیتری

(جناب الفت انوری سیالکوٹی)

جوش پر گلشن میں تھی فصلِ بہار
پھول اور پتوں پہ آیا تھا نکھار

پھول تھے اس میں ہزاروں رنگ کے
جس قدر بچّے تھے سارے دنگ تھے

پھول اک ننھا سا ٹہنی سے گرا
اور گرتے ہی ۔ ہوا میں اُڑ گیا

اور سب بھاگے وہ پیچھے پھول کے
پھول لینے کی خوشی میں پھول کے

آگے آگے پھول تھا ۔ پیچھے ہجوم
دوڑتے تھے اُس کی خاطر گھوم گھوم

اس قدر دوڑے کہ بچے تھک گئے
پھول کو لیکن نہ حاصل کر سکے

پھول اک پودے پہ استے میں گرا
ایک بچہ دیکھ کر آگے بڑھا

دیکھتے ہی اس کے وہ چلّا اُٹھا
اور پھر تالی بجا کر یوں کہا

پھول کی کس نے بنائی تیتری
تیتری ہے میرے بھائی تیتری

باچھو

(سید نصیر احمد صاحب مبارک منزل بلیماران دہلی)

رات کو جب سونے کا وقت آیا تو باچھو نے اپنی ماں سے کہا - اماں کوئی کہانی سناؤ - ماں بے چاری دن بھر کے کاموں سے تھک کر لیٹی تھی - باچھو سے کہا "بیٹا! میں بہت تھک گئی ہوں، کل سن لینا" باچھو بھلا کب ماننے والا تھا بہت ہی ضد کی - آخر ماں نے کہا "اچھا سناتی ہوں"

ایک شہزادہ تھا بالکل بچہ - بس اتنی عمر ہوگی جتنی تمھاری - اُسے باغ کی سیر کا بڑا شوق تھا - ایک روز پھولوں کے پودوں کے پاس بیٹھا کھیل رہا تھا - اتنے میں ایک بہت ہی خوبصورت پری ہوا میں سے اُڑتی ہوئی اس کے پاس آئی - پری کے دونوں ہاتھوں میں بہت اچھے اچھے پھول - سیب، ناشپاتی، انگور اور مٹھائیاں تھیں - شہزادہ اس خوبصورت پری کو دیکھ کر بہت خوش ہوا - اور پھل اور مٹھائی دیکھ کر اُس کے مُنہ میں پانی بھر آیا - پری نے کہا "میں تو تمھیں کئی دن سے ڈھونڈ رہی تھی تم تھے کہاں؟" شہزادہ بولا "میں تو روز صبح شام سیر کے لئے اسی باغ میں آتا ہوں" پری نے کہا "تم بہت ہی نیک بچے ہو، میں نیک بچوں کو اپنے باغ کے پھل اور اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی مٹھائی کھلایا کرتی ہوں اور انھیں اپنے باغ کی سیر بھی کراتی ہوں ......"

باچھو کی ماں تھکی ہوئی تو تھیں ہی - وہ اتنی کہانی کہنے پائی تھیں کہ آنکھوں میں نیند بھر آئی اور سو گئیں - ادھر باچھو سمجھنے لگا کہ میں شہزادہ ہوں - ایک باغ میں پھولوں کے پودوں کے پاس کھیل رہا ہوں - میرے پاس ایک پری ہوا میں سے اُڑ کر آئی ہے - اس کے ہاتھوں میں پھول پھل اور مٹھائی ہے اور وہ مجھ سے کہہ رہی ہے میں نیک بچوں کو پھل اور مٹھائی کھلایا کرتی ہوں - اور اپنے باغ کی سیر بھی کراتی ہوں ......" باچھو

بھی اسی خیال میں ڈوبا ہوا سو گیا اور خواب میں دیکھا کہ پری اس کو سونے کے چاقو سے سیب اور ناشپاتی کاٹ کاٹ کر کھلا رہی ہے اس کو سیب اور ناشپاتی کی خوشبو بہت پیاری لگی اور ان کا مزہ بہت ہی اچھا معلوم ہوا باچھو کا پیٹ سیب اور ناشپاتی ہی سے بھر گیا۔ پری نے مٹھائی باچھو کی دونوں جیبوں میں بھر دی۔ اور پھولوں کا ہار بنا کر گلے میں ڈال دیا۔ اب تو وہ بہت ہی خوش تھا۔ پری نے کہا "باچھو اگر تم اور زیادہ نیک بننے کا وعدہ کرو تو تمھیں اپنے باغ کی سیر کرا دوں۔ باچھو نے کہا: " دیکھو جھوٹ میں نہیں بولتا۔ اس سے اللہ میاں خفا ہوتے ہیں۔ ماں باپ اور بڑوں کا حکم میں مانتا ہوں۔ کسی کو ستاتا نہیں اور نہ کسی سے لڑتا ہوں۔ بہت صفائی سے رہتا ہوں۔ جی لگا کر پڑھتا ہوں۔ مدرسے میں اُستاد اور لڑکوں کو خوش رکھتا ہوں اور ان باتوں سے اللہ میاں خوش ہوتے ہیں۔ پری نے کہا میں جب ہی تو تمھارے پاس آئی ہوں۔ اچھا تم یہیں ٹھیرو میں تمھارے واسطے سواری لاتی ہوں۔ دونوں اس میں بیٹھ کر چلیں گے۔ اور میں تمھیں باغ کی سیر کرا دوں گی۔ پری یہ وعدہ کرکے چلی گئی۔ باچھو کو پری کے چلے جانے کا افسوس ہوا۔ وہ اُسے دیکھ دیکھ کر اور اُس کی میٹھی باتوں سے بہت ہی خوش تھا۔ بیٹھے بیٹھے کچھ دیر ہوگئی اور اب باچھو کو اور بھی رنج ہوا۔ وہ دل میں کہنے لگا۔ کیا اچھا ہوتا اگر میں پری کو جانے ہی نہ دیتا۔ اس سے کہتا کہ " اگر تمھیں سیر کے لئے لے جانا ہے تو مجھے اپنی گود میں لیچلو"۔ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں پری ایک سونے چاندی کی گاڑی لے کر آ پہنچی۔ اس گاڑی میں بہت ہی خوب صورت اور مضبوط چھ گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ جن کے بڑے بڑے چمکدار پر تھے۔ سفید بادلوں سے گذرتی ہوئی یہ گاڑی جب نیچے آئی تو ایسا معلوم ہوا کہ بہت تیز آندھی آرہی ہے۔ اُن کو دیکھ کر باچھو کا دل باغ باغ ہوگیا۔ پری نے کہا "معاف کرنا میاں مجھے دیر ہوگئی۔ گاڑی ذرا خراب ہوگئی تھی۔ اُسے ٹھیک کر رہی تھی"۔ پری نے باچھو کو گاڑی میں بٹھایا۔ باچھو یہ اچھی سی گاڑی اور نرم نرم گدّے دیکھ کر بہت ہی خوش ہوا۔ اتنے میں گھوڑوں نے اپنے پر پھڑپھڑائے اور ہوا میں اُڑنا شروع کیا۔ اب باچھو کو سردی معلوم ہونے لگی اور کپکپانے لگا۔ مگر پری نے اُسے اپنی گود میں لے کر کپڑوں میں چھپا لیا اور وہ خوب گرم ہوگیا۔

گاڑی اُڑتی اُڑتی چندا ماموں کے پاس پہنچی، باچھو، ماموں کو دیکھ کر ریجھ گیا اور جھک کر سلام کیا۔ بیچ میں چندا ماموں کی ماں چرخا کات رہی تھیں۔ باچھو نے ان کو بھی سلام کیا۔ بڑی بی نے باچھو کو بہت دعائیں دیں۔ بیٹا جیتے رہو! نیک بنو! علم حاصل کرو! خدا کا حکم مانو! خدا کے بندوں کی خدمت کرو اور دولت مند بنو!" گاڑی چندا ماموں کے پاس سے گذر کر تاروں میں پہنچی۔ یہ بھی جگ مگ جگ مگ کر رہے تھے۔ باچھو نے ارادہ کیا کہ تھوڑے سے توڑ کر جیب میں رکھ لے۔ پری نے کہا "ایسا نہ کرنا اللہ میاں خفا ہو جائیں گے" اب پری باچھو کو اپنے باغ میں لے گئی۔ باغ بہت ہی پیارا تھا اس کے چاروں طرف نہریں تھیں۔ نہروں کے کنارے کنارے ہری گھاس اور رنگ برنگ کے نیلے، سُرخ، سفید، آسمانی اور پیازی پھول کھلے ہوئے تھے۔ نہر میں قازیں بطخیں۔ مُرغابیاں اور دوسرے پرندے پڑے تیر رہے تھے۔ باچھو اللہ میاں کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے لگا اور اس کا دل خدا کی محبت میں ڈوب گیا اب پری اسے پھولوں کی طرف لے گئی۔ پھولوں کی قطاریں بڑی پیاری معلوم ہوتی تھیں۔ ان پر پرندے بیٹھے چہچہا رہے تھے اور خوشی میں مست تھے۔

ایک درخت سے بی مینا کی آواز آئی "باچھو! باچھو!! آؤ! آؤ!!" اس نے پری سے پوچھا "یہ کون ہے" اس نے کہا "یہ بی مینا ہیں تمھیں جانتی ہیں" باچھو نے کہا "میں تو انھیں اپنے گھر لے چلوں گا۔ ان کی آواز اور چونچ بڑی پیاری ہے" پری نے کہا "اچھی بات ہے"

آگے چل کر پھلوں کے درخت آئے۔ آچھو نے بڑے بڑے لال لال انار، سیب، ناشپاتی، امرود، وغیرہ کے درخت دیکھے یہ سب پھلوں سے لدے ہوئے کھڑے تھے۔ باچھو نے اپنے ہاتھوں سے پھل توڑ توڑ کر خوب کھائے۔ یہاں سے اور آگے پہنچے تو ایسے پیڑ آئے جن میں سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کے پھل لگے ہوئے تھے ان کو دیکھ کر باچھو کی آنکھیں چُندھیا گئیں۔ اور اُس نے اپنی جیب میں سے سب کی سب مٹھائی نکال دی اور درختوں سے توڑ توڑ کر سونے چاندی اور جواہرات کے پھلوں سے اپنی جیبیں بھر لیں اب پری باچھو کو اپنے کمرے میں لے گئی۔ باچھو نے دیکھا کہ کمرہ خوب سجا ہوا ہے۔ اس نے ایسا خوبصورت

اور شان دار کرہ کبھی کاہے کو دیکھا تھا۔ پری نے کہا: "باچھو چائے پی لو" وہ چار بسکٹ اور مکھن لائی۔ باچھو نے ایسے مزے کی چار کبھی نہیں پی تھی۔ چار کے بعد پری نے باچھو سے بہت میٹھی میٹھی باتیں کیں اور ایک خوبصورت انگوٹھی دی اور کہا جب تم سیر کرنا چاہو تو اس انگوٹھی کو اپنی ہتیلی پر رگڑنا میں آموجود ہوں گی۔ باچھو انگوٹھی پاکر بہت خوش ہوا اور اُسے اپنی مٹھی میں وبا لیا کہ کہیں گر نہ جائے .... "اب جو باچھو کی آنکھ کھلی تو سورج نکل چکا تھا گھر میں روز کا سا کام ہو رہا تھا۔ اماں باورچی خانے میں تھیں۔ بھائی ہاتھ منہ دھو رہے تھے۔ ابا جان اخبار پڑھ رہے تھے۔ اس کے ہاتھ کی ایک مٹھی اب تک بند تھی۔ اس نے کھولی تو وہ خالی تھی رات کی سیر اور پری اس کی آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی اور باچھو افسوس کر رہا تھا کہ میں کہاں سے کہاں آگیا۔

موتی وپس

یہ کتاب چھوٹے بچوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ اس میں کُتا، بلّی اور مُرغی کی کہانی نہایت سادہ اور آسان زبان میں بیان کی گئی ہے۔ اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ کوئی لفظ ایسا کہانی میں نہ آنے پائے جو چھوٹے بچوں کی سمجھ سے باہر ہو۔ انداز بیان بھی بچوں کے بالکل مناسب ہے۔ کتاب میں جگہ جگہ تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ قیمت صرف ۲؍ پوسٹیج ۱؍ یعنی ۳؍ کے ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیے یا اسی کے ساتھ مکتبہ کی کچھ اور کتابیں بھی منتخب کر لیجئے تو وی پی سے منگا لیجئے۔

مکتبہ جامعہ دہلی

پانی میں تیرتا درخت

(محمد رشید الدین صاحب لاہور)

شیشے کا ایک گلاس لو۔ گتے کا ایک ایسا گول ٹکڑا کاٹو جو گلاس کے منہ پر فٹ آجائے اور ہوا کو اندر نہ جانے دے اس گول ٹکڑے کے درمیان ایک چھوٹا سا سوراخ کر دو اور اس میں سے ایک مضبوط اور باریک دھاگا گزار دو۔ دھاگے کے ایک سرے سے لکڑی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا باہر کی طرف باندھو تاکہ رسی کو گلاس میں گرنے نہ دے۔ گلاس کو پانی سے آدھا بھر لو۔ رسی کے دوسرے سرے سے بلوط کا بیج باندھو اور اس کو گلاس میں اتنا لٹکاؤ کہ بیج پانی سے کچھ اوپر ہی رہے پانی سے نہ چھوئے۔ پھر گلاس کو کسی اندھیرے کمرے میں جہاں ہوا بہت ہی کم جاتی ہو رکھ دو۔

دو ہی دن میں بیج پھٹ جائے گا اور اس میں سے جڑیں نکل کر پانی میں پھیل جائیں گی۔ چند دن بعد ایک باریک سا تنا دوسرے سرے پر سوراخ میں سے نکل آئے گا اور چڑھنے سے یہ گتے پر پھیلتا جائے گا اور پھر اس میں پتے لگ آئیں گے۔ بس پھر تم اپنے دوستوں اور بھائی بندوں کو دکھاؤ کہ دیکھو ہم کیسے کاریگر ہیں۔

(ترجمہ)

راستہ بتاؤ

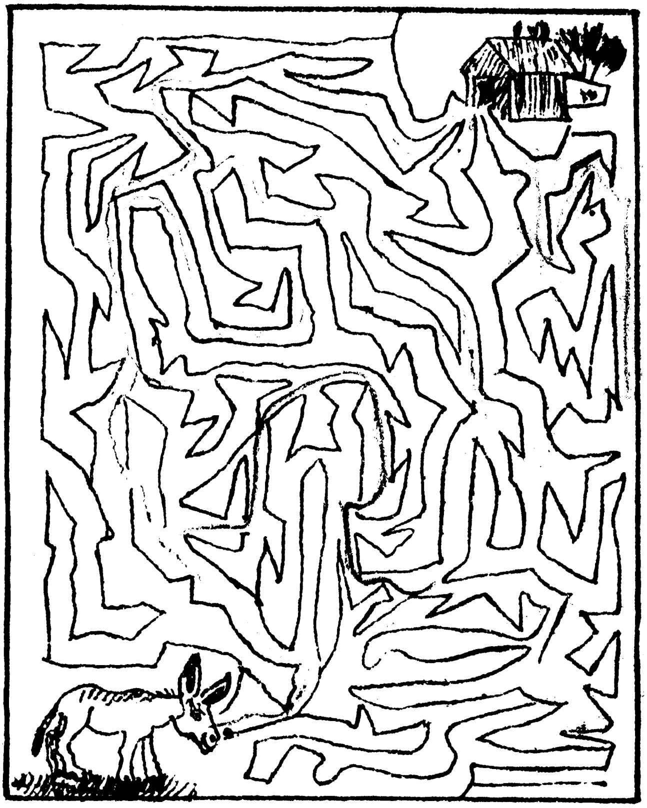

یہ گدھا راستہ بھول گیا ہے۔ تم اس کو اس کے گھر تک پہنچا دو۔

محمد رشید الدین۔ لاہور

انعامی مقابلہ

یہ تو ہو نہیں سکتا کہ گھر میں جاکر آپ ہمیشہ سیدھے سادھے اور نیک بنے رہتے ہوں۔ کبھی نہ کبھی تو کوئی شرارت سوجھتی ہوگی۔ ایسی شرارت کہ آپ کی اماں جان نے بھی ناراض ہوکر آپ کی مرمت کی ہوگی اور یہ کارروائی ایک بار نہیں بیسیوں بار عمل میں آئی ہوگی تو کیا ہرج ہی اگر آپ اپنی اماں کے ہاتھ سے مار کھانے کی سچی اور دلچسپ داستان ہمیں لکھ کر بھیج دیں۔ اس میں شرم کی کونسی بات ہی بچپن میں سبھی پر یہ گذرتی ہی۔ آپ میں سے جو صاحب سب سے زیادہ دلچسپ داستان لکھیں گے اُن کی خدمت میں ایک اچھی سی کتاب پیش کی جائے گی اور کہانی پیام تعلیم میں شائع کی جائے گی۔ مضمون اس پتہ سی بھیجیے۔

ایڈیٹر پیام تعلیم قرولباغ۔ دہلی

سید ابو طاہر داؤد

عالی جناب نواب حیدر نواز جنگ سر
اکبر حیدری
آپ پچھلے دنوں جامعہ میں تشریف
لائے تھے - اور جامعہ کے تمام شعبوں کا
معائنہ فرمایا تھا ہمارے رسالہ پیام تعلیم
کو آپ نے خاص طور پر ملاحظہ فرمایا
اور بڑی دلچسپی کا اظہار کیا

مشہور ترکی عالم ڈاکٹر بہجت وہبی آپ جناب ڈاکٹر
انصاری صاحب امیر جامعہ کی درخواست پر جامعہ
میں تشریف لائے اور اسلام کے متعلق چار
تقریریں فرمائیں -

کشمیر کے راستے میں ایک آبشار

پیامِ تعلیم

جلد ۱۶ — بابتہ ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۴ء — نمبر ۴

فہرست مضامین

۱۔ بچوں سے باتیں	ایڈیٹر	۱۰۷
۲۔ انعامی مقابلہ		۱۰۸
۳۔ چھوٹا چمو	محمد حسین حسان	۱۰۹
۴۔ چاند کو دیکھ کر	احمد اللہ صاحب شفق	۱۱۶
۵۔ چاند کی دوستی	محمود علی خاں صاحب	۱۱۸
۶۔ افریقہ کے چند جانور	محمد احمد صاحب سبزواری	۱۲۴
۷۔ تصویروں کی غلطی	محمد رشید الدین صاحب	۱۲۶
۸۔ کسان اور آدمی	ایم عبد القادر صاحب	۱۲۷
۹۔ بہادر پرتگالی	محمد عباس صاحب حسنی	۱۳۰
۱۰۔ بینڈک بنانے کا آسان طریقہ	محمد رشید الدین صاحب	۱۳۴
۱۱۔ کوئل	محمد اسمٰعیل خاں صاحب	۱۳۵
۱۲۔ منگل کا الو	سید مسعود علی صاحب	۱۴۰

زیر ادارت ـ سعید انصاری بی اے (جامعہ) محمد حسین حسان (ندوی)

پیام تعلیم کے نئے خریدار

خدا کا شکر ہے کہ پیام تعلیم اپنی نئی صورت میں بیحد پسند کیا جا رہا ہے۔ خریداروں میں برابر اضافہ ہو رہا ہے اور مختلف محکمہائے تعلیم نے بھی سرپرستی فرمانا شروع کر دی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ جلد یہ رسالہ ترقی کی اُس منزل پر پہنچ جائیگا کہ یورپ اور امریکہ کے انگریزی رسائل کی طرح یہ بھی اردو پڑھنے والے بچوں کے لئے فخر کی چیز ہوگا۔ (انشاء اللہ)

ہماری خاص امداد گذشتہ ماہ میں جناب مولوی عبدالرشید صاحب صدیقی بی اے، بی ٹی مہتمم تعلیمات ضلع محبوب نگر نے فرمائی کہ اپنے ضلع کے (۶۱) مدارس کے لئے پیام تعلیم جاری کرایا۔ ہم آپ کے دل سے شکرگذار ہیں کہ آپ نے اس رسالہ کو اپنی توجہ اور عنایت کے لائق سمجھا۔

ذیل میں ماہ مارچ سنہ ۳۶ء کے نئے خریداروں کے نام شکریے کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں:۔

جناب صدر مہتمم صاحب تعلیمات بلدہ ۴ خریدار
" مہتمم صاحب تعلیمات ضلع محبوب نگر ۶۱ "
" سید صدرالدین ملکی گیا
" انشاء اللہ خانصاحب نینی تال
" سعید الظفر صاحب بکان پور
" مختار محمود خانم صاحبہ ۔ لاہور
" سکرٹری صاحب کامن روم ۔ پٹنہ
" ماسٹر زین العابدین صاحب ۔ بنارس
" سید شاہ ریاض الرحمٰن صاحب بہار شریف

جناب کے ایس ۔ ایس ایم رشید صاحب ۔ بانکی پور
" ایس علی اکبر صاحب ۔ پٹنہ
" مستری امام الدین صاحب ۔ مصوری
" راج ہنس بہادر صاحب ۔ دہلی
" رگھو نندن سرن صاحب ۔ "
" محمد معین الدین صاحب انصاری ۔ گلبرگہ
" ایم زبیر احمد صاحب ۔ خضر سرائے
" سعیدہ خانم صاحبہ ۔ کلکتہ

بچوں سے باتیں

پچھلے دنوں ریاست حیدر آباد دکن کے وزیر مالیات عالی جناب نواب حیدر نواز جنگ سر اکبر حیدری دہلی تشریف لائے تھے۔ ۱۰ر مارچ کی شام کو ہماری جامعہ نے آپ کے اعزاز میں ایک دعوت کی تھی۔ جناب نواب صاحب نے جامعہ کی اکثر چیزوں کا معائنہ کیا اور اپنا اطمینان اور پسندیدگی ظاہر فرمائی۔ دعوت کے موقع پر جامعہ کے ایک بچے نے آپ کے گلے میں سنہرا ہار پہنایا۔ ایک دوسرے طالبعلم نے جامعہ کی چھپی ہوئی کتابیں پیش کیں۔ پیام تعلیم کے منیجر صاحب نے پیام تعلیم کا ایک پرچہ بھی نواب صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ اور تمھیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ جناب نواب صاحب نے پرچے کو بڑی توجہ سے دیکھا اور بہت دیر تک اپنی دلچسپی کا اظہار فرماتے رہے۔

دعوت میں دہلی اور دہلی سے باہر کے بہت سے معزز حضرات شریک تھے۔

جن بچوں نے مارچ کے انعامی مقابلے کے مضمون اب تک نہیں بھیجے ہیں انھیں چاہئے کہ ۲۰ر اپریل تک ضرور روانہ کر دیں۔ یہ مقابلہ ایسا دلچسپ ہے کہ یقیناً سب ہی بچوں کو اس میں شریک ہونا چاہئے۔ احتیاطاً مقابلہ کا عنوان دوبارہ درج کیا جا رہا ہے:- اپنی کسی شرارت پر اپنی والدہ کے ہاتھ سے مار کھانے کی دلچسپ داستان لکھئے۔

امید ہے کہ اس مقابلے میں بہت سے بچے شریک ہوں گے۔ اور یہ بچوں ہی پر کیا منحصر ہے ہماری درخواست تو بعض ایسے بڑوں سے بھی ہے جنھیں سزا پانے کے اس قسم کے تجربات ہو چکے ہیں۔ ہم انھیں مقابلے میں شریک نہ کریں گے اور نہ نام شائع کریں گے مگر درخواست یہ ضرور کرتے ہیں کہ وہ پیام تعلیم پڑھنے والے بچوں کو اپنی اس سچی آپ بیتی کے پڑھنے کا موقع دیں گے۔

انعامی مقابلہ

پچھلی عید تم نے خوب ہنس کھیل کر گزاری اور یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس دن کی دلچسپیوں کا لطف تمھارے ساتھ ہم اور دوسرے بھی اٹھائیں۔ یعنی یہ کہ عید کا پورا دن۔ صبح سے شام تک جس طرح تم نے گزارا ہو اُسے دلچسپ انداز میں لکھ کر ہمارے پاس بھیج دو۔ تم میں جس کا مضمون سب سے اچھا ہوگا اسے پیامِ تعلیم کی طرف سے ایک عمدہ کتاب انعام میں دی جائے گی۔ اس مضمون میں یہ بات بھی بتاؤ کہ عید کا تہوار تمھیں کیوں پسند ہے۔ اور چھوٹی عید (عید الفطر) اور بقر عید (عید الضحیٰ) میں سے تم کس کو زیادہ پسند کرتے ہو۔

مضامین ایڈیٹر پیامِ تعلیم کے پتہ پر آنے چاہئیں

چھوٹا چمّو

(محمد حسین حسان)

چھوٹا چمو ایک ننھا منا چوہے کا بچہ، اپنی ماں اور بہن بھائیوں کے ساتھ بی جمیلہ کے باغ میں ایک بل میں رہتا تھا، آپ ماشاءاللہ چنچل اور ہنسوڑ جی بھر کے واقع ہوئے تھے، دن تو بہن بھائیوں کے ساتھ کھیل کود اور ہنسی مذاق میں گذر جاتا، مگر رات کو انھیں اپنے بل میں ایک منٹ کے لئے بھی ٹھیرنا دو بھر ہوتا، بس ان کا دلچسپ مشغلہ یہ تھا کہ رات ہوتے ہی چپکے سے اکیلے ہی کھسک جائیں باغ میں، چاندنی کا لطف اُٹھائیں، اور اچھلتے کودتے بی جمیلہ کے کمرے میں پہنچ جائیں، یہاں اُن کے دوست میاں ممّو رہتے تھے۔

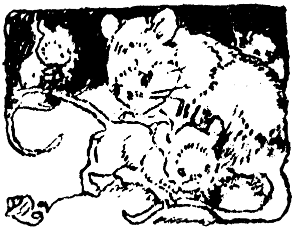

چمو سے ان کی بڑی گاڑھی دوستی تھی، دونوں خوب کھیلتے کودتے اور طرح طرح کی شرارتیں کرتے مگر چموں کی ماں بڑی فکر پیدا ہوگئی اس نے ایک دن چمو سے کہا۔

"میرے لال! رات کو گھر سے نہ نکلا کر، نگوڑا اُلو اسی باغ میں رہتا ہے، کہیں اس کی نظر پڑ گئی تو جھپٹا مار کرے اُڑے گا، اور تجھے ہڑپ کر جائے گا۔

چمّو۔ اونھ، وہ بھلا مجھے پکڑ سکتا ہے اماں

ماں۔ (ذرا تیز ہوکر) "ہاں بیٹا یہ باتیں تمھیں اس لئے سوجھ رہی ہیں کہ چھوٹے اور ناسمجھ ہو، لیکن

میں جانتی ہوں کہ چھوٹے بچوں کے لئے کیا بات مفید ہے۔ خبردار آج سے رات کے وقت گھر سے باہر قدم نہ نکالنا"

مگر تم جانو۔ چمو جیسا ہنسوڑ تھا ویسا ہی نٹ کھٹ بھی تھا، وہ اسی روز رات کو جونہی ماں کی پیٹھ دوسری طرف کو مڑی جھپاکے سے بل سے نکل یہ جا وہ جا سیدھا جمیلہ کے کمرے میں پہنچ کر دم لیا۔ وہاں

میاں ممو تو بس راستہ ہی تک رہے تھے، دیکھتے ہی نہال نہال ہوگئے چیخ کر بولے، بھیا چمو بڑے وقت پر آئے۔ بس میں کھانا کھانے جا ہی رہا تھا، اُدھر میاں چمو تو گویا ہاتھ دھو کر آئے تھے، فوراً کھانے کے لئے تیار ہوگئے۔ دونوں دوست بی جمیلہ کے کھلونوں کی الماری کی طرف گئے۔ یہاں ممو نے روٹی، بسکٹ اور دوسری چیزوں کے ٹکڑے جمع کر رکھے تھے، دونوں نے خوب مزے لے کر کھائے۔ کھا پی کر فارغ ہوئے تو چمو نے الماری کی طرف دیکھ کر پوچھا "کیوں میاں اس کے اندر کیا رکھا ہے"

ممو۔ کچھ نہیں، بی جمیلہ کی گڑیاں، گڈے اور کھلونے ہیں، اچھا اب چلو میں تمھیں اپنے بل میں لے چلوں، وہاں ذرا اطمینان سے بات چیت ہوگی، یہ جگہ اطمینان کی نہیں، کیا معلوم خالہ بلی ادھر ادھر پھر رہی ہوں۔

چمو۔ آہاہا، بل میں ہمیں کون ستا سکتا ہے۔

چمو اب مذاقیہ گیت گانے اور دلچسپ کہانیاں سُنانے لگا۔ یہاں، یہاں تک کہ خود ہی زور سے ہنس پڑا، مگر وہ اپنے جی ہی جی میں کہنے لگا۔ میں اس الماری کے اندر کی چیزیں ضرور دیکھوں گا، خالہ بلی آجائیں گی تو میرا کیا کریں گی۔

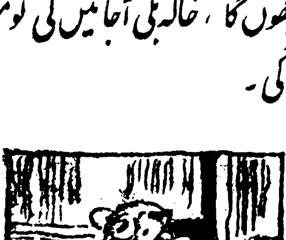

جب گھر جانے کا وقت آیا تو ممو نے خیال
کیا کہ اب وہ گھر ہی جائے گا ، مگر یہ حضرت کچھ دور
تو گئے پھر چالاکی کے ساتھ پیچھے لوٹ آئے اور سیدھے
وہیں الماری تک پہنچ ، غڑاپ سے الماری کے اندر

پہلے تو آپ نے جمیلہ کی گڑیوں کے ساتھ
خوب دلچسپی لی ، ان کے ساتھ جی بھر کے شرارت
کی ، آخر جمیلہ کی گڑیاں اور دوسرے کھلونے
ایسے گڑبڑ ہوگئے اور اِدھر اُدھر پھیل گئے ، کہ
معلوم ہوتا تھا گویا ابھی ان میں بڑی سخت لڑائی
ہوئی ہے ۔ گڑیوں سے جی بھر گیا تو آپ ٹوکری

کی طرف مڑے اور اپنی ننھی منھی اکڑی ہوئی ناک
اس میں ڈال دی ، ٹوکری میں تسبیح کے کچھ کالے
کالے دانے بھی پڑے ہوئے تھے ، آپ سمجھے
کوئی مزے دار چیز ہوگی ، دو تین دانے نگل گئے
مگر وہ کوئی کھانے کی چیز تو تھی نہیں اس لئے کچھ
سستی سی معلوم ہونے لگی ، اور جی اندر ہی

اندر بیٹھنے لگا ، ویسے بھی بے چارا اکیلا تھا ، اور
کھیلتے کھیلتے اکتا گیا تھا ۔ اور وہ تو خیر جانور ہے
ہم تم بھی یوں ہی دیر تک کھیلتے رہیں تو آخر طبیعت
اُکتا جاتی ہے ۔

میاں چمو کچھ پریشان سے تھے اور کمرے
میں اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے ، کہ ایکا ایکی ان کی نظر
ایک چوہے پر پڑی جو الماری کے سامنے پڑا سو
رہا تھا ، چمو کو بڑی خوشی ہوئی جیسے کوئی کھوئی چیز
مل گئی بڑی شان سے جگانے لگے ۔ " اجی حضرت
اُٹھئے آیئے ہم آپ مل کر کھیلیں " ۔ یہی نہیں آگے کی
دونوں ٹانگیں کس کر اُس کے جمائیں کہ فوراً جاگ
جائے ۔ اور وہ جاگ اٹھا ـــــــ مگر

سچ مچ کا چوہا تو تھا نہیں، وہ تو ہمارے تمہارے

جیسے آدمیوں کے ہاتھ کا بنایا ہوا کھلونا تھا جس
میں گھڑی کی سی کمانی یا اسپرنگ لگی ہوئی تھی، اور
اس میں چابی بھری ہوئی تھی، جمیلہ کی گڑیوں اور
دوسرے کھلونوں کے ساتھ یہ بھی رکھا ہوا تھا،
اور خود چمو ہی نے بے خبری میں اسے زمین پر گرادیا

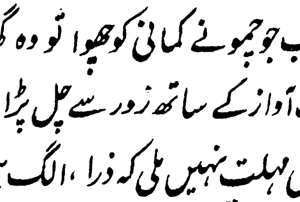

تھا، اب جو چمو نے کمانی کو چھوا تو وہ گھر گھر کی
سخت آواز کے ساتھ زور سے چل پڑا، چمو کو
اتنی بھی مہلت نہیں ملی کہ ذرا، الگ ہی ہو جاتے
بس اُسی کے ساتھ
لٹکے رہ گئے، اب
اس نے چکر لگانے

شروع کئے، چکر پہ چکر، چکر پہ چکر، آخر خدا خدا
کرکے چابی ختم ہوئی اور ایک جھٹکے کے ساتھ،
چوہے نے قلابازی کھائی، اور پیٹھ کے بل گر پڑا
سر نیچے ٹانگیں اوپر، چمو ننھے سے تو تھے ہی اس
جھٹکے کو بھی نہ سہار سکے، الماری کے پاس جاکر
گرے اور الماری کے کونے سے سر ٹکرا گیا، ادھر

چوہے کے پہیے برابر گھوم رہے تھے، میاں چمو
لیٹے ہی لیٹے اپنے انوکھے ساتھی کو دیکھ رہے تھے
ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ زندہ ہے یا مرا ہوا (مردہ)
مگر دل پر ایسا ڈر چھا گیا تھا اور ایسے سہمے ہوئے
تھے کہ اٹھنے کی
ہمت نہیں ہوتی
تھی اتنے میں اس
گھر گھراہٹ کی آواز
سے چھوٹی جمیلہ کی
آنکھ کھل گئی،

جو پاس ہی ایک کمرے میں سو رہی تھی ، دوڑی دوڑی اس کے کمرے میں آئی ، اور بتّی جلا کر دیکھنے لگی ۔ بے چارا چمو ایسا سہما ہوا تھا کہ اس نے اب بھی بھاگنے کی کوشش نہیں کی یہاں تک کہ جب وہ جمیلہ کی نرم نرم انگلیوں کے جال میں پھنس گیا ، تب اس نے جانا کہ واقعی میں پکڑا گیا ، اور ڈر کے مارے زور زور سے چیں چیں کرنے لگا ، وہ بہت ہی سہما ہوا تھا ، مگر

پیاری جمیلہ نے ، اُسے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی ، بلکہ اپنا منہ اس کے پاس لے جا کر کہنے لگی ۔ "آہا کیسا ننھا منھا چوہا ہے ، ارے تو چیخ کیوں رہا ہے ، میں تجھے کوئی تکلیف تھوڑا پہنچا رہی ہوں "

غریب چمو اس کا جواب کیا دیتا اس نے کچھ اس بے چارگی سے جمیلہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور اس کی صورت کچھ ایسی اداس اور غمگین تھی کہ

کہ رحم دل جمیلہ نے بے اختیار اُسے چومنے اور تھپکنے لگی اور کہنے لگی :- آج سے تو میرے پاس رہے گا ، میرے پاس ایک بڑا اچھا سا پنجرہ ہے بس اب وہ تیرا گھر بنے گا ، پہلے بھائی جان اس میں کوئی اور اچھا سا گلہری کی طرح کا جانور رکھتے تھے ، مگر اب وہ تیرے کام آئے گا اور تو اس میں مزے سے سویا کرے گا ، اچھا میری آنکھوں

میں نیند بھری ہے ، اب میں سونے جاتی ہوں "

جمیلہ نے چمو کو پنجرے میں ٹھونس دیا اور سونے چلی گئی ۔

—— بے چارا چمو کچھ دیر پہلے کس قدر خوش تھا اور اب

اب وہ سہما ہوا قیدی ہے ، اُف وہ کیسی ڈراونی رات اس نے

گذاری ، اس مصیبت سے چھٹکارا پانے اور اپنی آزادی دوبارہ حاصل کرنے کی امید میں وہ رات بھر اپنے چاروں طرف کی سلاخوں کو کترتا رہا ، یہاں تک کہ تھک کر چور ہوگیا اور پنجرے کے ایک طرف جاکر لیٹ گیا۔

دوسرے دن تڑکے سے جمیلہ نے اُٹھ کر جموکو دیکھا وہ بہت کم زور اور بیمار معلوم ہوتا تھا کچھ کھاتا پیتا بھی نہ تھا ، غرض اس کی حالت بہت رحم کے قابل تھی۔ جمیلہ کو فکر ہوئی کہ اب کیا کیا جائے اس نے سوچا لاؤ لالہ جگناتھ کے پاس جاؤں وہ کوئی دوا ضرور بتا دیں گے ، اس نے پنجرا اُٹھایا

دوڑی ہوئی لالہ جی کے پاس پہنچی ، لالہ جی بے چارے بوڑھے آدمی تھے ، خود بھی جانور پالنے کے شوقین ، انھیں جمیلہ سے بہت محبت تھی ، اس نے جب سارا حال بتایا تو انھوں نے پنجرہ اس کے ہاتھ سے لے کر دیکھا اور تعجب سے بولے ارے یہ تو جنگلی چوہا ہے ، بیٹی اگر تم اسے زندہ دیکھنا چاہتی ہو ، تو فوراً چھوڑ دو یہ بالکل ٹھیک ہو جائے

گا جنگلی چوہے پنجرے میں زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہ سکتے۔

جمیلہ کو بالکل امید نہیں تھی کہ لالہ جی ایسی دوا بتائیں گے ، اس لئے اسے بڑا قلق اور افسوس ہوا ، مگر اسے یہ بھی یقین تھا کہ لالہ جی ہمیشہ سچی بات کہتے ہیں پھر اسی وقت پنجرا باغ میں لے گئی ، میاں جمو کو آخری سلام کیا اور پنجرے کا دروازہ کھول دیا اور ان کے بھاگنے کا تماشہ دیکھنے لگی۔

میاں جمو تو موت کے خواب دیکھ رہے تھے ، انھوں نے جو دیکھا کہ ایکا ایکی قید خانے کا

دروازہ کھلا تو پوری تیزی سے اپنے بل کی طرف بھاگے، اور ماں، بہنوں اور بھائیوں سے جاکر لپٹ ہی تو گئے، سچ ہے، جان بچی اور لاکھوں پائے۔

وہ اس وقت کتنا خوش تھا گویا مر کے پھر زندہ ہوا۔ اس کی ماں اور بہن بھائی، اُس سے دوبارہ مل کر کیسے باغ باغ ہو رہے تھے انھیں ڈر تھا کہ کہیں الو نے ان پر ہاتھ صاف نہ

کردیا ہو اور کیسی مصیبت کی داستان تھی جو اُسے اپنے بہن بھائیوں سے بیان کرنا تھی

چمو بہت جلد پھر وہی ننھا منا بے چُل اور شریر چوہا بن گیا، مگر وہ اس مصیبت کو کبھی نہیں بھولا جس میں وہ خود اپنی حماقت سے پڑ گیا تھا،

اسی طرح ممو کی سخت خفگی کو کیونکہ دوسرے دن جب وہ باغ میں چائے پینے آیا اور یہ قصہ سنا تو چمو پر بہت ناراض ہوا

اب اس کے ہمیشہ کے لئے کان ہوگئے اور اس نے طے کرلیا کہ چاہے کتنا ہی خوش ہو مگر ہمیشہ کرے گا وہی جو اس سے کہا جائے گا۔ اس لئے کہ مصیبت سے بچے رہنے اور زندگی کو اچھی طرح بغیر کسی خطرے کے گذارنے کی یہی سب سے اچھی صورت ہے۔

(از محمد اصغر دریم)

چاند کو دیکھ کر

(احمد اللہ خاں شفق - تلمیذ حضرت محوی لکھنوی)

کتنا عمدہ کتنا اچھا　　بامِ فلک[۱] پر دیکھو نکلا
کتنا سہانا کتنا پیارا
گورا گورا گول کٹورا

چاندی کا گولا اس کو کہیے　　گھنٹوں پہروں دیکھتے رہیے
سب کی زینت سب کا دلارا
گورا گورا گول کٹورا

بزم[۲] جہاں کا گوشا گوشا　　نور سے اس کے چمکا دمکا
سب سے پیارا ہے یہ ستارا
گورا گورا گول کٹورا

کھیت میں جتنے خوشے ہوں گے　　خوشوں میں جو دانے ہوں گے
دے گا انھیں بڑھنے کا سہارا
گورا گورا گول کٹورا

ڈانڈا اس نے فلک پر گاڑا　　ٹھاٹھ جہاں میں اپنا جمایا
رین کا ہی سندر بنجارا
گورا گورا گول کٹورا

روشنی اس کی دل کو بھلائے　　چاندنی اس کی سب کو سہائے
کئے ہے سارا جگ اجیارا
گورا گورا گول کٹورا

---

۱ آسماں　۲ دنیا

چاند کی دوستی

(از محمود علی خاں صاحب جامعی)

سورج کی دوستی کا حال تو آپ پچھلے پرچے میں پڑھ چکے، اب ذرا چاند کی دوستی کا حال سنئے ؛

سورج کو لوگ دن کا بادشاہ کہتے ہیں، اور چاند کو رات کی ملکہ، سورج کا رعب اور جلال اور چاند کی خوب صورتی اور آب وتاب دیکھتے ہوئے یہ لقب بالکل صحیح معلوم ہوتے ہیں

ظاہر میں چاند سورج اور ستارے سب کے سب ہمیں ایک ہی فاصلے پر دکھائی دیتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب آسمان میں اسی طرح ٹکے ہیں جیسے عورتیں اپنے دوپٹے میں ستارے ٹانک لیتی ہیں، ان میں سے ستارے تو ہمیں ضرور چھوٹے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں لیکن چاند اور سورج میں بس چھوٹے بڑے بھائی کا فرق معلوم ہوتا ہے۔

لیکن اصل میں ایسا نہیں ہے، ستاروں کا حال تو ہم آیندہ لکھیں گے، اس وقت صرف چاند اور سورج کا کچھ حال لکھنا ہے۔ سورج ہماری دنیا سے بہت بڑا ہے، اور چاند ہماری دنیا سے بہت چھوٹا، یعنی یوں سمجھئے کہ پچاس چاند ملیں جب کہیں ہماری دنیا بنے۔ دس لاکھ "دنیائیں" ملیں جب کہیں سورج بنے، یعنی ضرب دینے سے یہ معلوم ہوا کہ سورج پانچ کرور چاندوں کے برابر ہے۔

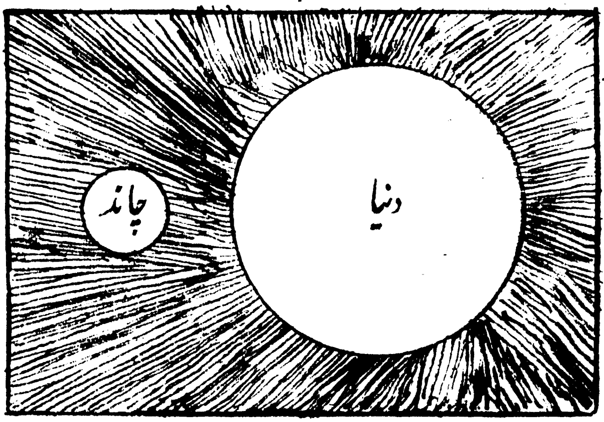

اچھا ایک اور طریقہ سے سمجھائیں، یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ سورج، چاند اور دنیا سب نارنگی کی طرح گول ہیں، اب آپ ایک نارنگی لیجئے، اور لوہے کی ایک سلاخ اس کے بیچوں بیچ میں سے آرپار نکال دیجئے تو ایک سوراخ بن جائے گا۔ فرض کیجئے ایسی ہی ایک سلاخ چاند، دنیا اور سورج تینوں کے آرپار لگی گئی، اور ایک سرنگ سا بن گیا

اب اس سرنگ کے ایک کنارے سے ریل چھوڑی چھوڑی جائے، ریلیں عام طور پر زیادہ سے زیادہ ۵۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہیں، اس ریل کو آپ سب سے تیز یعنی ۵۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلائیے، یہ ریل چاند کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے، دو دن رات میں اور دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے سات دن رات میں نکل جائے گی، لیکن سورج کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچنے کے لئے قریب قریب دو برس لگیں گے۔

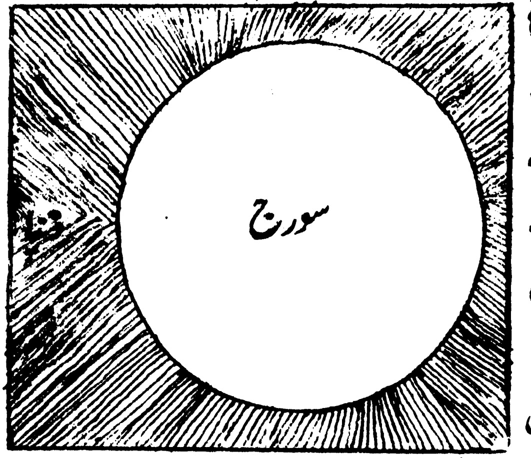

اچھا اب ان میں بیچوں بیچ سرنگ نہ کھودئیے، بلکہ جیسے آج کل لوگ دنیا کے چاروں طرف موٹر یا سائیکل پر چکر لگاتے ہیں، اسی طرح آپ بھی اس ریل میں بیٹھ کر چلئے، اگر یہ ریل کہیں نہ ٹھہرے اور ایک ہی رفتار سے چلتی چلی جائے تو چاند کے چاروں طرف چھ دن میں چکر لگائے گی، اور دنیا کے چاروں طرف تین ہفتے میں، لیکن سورج کے چاروں طرف چکر لگانے میں چھ برس لگیں گے۔

سورج، چاند اور دنیا کا قد اور جسم تو آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا، اب ذرا یہ دیکھئے کہ یہ ہم سے کتنی دور ہیں۔

آئیے اس پچاس میل فی گھنٹہ والی ریل پر بیٹھ کر پہلے چاند کا سفر کریں، بتائیے کتنے دنوں میں وہاں پہنچیں گے؟ قریب قریب سات مہینے میں! اور اگر سورج کا سفر کریں تو پورے ۲۱۰ برس میں وہاں پہنچ سکیں گے،

یا یوں سمجھئے کہ اگر ہم اور آپ پتنگ کے پیچ لڑائیں ہم دنیا میں کھڑے ہوں اور آپ چاند میں تو سوا لاکھ میل لمبی ڈور ہمارے پاس ہو، اور سوا لاکھ میل لمبی آپ کے پاس جب کہیں بیچوں بیچ میں پہنچیں گے، لیکن اگر آپ کہیں سورج میں جا کھڑے ہوں تو پھر ساڑھے چار چار کرور میل لمبی ڈور جب تک دونوں کے پاس نہ ہو کام نہ چلے گا

دیکھا آپ نے سورج چاند اور دنیا کتنے فاصلے پر ہیں، اور کتنے کتنے بڑے۔

بدر اور ہلال

جس طرح ہماری دنیا سورج کا ٹکڑا ہے

اسی طرح چاند ہماری دنیا کا ایک حصہ ہے جس طرح ہماری دنیا سورج کے چاروں طرف گھومتی ہے اسی طرح چاند ہماری دنیا کے چاروں طرف گھومتا ہے۔

چاند کی روشنی ایسی ٹھنڈی اور اتنی پیاری ہے کہ بچے اسے دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں، اور پیار میں اسے چندا ماموں کہتے ہیں، لیکن انھیں یہ کیا معلوم کہ چاند میں بالکل روشنی نہیں ہے، دراصل یہ تو سورج کی روشنی ہے، اس کا عکس چاند پر پڑتا ہے، اور چاند چمکنے لگتا ہے۔ جیسے آپ کسی آئینے کے سامنے ایک چراغ جلا کر رکھ دیں تو آئینے میں روشنی پیدا ہو جائے گی۔ مگر کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آئینہ میں روشنی ہوتی ہے، ہرگز نہیں، وہ تو چراغ کی روشنی ہے چراغ اگر ہٹ جائے تو روشنی غائب ہو جائے گی۔

چاند ہماری دنیا کے چاروں طرف گھومتا ہے، اور اپنا چکر قریب ۲۸ دن میں پورا کرتا ہے،

جس زمانے میں وہ ہماری دنیا کے ایک طرف

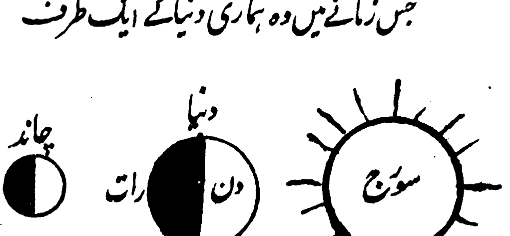

ہوتا ہے، اور سورج دوسری طرف تو دن میں وہ ہمارے پیٹھ پیچھے پڑ جاتا ہے اور بالکل دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن رات میں وہ پوری روٹی کی طرح گول نظر آتا ہے،

پھر جیسے جیسے وہ ہماری دنیا کے چاروں طرف چکر کاٹنے کے لئے سرکتا جاتا ہے اس کا وہ سامنے والا حصہ جو سورج کی روشنی سے چمکتا ہے، ہم سے تھوڑا تھوڑا چھپتا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمیں چاند گھٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت میں وہ ایسی جگہ پہنچ جاتا ہے جہاں پر اس کے چمکدار حصہ کی صرف ایک خربوزے کی سی پھانک نظر آتی ہے، مثلاً ایک چراغ جلا کر ایک آئینہ اس کے سامنے رکھئے، اور آئینے کے بالکل سامنے کھڑے ہو کر دیکھئے تو پورا آئینہ چمکتا ہوا نظر آئے گا لیکن اگر آپ آئینے کی بغل میں کھڑے ہو کر دیکھیں تو پورا آئینہ چمکتا ہوا نہیں دکھائی دے گا، بلکہ روشنی کی صرف ایک لکیر سی نظر آئے گی

اس کے بعد ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ چاند ہماری دنیا اور سورج کے درمیان ہوتا ہے۔ اس وقت رات میں چاند کی طرف سے ہماری پیٹھ ہوتی ہے، اس لئے بالکل دکھائی نہیں دیتا، اور دن میں اس کے روشن حصے کی ہماری طرف سے پیٹھ ہوتی ہے، پھر ہلال دکھائی

کیسے دے ، یہاں تک چلتے چلتے وہ پھر ہماری دنیا کے

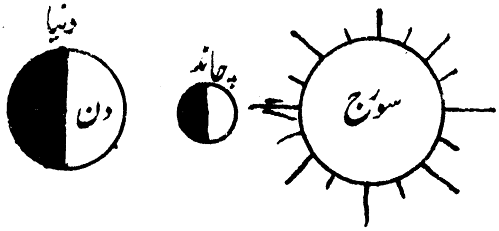

ایک طرف سے خربوزے کی پھانک کی طرح ظاہر ہوتا ہے ۔اور لوگ کہتے ہیں "چاند ہو گیا ، چاند ہو گیا" خاص کر رمضان میں آخری روزے کو تو سب ہی بڑے شوق سے نیا چاند دیکھتے ہیں ، اور اگر چاند ہو جاتا ہے ، تو بچے خوب اچھلتے کودتے ہیں ، اور خوشیاں مناتے ہیں کہ کل عید ہے

گہن

یہ تو ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ چاند ہماری دنیا کے چاروں طرف گھومتا ہے ۔ اس لئے تھوڑا تھوڑا اپنی جگہ سے سرکتا رہتا ہے ۔ ساتھ ہی دنیا مع اس چاند کے سورج کے چاروں طرف گھومتی رہتی ہے ۔ اس لئے وہ بھی تھوڑا تھوڑا اپنی جگہ سے ہٹتی رہتی ہے ، یہی وجہ ہے کہ ایسا بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ سورج ، چاند اور دنیا ایک سیدھ میں آجائیں ، اور جب کبھی ایسا ہوتا ہے تو پھر سورج یا چاند گہن پڑتا ہے ۔

پرانے زمانے میں لوگ گہن سے بہت ڈرتے تھے ، عورتیں طرح طرح کے قصے بیان کیا کرتی تھیں ۔ کوئی کہتی سورج یا چاند پہاڑ کے نیچے دب جاتے ہیں کوئی کہتی اللہ میاں کی طرف سے ان پر مصیبت آتی ہے لیکن ، واقعہ یہ ہے کہ یہ سارے قصے غلط ہیں ، اصل بات یہ ہے کہ جب سورج اور دنیا کے بیچ میں چاند آجاتا ہے ، تو وہ سورج کو ہم سے ڈھانک لیتا ہے اور باوجود دن ہونے کے سورج ہم کو دکھائی نہیں دیتا ۔

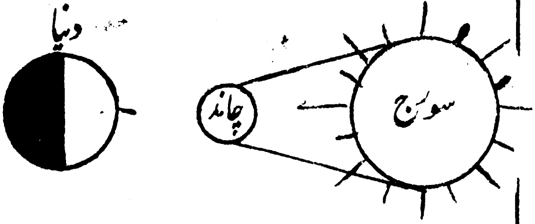

اگر یہ سیدھے بالکل ایک لکیر میں ہوں تو سورج بالکل ڈھک جاتا ہے اور اسی کو پورا گہن کہتے ہیں ، لیکن اگر اس سیدھ میں تھوڑا بہت فرق ہوتا ہے تو آدھا یا چوتھائی گہن پڑتا ہے ۔

آپ کہیں گے کہ چاند تو سورج سے بہت چھوٹا ہے پھر وہ سورج کو کیسے ڈھانک لیتا ہے ۔ بات یہ ہے کہ چاند ہم سے بہت قریب ہے اور سورج بہت دور ، قریب کی چیز اگر چھوٹی بھی ہو اور ہماری آنکھوں کے سامنے اگر ہماری نظر کو چھپا لے تو دور کی چیز چاہے کتنی بڑی ہو ہم کو ہرگز نہ دکھائی دے گی ، مثلاً تھوڑی دور پر ایک گھوڑا

کھڑا ہے، ظاہر ہے کہ وہ گھوڑا آپ کی انگلی سے بہت بڑا ہے۔ لیکن اگر آپ اپنی انگلی اپنی آنکھ کے سامنے کرلیں تو پھر گھوڑا چھپ جائے گا۔ بس سمجھ لیجئے کہ یہ گھوڑے کا گہن پڑا، اب اگر انگلی بالکل آنکھ کی سیدھ میں ہوگی تو سارا گھوڑا چھپ جائے گا۔ لیکن اگر ذرا کسر رہے گی تو گھوڑے کی دم، یا سر یا ٹانگیں دکھائی دیتی رہیں گی، یہی حال سورج گہن کا ہے۔

اب چاند گہن کا حال سنئے، جب کبھی ہماری دنیا سورج اور چاند کے بیچ میں آجاتی ہے تو سورج کی وہ روشنی جس سے چاند چمکتا ہے رک جاتی ہے، اگر سیدھ بالکل ٹھیک ہی تو سارا چاند چھپ جائے گا

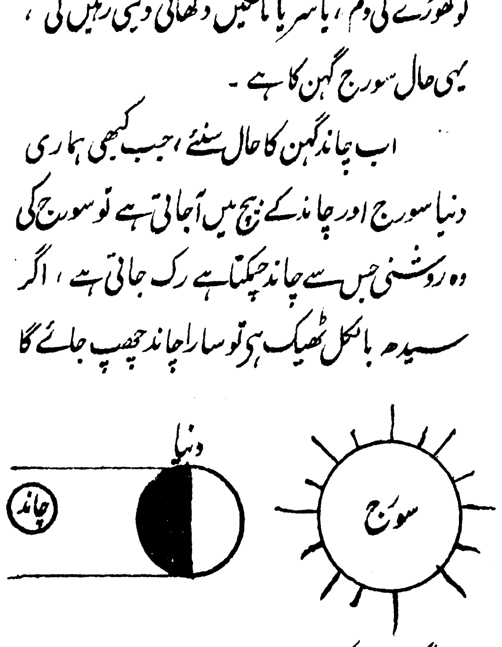

اور اگر ذرا سی کسر ہے تو تھوڑا سا چھپے گا، اور تھوڑا چمکتا رہے گا۔ مثلاً ایک چراغ کے سامنے ایک آئینہ رکھئے وہ آئینہ خوب چمکے گا، اب ذرا دونوں کے بیچ میں آپ خود آکر کھڑے ہوجائیے، چراغ کی روشنی کو آپ روک لیں گے۔ اور آئینہ کا پورا گہن ہوجائے گا، اگر ذرا سا آپ کھسک جائیں تو تھوڑے آئینہ پر روشنی پڑے گی اور تھوڑے میں اندھیرا ہوگا یہ گویا آئینہ کا آدھا گہن ہوگا یہی حال چاند گہن کا ہے۔

طوفان

ہماری دنیا پر چاند سورج کا ایک اور بھی اثر ہوتا ہے، یہ تو آپنے اکثر سُنا ہوگا کہ کسی سمندر میں سخت طوفان آیا اور جہاز تباہ ہوگیا لیکن شاید یہ آپ کو معلوم نہ ہوکہ یہ طوفان بھی چاند سورج کی وجہ سے آتے ہیں،

سنئے، یہ تو ہم آپ کو پہلے بتا چکے ہیں کہ سورج دنیا کو اپنی طرف کھینچتا ہے لیکن چونکہ بہت دور ہے اس لئے اپنی اس کوشش میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوسکتا پھر بھی تھوڑا بہت اثر پڑتا ہی ہے، چاند میں بھی ایسی ہی کشش موجود ہے اور وہ قریب بھی ہے، لیکن بیچارہ بہت چھوٹا ہے اس لئے اس کا بھی تھوڑا ہی اثر پڑتا ہے ان دونوں کا اثر زمین پر اتنا نہیں پڑتا جتنا پانی پر پڑتا ہی، کیونکہ پانی پتلا ہوتا ہے اور جلدی کھنچ جاتا ہے، اس لئے جب سورج اور چاند دونوں دنیا کے ایک ہی طرف

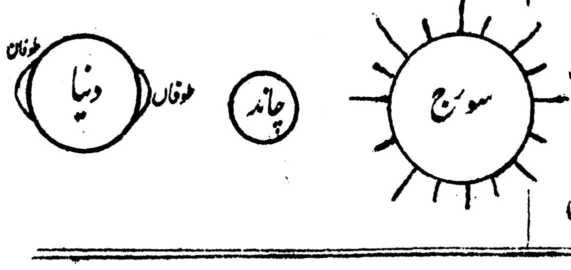

ایک سیدھ میں ہوتے ہیں تو دونوں مل کر زور لگاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پانی ایک جگہ سمٹ آتا ہے گویا اس جگہ بڑے زور کا طوفان آجاتا ہے، پانی کے ساتھ زمین بھی ذرا سا کھسک جاتی ہے اس لئے اس کے دوسری طرف ذراسی جگہ خالی ہو جاتی ہے، اور پانی کا قاعدہ ہے کہ جہاں جگہ خالی دیکھتا ہے ادھر ہی کو بہ جاتا ہے اس لئے وہاں بھی بڑے زور کا طوفان آجاتا ہے گویا ایک ہی وقت میں دنیا کے آگے پیچھے دو جگہ طوفان آیا کرتا ہے۔

اب اگر سورج دنیا کے ایک طرف ہو، اور چاند ایک طرف تو دونوں زور لگاتے ہیں، ایک بڑا

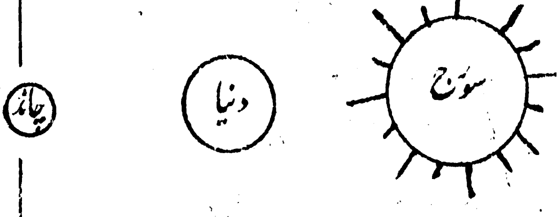

ہے لیکن دور دوسرا چھوٹا ہے لیکن نزدیک، اس لئے کشتی برابر کی رہتی ہے اور طوفان نہیں آتا۔

اس کے علاوہ ایک صورت اور بھی ہوتی ہے یعنی جب سورج اور چاند دنیا کی ایک سیدھ میں نہیں ہوتے

ایسی صورت میں چاند کی طرف اور اس کی مخالف

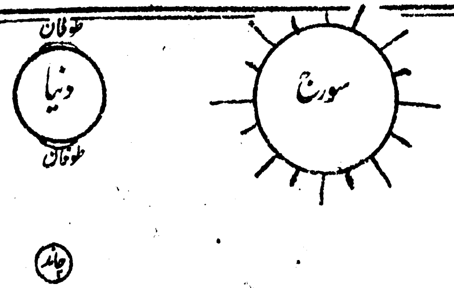

سمت میں معمولی سا طوفان آتا ہے، کیونکہ نہ تو سورج کا زور چاند کے ساتھ شامل ہے کہ بہت بڑا طوفان آئے اور نہ سورج اور چاند کا آمنے سامنے کا مقابلہ ہے، کہ ایک دوسرے کا زور گھٹائیں۔ بلکہ دونوں اپنا اپنا زور لگاتے ہیں، چاند ذرا نزدیک ہے، اس لئے اس کے اثر سے طوفان آتا تو ہے مگر کچھ ایسا زور کا نہیں آتا۔

چاند کی دنیا

عورتیں اپنے بچوں کو یہ کہہ کر اکثر بہلایا کرتی ہیں کہ وہ "دیکھو! چاند میں بڑھیا بیٹھی چرخا کات رہی ہے"! آپ کی ماں نے بھی اکثر آپ کو بڑھیا دکھائی ہوگی، اور آپ کو بھی سچ مچ اس کا سفید سفید بالوں والا سر اور اس کا چرخا دکھائی دیتا ہوگا، لیکن بھائی سچ پوچھو تو نہ وہاں بڑھیا ہے اور نہ اس کا چرخا، ہاں کچھ نشان اور لکیریں ضرور معلوم ہوتی ہیں، جیسے دنیا کے گولے پر یورپ، ایشیا، اور افریقہ کے نقشوں کی لکیریں معلوم ہوتی ہیں۔

آج کل دنیا سائنس میں بڑی ترقی کر رہی ہے طرح طرح کی بڑی بڑی دوربینیں ایجاد ہوتی ہیں جن سے لاکھوں میل کی چیزیں صاف دکھائی دیتی ہیں، چاند ہماری دنیا سے سورج اور ستاروں کے مقابلے میں سب سے زیادہ نزدیک ہی، اس لئے ان دوربینوں سے چاند کی چیزیں اور بھی صاف دکھائی دیتی ہیں، جب لوگوں نے ان دوربینوں سے چاند کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ لکیریں ہمارے نقشے کی طرح سچ مچ خشکی کی لکیریں ہیں، وہاں بھی اسی طرح زمین اور سمندر ہے جیسے ہماری دنیا میں، وہاں بھی ندیاں ہیں، وہاں بھی پہاڑ ہیں، وہاں بھی جاڑا گرمی ہوتی ہے کیونکہ ان پہاڑوں کی چوٹیاں کسی زمانے میں سفید ہوتی ہیں یعنی برف سے ڈھکی ہوئی اور کسی زمانے میں یہ برف گرمی کی وجہ سے پگھل جاتا ہے، لیکن اب تک کوئی آبادی وہاں دکھائی نہیں دی ہے، اس لئے لوگ سمجھتے ہیں کہ چاند بالکل ویران لق و دق میدان پڑا ہے، مگر کیا معلوم اور زوردار دوربین ایجاد ہو تو شاید یہ گتھی بھی سلجھ جائے چاند اپنی کیلی پر چونکہ ۲۸ دن میں ایک چکر لگاتا ہے اس لئے وہاں کا دن ہمارے چودہ دن رات کے برابر اور وہاں کی رات ہمارے ۱۴ دن رات کے برابر ہوتی ہے

لوگوں کا خیال ہے کہ وہاں اتنی سردی ہے کہ کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا، لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ خدا نے وہاں کے انسانوں کو ایسا ہی بنایا ہو جو سخت سے سخت سردی ہی میں زندہ رہ سکتے ہوں، لوگوں نے بڑی کوششیں کیں کہ بے تار کی تار برقی کے ذریعے چاند والوں سے باتیں کریں لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کون سی زبان بولتے ہیں، بہرحال کوششیں ابھی جاری ہیں لیکن چاند سے ابھی تک کوئی جواب نہیں ملا ہے، دیکھئے چاند کے بارے میں آئندہ اور کیا کیا نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

لطیفے

استاد: دنیا گول ہونے کے تین معقول سبب بیان کرو

موہن: (۱) کتاب میں بھی لکھا ہے (۲) آپ نے بھی اس دن فرمایا تھا کہ دنیا گول ہے (۳) اور میرا بھی یہی خیال ہے، کہ آپ صحیح فرماتے ہیں۔

ماں - بیٹی اس طرح پھوٹ پھوٹ کر نہ رو۔

بیٹی - کیوں اماں

ماں - زیادہ رونے سے چہرے کی صورت بگڑ جاتی ہے

بیٹی - بہت اچھا اماں، مگر معلوم ہوتا ہے آپ بچپن میں بہت

افریقہ کے چند جانور

شیر ببر

(از جناب محمد احمد صاحب سبزواری سب ایڈیٹر نورس)

یہ جنگل کا بادشاہ اور مالک ہے، اس کا زرد اور خاکی رنگ ظاہر کرتا ہے کہ کسی زمانے میں رتیلا میدان اس کا وطن تھا، اور اسی ریت سے یہ رنگ اس کو ملا ہے۔ افریقہ کے مشہور ریگستان کلہاری میں یہ اب بھی پایا جاتا ہے، بڑے بڑے چوپائے جیسے گورخر گائے، بکری گدہا، گھوڑا وغیرہ اس کا مقررہ شکار ہیں، موجودہ تہذیب نے یورپ سے تو اس بلا کو بالکل نکال دیا ہے، امریکہ اور آسٹریلیا میں یہ ہوتا نہیں، ایشیا کے بھی خاص خاص حصوں میں پایا جاتا ہے، البتہ افریقہ اور خاص کر مشرقی افریقہ، کلہاری کے ریگستان میں اب تک اس کی کثرت ہے، معمولی شیروں کی طرح بڈھا ہو کر شیر ببر بھی مردم خوار[۵] ہو جاتا ہے یہ اصل میں بلی کی قسم کا ایک جانور ہے اس کے پیر نرم ہوتے ہیں، ناخن اندر چھپے رہتے ہیں اور اس طرح جب یہ شکار کی تلاش میں گھات میں بیٹھا رہتا

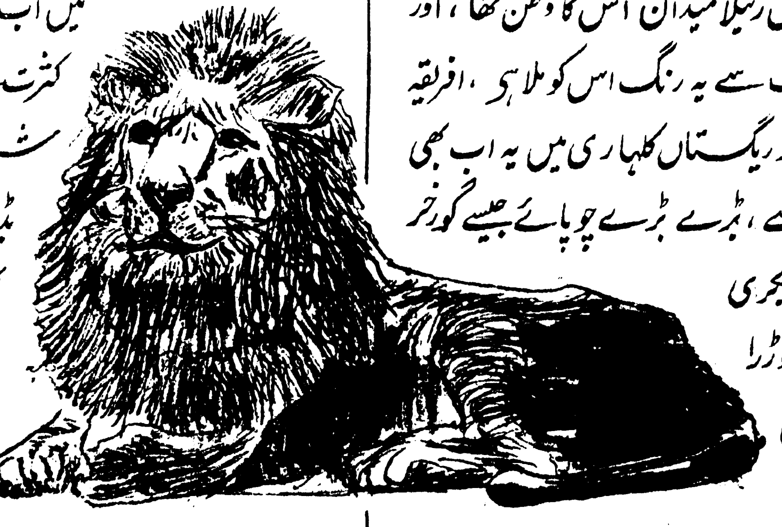

[۵] آدمی کو کھانے والا

ہے، اور اچانک حملہ کردیتا ہے تو بالکل آہٹ نہیں ہوتی، اور چونکہ اس کا رنگ بھی خاکی ریت سے ملتا جلتا ہے اس لئے بعض وقت تو یہ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ شیر ہے بلکہ ایک ریت کا ٹیلہ یا پتھر کا ٹکڑا دکھائی دیتا ہے، اس کا قد عام طور سے دس فٹ لمبا اور اونچائی ۴ یا ۵ فٹ کے درمیان ہوتی ہے، اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے سر پر بہت لمبے لمبے بال ہوتے ہیں جو اس کی شکل کو اور زیادہ ڈراؤنا اور ہیبت ناک بنا دیتے ہیں، مادہ کے یہ بال نہیں ہوتے لیکن اس کی دم گچھے دار ہوتی ہے، طاقت اور خونخواری میں وہ نر سے کم نہیں ہوتی، اور وہ اس وقت تو اور زیادہ غضب ناک ہوجاتی ہے جب کوئی اس کے بچوں کو ستائے یا مارے، شیر کے پنجوں میں بڑی طاقت ہوتی ہے اور یہ ایک تھپڑ سے ہرن اور گائے وغیرہ کو مار ڈالتا ہے، جنگل کے تمام جانور اس سے ڈرتے ہیں، رات کے وقت جب یہ ڈکارتا ہے تو تمام جانور خاموش ہوجاتے ہیں، اس لئے دور دور تک اس کی آواز گونجتی ہے، یہ انسان پر اس وقت تک حملہ نہیں کرتا جب تک انسان اُسے نہ چھیڑے، ہاں جب اسے کوئی شکار نہیں ملتا تو انسان پر حملہ کردیتا ہے لیکن جب شیر ببر بڈھا ہوجاتا ہے تو وہ انسانوں کو بہت پریشان کرتا ہے۔

کہتے ہیں شیر ببر کے بچے دنیا کے بدترین بچوں میں ہیں، اگر کسی چڑیا گھر میں کسی شیرنی کے بچے پیدا ہوجاتے ہیں تو وہ اپنی ماں کو بہت پریشان کرتے ہیں، اور چونکہ ان میں غیر معمولی طاقت ہوتی ہے اس لئے وہ بہت جلد شیطان بن جاتے ہیں، لندن کے چڑیا گھر میں ایک دفعہ ایک شیرنی کے دو بچے

پیدا ہوئے یہ اپنی ماں کی دم کو دانتوں سے پکڑ پکڑ کر دباتے اور کھینچتے تھے، آخر وہ بے چاری اپنی دم اوپر رکھنے لگی تو کمر پر چڑھ کر یا اچھل کود کر اسے پکڑ لیتے تھے اور پہلے سے زیادہ جوش سے اسے کھینچتے تھے، بے چاری ماں مارے درد کے چلاتی تھی، آخر چڑیا گھر کے ملازموں نے شیرنی کو برابر کے دوسرے کٹھرے میں بند کر دیا، مگر اب بچے بہت رنجیدہ ہوئے اور انہوں نے دن بھر کچھ نہ کھایا، ماں نے اس دن غذا بھی خوب کھائی اور بڑے آرام سے سوئی، مگر اپنے بچوں کی یہ حالت نہ دیکھ سکی آخر شام کو خود اس نے اپنی دم سلاخوں کے بیچ سے بچوں کے پاس کر دی، جس سے وہ بہت خوش ہوئے، مگر اب انہوں نے ماں کو تکلیف دینا کم کر دی اب وہ دم کے ساتھ آہستہ آہستہ کھیلنے لگے، شیر ببر ہندوستان میں بھی ہوتا ہے مگر اس کا ذکر ہم ہندوستان کے جانوروں کے سلسلے میں کریں گے

بتاؤ
ان تصویروں میں کیا غلطی ہے

محمد رشید الدین۔ لاہور

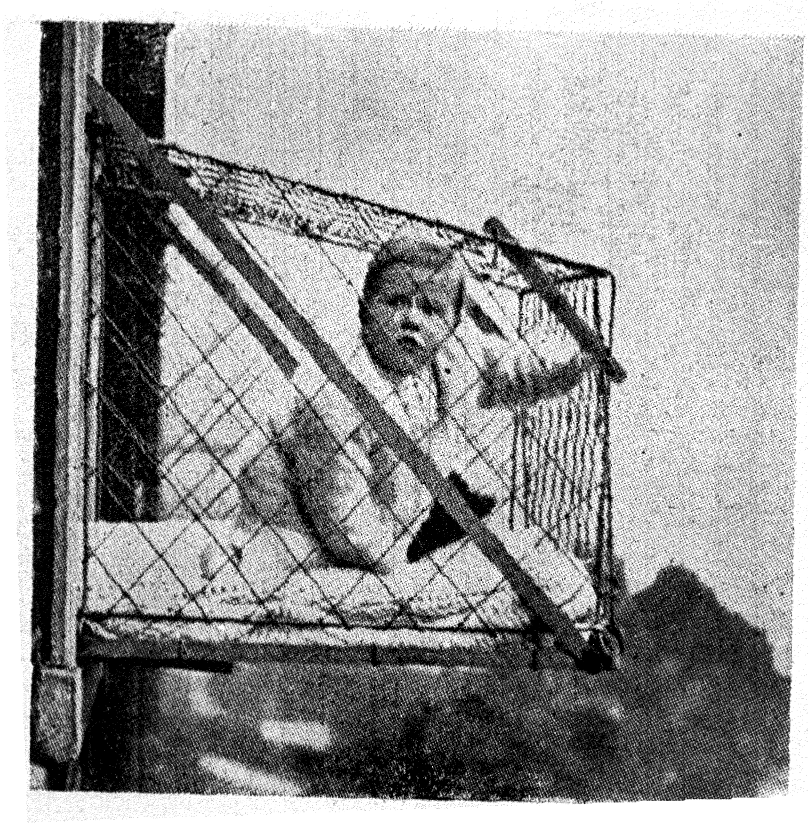

ایک پنجرا جس میں ایک بچہ پانچویں منزل کی کھڑکی کے باہر تازہ ہوا کھانے کے لئے بٹھایا گیا ہے ۔

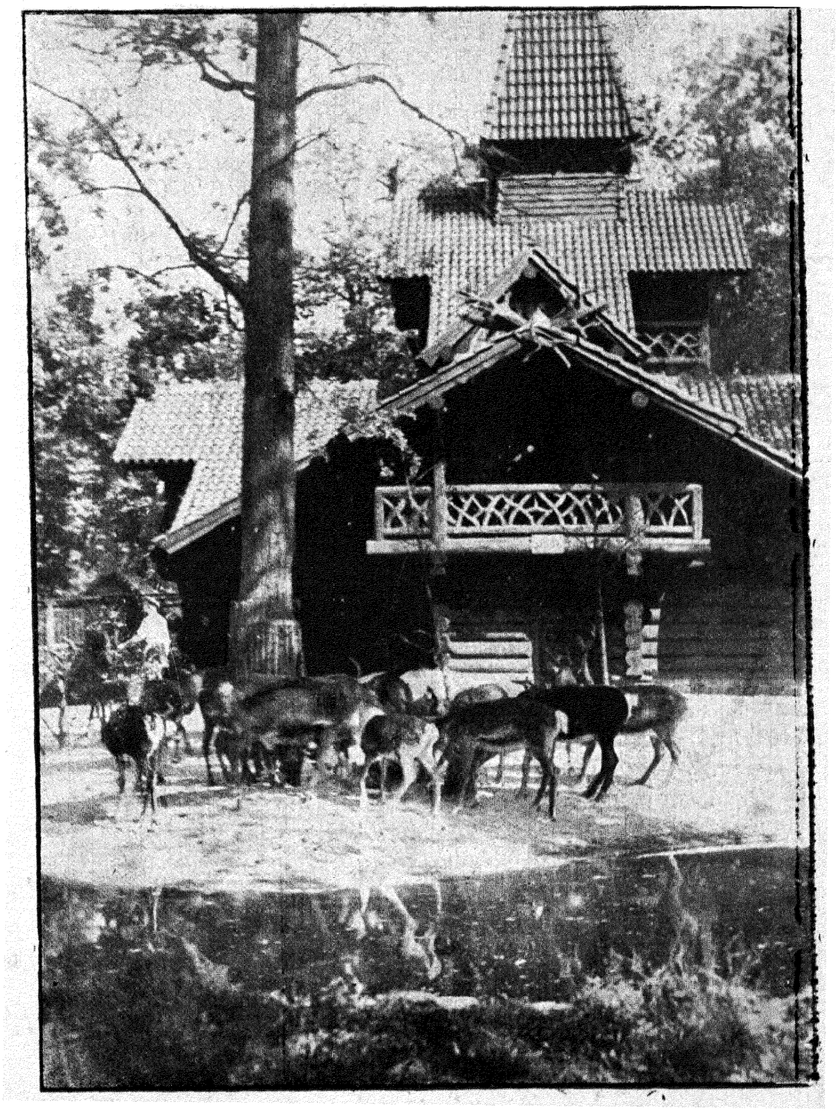

برلن کے چڑیا خانے میں ہرنوں کا غول

کسان اور وکیل

(ایم عبدالقادر متعلم مہاراجہ ہائی اسکول میسور)

کسی گاؤں میں عقیل نام ایک کسان رہتا تھا، جو دن بھر اپنے کھیتی باڑی کے کاموں میں لگا رہتا اور جو کچھ کماتا اس سے اپنے بال بچوں کا پیٹ بھرتا۔

ایک دن اس نے اپنا کام سورج چھپنے سے پہلے ہی ختم کر دیا، چند گھنٹوں کی فرصت جو ملی تو سوچنے لگا کہ اس قیمتی وقت کو کیسے گذاروں۔

اس نے اپنے گاؤں کے ایک وکیل کی بہت شہرت سنی تھی جو عقل مندی اور سمجھ بوجھ میں بے مثل تھا اس نے سوچا چلو آج اس وکیل سے کچھ باتیں کریں، پڑھے لکھے لوگوں کے پاس بیٹھنے اور ان سے باتیں کرنے سے کچھ نہ کچھ اچھی باتیں حاصل ہو ہی جاتی ہیں۔

اس نے اپنے کپڑے پہنے اور وکیل صاحب کی طرف چل کھڑا ہوا، وہاں پہنچا تو وکیل صاحب اس وقت کچھ لکھ رہے تھے اس لئے وہ چپ چاپ ایک طرف کو بیٹھ گیا، وکیل صاحب کو لکھنے سے فرصت ملی تو عقیل کی طرف دیکھا، آنے کی وجہ پوچھی اور کہا شاید آپ کا کوئی مقدمہ کچہری میں چل رہا ہوگا۔

عقیل نہیں جناب! میں تو ان جھگڑوں سے بے زار ہوں۔

وکیل تو پھر کیا جائداد تقسیم کرنے کا ارادہ ہے

عقیل۔ جی نہیں بلکہ میں نے آپ کی عقل مندی کی بہت شہرت سنی ہے میرے پاس ایک چھوٹی سی پونجی ہے جس سے میں تھوڑا بہت نفع کمانا چاہتا ہوں، اس لئے اس بارے میں آپ سے مشورہ کرنے آیا ہوں، وکیل یہ سن کر پہلے تو ہنسا، پھر کچھ دیر غور کرنے کے بعد قلم اٹھایا دو سطریں کاغذ پر لکھیں اور

کاغذ تہ کر کے اپنے عجیب و غریب موکل کے حوالے کیا عقیل نے کاغذ جیب میں رکھا اور وکیل سے اس مشورہ کی فیس پوچھی، وکیل نے پانچ روپے بتائے، عقیل نے روپے اسی وقت ادا کر دیے اور اپنی کامیابی پر خوش ہوتا ہوا گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

گھر پہنچا تو سورج ڈوب چکا تھا، اور اُسے سردی معلوم ہو رہی تھی، اس لئے وہ الاؤ کے پاس بیٹھ گیا، اس نے اپنا ناج سوکھنے کے لئے ابھی تک میدان ہی میں چھوڑ رکھا تھا، اور وہ خوب سوکھ بھی چکا تھا، وہ ہر روز اسے گھر پر اُٹھا کر لانے کا ارادہ کرتا مگر، اس کی بیوی یہ کہہ کر ٹال دیتی کہ ایسی کیا جلدی ہے، آج نہیں تو کل اُٹھا لائیں گے، غرض اسی آج کل، آج کل میں وہ اناج اب تک یوں ہی پڑا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر میں اس کا لڑکا بھی آگیا اور الاؤ کے پاس بیٹھ کر باپ سے کہنے لگا، ہمارا غلہ بالکل پک گیا ہے آج یا کل موسم بدل گیا تو بارش سے ناج خراب ہو جائے گا، اس لئے چاہئے ابھی اٹھا لائیں عقیل کی ماں روٹی پکاتے سے بولی، اب اتنی رات آگئی ہے ایسی کیا مصیبت پڑی ہے، کل صبح دیکھا جائے گا، لڑکے نے کہا چھکڑے تیار ہیں۔ اور ناج ابھی ان پر لاد کر لایا جا سکتا ہے، اگر رات میں مینہ برس گیا تو بڑا نقصان ہو جائے گا، عقیل کی بیوی اور لڑکے میں یہ بات چیت ہو رہی تھی اور وہ حیران تھا کہ کیا کہے، اتنے میں اسے وکیل صاحب والے کاغذ کا خیال آیا، اس نے کاغذ جیب سے نکالا، اور دونوں سے کہا۔ اس کاغذ میں قیمتی نصیحت لکھی ہوئی ہے میں نے ایک عقل مند وکیل سے یہ پانچ روپے میں خریدی ہے، ہمیں اس پر عمل کرنا چاہیے، پھر یہ کاغذ اس نے اپنے لڑکے کے حوالے کیا کہ اُسے پڑھ کر سنائے۔

اس میں عقیل کا نام اور موٹے حرفوں میں ایک نصیحت لکھی تھی عقیل نے یہ نصیحت سُنی تو خوش ہو کر کہا، اب ہمیں فوراً اس نصیحت پر عمل کرنا چاہیئے۔

دونوں باپ بیٹے اس وقت گھر سے روانہ ہوئے اور اناج چھکڑوں پر لاد کر گھر لے آئے، اس کام سے فارغ ہو گئے تو کھا پی کر سو رہے خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس رات سخت آندھی چلی اور زور کی بارش ہوئی، بہت سے کسانوں نے اپنا اناج بے پروائی اور سستی سے کھیتوں ہی میں چھوڑ دیا تھا، وہ بارش کی وجہ سے کچھ تو بہ گیا اور جو بچ رہا وہ بھیگ کر بالکل خراب ہو گیا، بے چارے کسانوں نے یہ حالت دیکھی تو ہاتھ ملتے رہ گئے۔

عقیل نے وکیل کو بہت دعائیں دیں جس کی قیمتی نصیحت پر عمل کرنے سے وہ نقصان سے بچ گیا، عقیل اور اس کی بیوی بچوں پر اس نصیحت کا ایسا اثر ہوا کہ انھوں نے آیندہ ہمیشہ کے لئے اس نصیحت پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا، وہ ہر روز کا کام اسی دن پورا کر لیتے، جس کی وجہ سے چند ہی دنوں میں بہت مال دار ہو گئے۔

کیوں جناب کیا آپ بتا سکتے ہیں وہ کیا نصیحت تھی جو وکیل نے عقیل کو لکھ کر دی تھی، اور جس پر عمل کرنے سے عقیل چند ہی دنوں میں مال دار بن گیا، کہانی کو غور سے پڑھئے اور سوچئے تو آپ کو ضرور پتہ لگ جائے گا۔

اچھی اچھی باتیں

۱۔ سچائی بہت بڑی طاقت ہے

۲۔ اگر تم کسی کی مدد نہیں کر سکتے تو اس کے راستے میں رکاوٹیں بھی نہ ڈالو۔

۳۔ جتنی تمھاری ضرورتیں کم ہوں گی اتنے ہی خوش اور مطمئن رہو گے۔

۴۔ صبح سویرے اٹھنا بے کار ہے جب تک کہ دن اچھے کاموں میں نہ گذارا جائے۔

۵۔ سب سے اچھا کام جو تم جلدی میں کر سکتے ہو، یہ ہے کہ کچھ نہ کرو

(سید مسعود علی میرٹھی)

بہادر پرتگالی

(از عباس حسنی صاحب درجہ ہفتم جامعہ)

ہمارے ملک ہندوستان اور یورپ کے درمیاں تجارت آج سے نہیں ہزاروں برس پہلے سے ہوتی ہے، مگر پہلے تجارت کا مال ہمارے یہاں سے خشکی کے راستے سے اونٹوں پر لد کر جاتا تھا اس کی وجہ سے مال لانے اور لے جانے میں بڑی دقت ہوتی تھی' ایک تو یہ کہ جن ملکوں سے تجارت کے قافلے گذرتے تھے وہاں ان سے چنگی لی جاتی تھی دوسرے چوروں اور ڈاکوؤں کا ہر وقت ڈر رہتا تھا، اسی لئے یورپ والے بہت دنوں سے اس فکر میں تھے

کہ کسی طرح سمندر کا راستہ معلوم کیا جائے مگر انھیں کامیابی نہ ہوتی تھی، آخر پرتگال کے ایک شخص واسکوڈی گاما نے آج سے کوئی ساڑھے چار سو برس پہلے اس مشکل کو حل کیا، آج ہم تمھیں، واسکوڈی گاما کا قصہ سناتے ہیں کہ کس طرح اس نے یہ راستہ معلوم کیا اور ایسے شخص کی زبانی سناتے ہیں جو اس سفر میں اس کے ساتھ تھا وہ لکھتا ہے

ہم لوگ، جولائی سنہ ۱۴۹۷ء کو ہندوستان کا سمندری راستہ معلوم کرنے کے لئے چار جہازوں

پر سوار ہوئے، اس وقت ہم اپنے دلوں میں سوچ رہے تھے کہ کیا عجب ہے کہ ہم ہندوستان کا راستہ معلوم کرلیں اور دنیا میں مشہور ہوجائیں

ہم افریقہ کے کنارے کنارے دکھن کی طرف روانہ ہوئے اور بہت دور نکل گئے، یہاں تک کہ راس امید[۵۷] پر بغیر کسی تکلیف اور پریشانی کے پہنچ گئے، اس وقت ہوا ہمارے خلاف چل رہی تھی، سمندر میں بہت طوفان تھا، ہم اپنے جہاز ہوا کے خلاف آگے نہیں لے جاسکتے تھے لیکن ہمیں راس کے دوسری طرف جانا ضروری تھا ہمارے سردار واسکوڈی گاما نے حکم دیا کہ ہوا سے بچ سمندر میں بہت دور تک چلے جانا، اور پھر واپس آنا چاہیے۔ ہم نے ایسا ہی کیا، اوٹتے وقت ہمیں معلوم ہوا کہ ہم نے راس کو ابھی تک پار نہیں کیا ہے لیکن کچھ فاصلہ ہم نے ضرور طے کرلیا تھا، دوسری دفعہ بھی پوری کامیابی نہ ہوئی، ہاں تیسری بار جب ہم لوٹے تو معلوم ہوا کہ ہم بالکل ساکن پانی میں ہیں، دور تک خشکی بھی نظر نہ آئی تب ہمیں یقین ہوا کہ ہم نے راس کا پورا چکر لگا لیا ہے ہم یورپ کے پہلے آدمی تھے جنھوں نے سمندر کے اس حصے میں جہاز چلایا تھا۔

اب شام ہوگئی تھی اور ہمیں خشکی نظر نہ آتی تھی، طوفانی سمندر نے ہمارے جہازوں کو بری طرح توڑ دیا تھا، ایک جہاز کی حالت تو اس قدر خراب تھی کہ اسے چلانا دشوار تھا، آخر واسکو نے حکم دیا کہ ایک رات کے واسطے جہاز روک دیے جائیں، جہازوں کے ساتھ ساتھ ہمارے آدمیوں کی حالت بھی کچھ اچھی نہ تھی، پانی ختم ہو رہا تھا، اور کھانا بھی کافی نہ تھا، لیکن یہ معلوم تھا کہ ساحل زیادہ دور نہیں ہے، صبح کو ہم ساحل کی طرف روانہ ہوئے، تاکہ کھانا حاصل کرسکیں اور کوئی خلیج مل جائے تو اس میں اپنے جہاز ٹھہرا کر ان کی مرمت کرسکیں، کچھ دور چلنے پر پہاڑوں کی

---

[۵۷] اپنے جغرافیہ کے ماسٹر صاحب سے ضرور پوچھ لیجیے گا، راس کیا چیز ہے، راس امید کسے کہتے ہیں، اور اسے کس نے معلوم کیا تھا۔

چوٹیاں نظر آئیں اور قریب آئے تو معلوم ہوا کہ کنارا پتھریلا ہے اور اس میں چھوٹی چھوٹی کھاڑیاں بھی ہیں، ان کھاڑیوں میں بہت سی ندیاں آکر گرتی تھیں، یہاں ہم نے کچھ مچھلیاں پکڑیں لیکن ان مچھلیوں کے کھانے سے ہمارے کچھ ساتھی بیمار ہو گئے۔

ہم یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ یہاں کوئی آبادی بھی ہے یا نہیں؟ ہمارے آدمی اسی تلاش میں بہت دور نکل گئے مگر کوئی گاؤں ملا نہ کوئی آدمی نظر آیا، ہم لوگوں نے اپنا بہت سا وقت گاؤں ڈھونڈنے میں کھو دیا۔

اتنے میں گرمی ختم ہو گئی اور خراب موسم آگیا، سمندر میں بڑی بڑی لہریں پیدا ہو گئیں جن سے جہاز ڈگمگانے لگے، اور ہمیں یہ ڈر ہوا کہ کہیں یہ ڈوب نہ جائیں، لہروں کی ٹکر سے قریب قریب تمام جہاز ٹوٹ گئے تھے۔

جب اچھا موسم آیا تو ہم نے واسکوڈی گاما سے واپس لوٹنے کی درخواست کی، لیکن اسکو نے سب کو سمجھا بجھا کر راضی کر لیا اور ہم آگے بڑھے اور ایک کھاڑی پر آئے تاکہ جہازوں کے لئے ضروری سامان خرید اجائے ایک دریا اس خلیج میں آکر گرتا تھا، اور اس دریا کے کنارے کنارے دور تک بہت سے گاؤں آباد تھے، گاؤں کے رہنے والے بہت کالے تھے، ہمارے جہازوں پر بہت سے آئینے تھے، جب یہاں کے کچھ آدمی ہمارے جہازوں پر آئے تو انھیں وہ آئینے دکھائے گئے انھیں دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے اس لئے کہ اس سے پہلے انھوں نے کوئی ایسی عجیب و غریب چیز نہیں دیکھی تھی۔

ہم نے اپنے جہازوں کی مرمت شروع کی، ایک جہاز بالکل خراب ہو گیا تھا، اُسے جلا دیا گیا، اور اس جہاز کے آدمی تین جہازوں میں تقسیم کر دئے گئے ان کاموں سے فارغ ہو کر ہم آگے بڑھے، اور ایک مقام پر پہنچے جس کا نام موزمبیق ہے (Mozambiq) وہاں کے راجہ سے ہم نے ایک نوکر کے لئے درخواست کی جو ہمیں راستہ بتلائے، نوکر تو ہمیں مل گیا، لیکن ہمارے کپتان نے اس پر بھروسہ نہ کیا، کچھ راستہ

طے کرنے بعد چٹانیں نظر آئیں اور وہ آدمی ان ہی چٹانوں کے پاس جہازوں کو لے جانے لگا، ہمارے کپتان نے یہ دیکھ کر اسے قید کر دیا اس آدمی نے آخر میں بتایا کہ اس کے راجہ کا حکم تھا۔ کہ ان جہازوں کو چٹانوں کے پاس لے جا کر غرق کر دو جب یہ جہاز تباہ ہو جائیں گے تو ہم ان کا سارا مال قبضے میں کر لیں گے۔

اس کے بعد ایک اور جگہ آئے جس کا نام میلینڈا تھا (Melenda) یہاں پھر ہم نے ایک آدمی ساتھ لیا۔ یہ آدمی بھروسے کا تھا، میلینڈا سے ہم برابر بائیس دن تک سفر کرتے رہے، بائیس دن تک ہمیں خشکی نظر نہ آئی آخر ۲۸ مئی ۱۴۹۸ء کو کالی کٹ کے ساحل پر اترے، کالی کٹ کے راجہ کی طرف سے ایک آدمی ہمارے پاس آیا اور ہم سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ ہمارے کپتان نے جواب دیا، ہم لوگ عیسائی ہیں اور مسالہ کی تجارت کے لئے آئے ہیں، کپتان نے تحفہ کے طور پر بادشاہ کی خدمت میں سرخ کپڑے سے ڈھکی ہوئی ایک پیلی کرسی، بہت سی سرخ ٹوپیاں اور عمدہ قسم کے آئینے پیش کئے ساتھ ہی بادشاہ سے درخواست کی کہ اپنے ملک سے تجارت کی اجازت دے، بادشاہ نے اپنی مہربانی سے یہ درخواست منظور کر لی۔

اب واسکو نے یہاں سے چیزیں خریدنا شروع کیں وہ چیزوں کا بھاؤ تو جانتا نہ تھا اس لئے اس نے چیزوں کی جو قیمت اس کی سمجھ میں آئی بس وہی دی اس بات پر بہت سے تاجر اس سے ناراض ہو گئے اور راجہ سے شکایت کر دی، راجہ ان کے کہنے میں آگیا اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ فوراً اس شخص (واسکو) کو گرفتار کر لیا جائے۔ مگر واسکو کو کسی طرح اس کی خبر مل گئی، وہ فوراً اپنے جہاز پر واپس آگیا، اور اسی وقت چل کھڑا ہوا، واسکو نے راجہ کے ناراض ہونے سے پہلے ہی ایک خط یا سرٹیفکٹ یورپ والوں کے نام لکھوا لیا تھا، اس خط میں لکھا تھا کہ "واسکو ایک شریف انسان ہے جو میرے ملک میں آیا، میں اس سے بہت خوش ہوا میرے

ملک میں (۱) ادرک (۲) مرچ (۳) دارچینی (۴) لہسن اور دوسرے قیمتی جواہرات ہیں ۔ میں انھیں آپکے یہاں کے سونے ۔ چاندی ۔ مونگے اور دوسری عمدہ چیزوں سے تبدیل کرلوں گا"۔

ستمبر ۱۴۱۹ء میں واسکو ڈی گاما لزبن دارالخلافہ پرتگال پہنچا ۔ ۱۰۰ آدمیوں میں سے جو چار جہازوں میں اس کے ساتھ گئے تھے صرف ۵۵ آدمی اور دو جہاز لوٹ کر آئے انھوں نے مشرق کی راہ معلوم کرلی تھی ، جس کے واسطے سینکڑوں برس یورپ نے کوشش کی ، اور جس کے لیے کولمبس بھی روانہ ہوا تھا ، اور بھٹک کر امریکا میں جا پہنچا تھا ۔

مینڈک بنانے کا آسان طریقہ

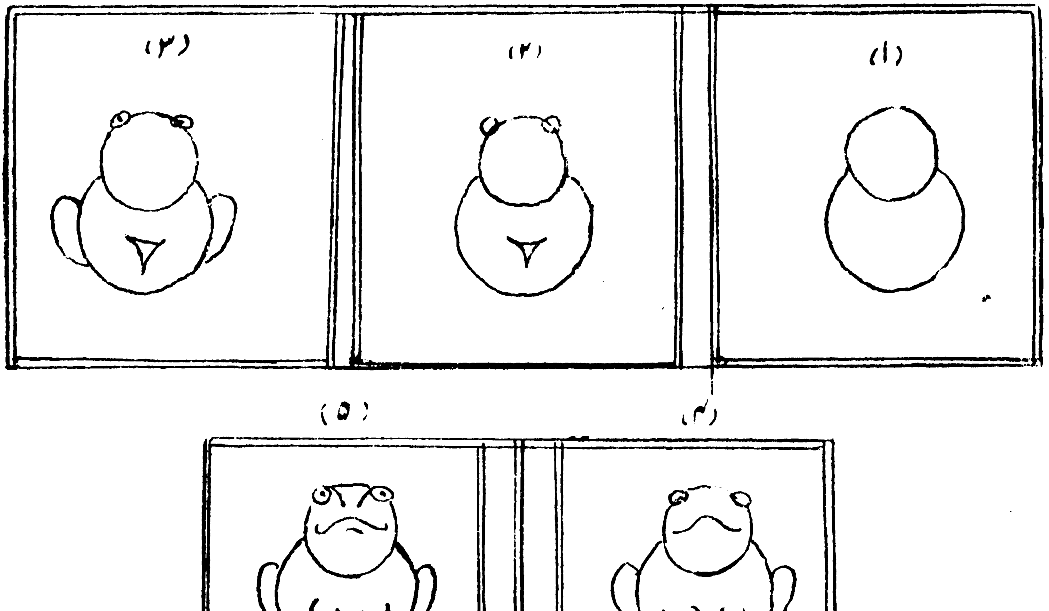

محمد رشید الدین (لاہور)

کوئل

(محمد اسمٰعیل خاں صاحب متعلم جامعہ)

دہلی کے اخبار "ہندوستان ٹائمز" کے منیجر مسٹر پارس ناتھ سنہا بڑے ہی اچھے آدمی ہیں، دن بھر کام میں لگے رہتے ہیں پھر بھی ملنے والوں کے لئے ان کے پاس وقت نکل آتا ہے، اور اسی خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں، گویا سب کام سے فارغ ہو چکے ہیں اب ذرا ہنسی مذاق سے دل بہلا رہے ہیں، ایک دن مجھے تمھارے رسالے پیامِ تعلیم کے منیجر کے ساتھ ان سے ملنے کا اتفاق ہوا، منیجر صاحب جامعہ کی چھپی ہوئی بہت سی کتابیں انھیں پیش کرنے کے لئے لے گئے تھے، آپ نے ہمارے پریس کی یہ کتابیں دیکھ کر بڑی خوشی ظاہر کی اور پھر بچوں کی تعلیم وغیرہ کے متعلق دیر تک بات چیت کرتے رہے، چلتے وقت آپنے بھی اپنی ہندی کتاب پکشی پریچے کی دو جلدیں ہم دونوں کو دیں، اس کتاب میں ہندوستان کے پرندوں کا حال لکھا ہے، آج کا مضمون ان کی اس کتاب کے ایک باب کا ترجمہ ہے، بچوں کو مسٹر سنہا کا شکر گذار ہونا چاہیئے کہ انھوں نے اتنی اچھی کتاب لکھ دی، اب سے ہم ہر مہینے اس کتاب کے ایک باب کا ترجمہ شائع کرتے رہیں گے، اور آخر میں بہت سی رنگین تصویروں کے ساتھ اسے کتابی صورت میں بھی چھاپ دیں گے (ایڈیٹر)

کوئل کو کون نہیں جانتا گرمیوں کے زمانے میں کسی اونچے درخت پر یا آم کے باغ میں اس کی کوک کچھ عجیب بہار دیتی ہے، دیکھنے میں یہ کوے کی طرح کالی اور بدصورت ہوتی ہے، لیکن اپنی میٹھی بولی سے اس نے سب کے دلوں میں جگہ کرلی ہے، جسے دیکھیئے وہ اس کی تعریف کرتا اور اس کی کوکو پر جان دیتا ہے "

جوں جوں گرمی بڑھتی ہے اس کی آواز تیز ہوتی جاتی ہے، دن ہو یا رات جب موج میں ہوتی ہے میٹھے سروں میں الاپنے لگتی ہے، پو پھٹنے سے پہلے تو بڑے ہی جوش سے گاتی ہے، کبھی آپ نے اس کی آواز کی نقل بھی اُتاری ہے نہیں تو ایسا کر کے دیکھئے اکثر بچے اور کبھی کبھی بوڑھے بھی ترنگ میں آکر اس کی کوکو کا جواب دینے لگتے ہیں، اس وقت اس کی تیزی اور غصہ دیکھنے کے قابل ہوتا ہے، وہ برابر کوکتی رہتی ہے، آپ تھک کر چپ ہو جائیں گے، مگر وہ کبھی چپ نہ ہو گی۔

مگر یہ بہار صرف گرمیوں گرمیوں ہی رہتی ہے، کوئل سردی برداشت نہیں کر سکتی،

اور شمالی ہند میں جہاں سردی زیادہ پڑتی ہے وہاں اس وقت اس کا رہنا ممکن نہیں ۔ بنگال میں کچھ کوئلیں شاید رہ جاتی ہوں ، ہاں بہار میں بھی ، کچھ ، پتوں کی آڑ میں چھپ کر وقت کاٹ لیتی ہوں ، لیکن عام طور سے یہ خیال ہے کہ کوئل نومبر کے مہینے میں اتر سے دکھن کی طرف چل دیتی ہے پھر جب فروری یا مارچ کے مہینے آتے ہیں تو لوٹ آتی ہے ، اور درختوں پر کوکنے لگتی ہے

گانے میں تو یہ پرندوں کی استاد ہے ہی چالاکی اور ہوشیاری میں بھی اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا کوا جیسا چالاک پرندہ اس کے مقابلے میں مات کھا جاتا ہے ، اب ذرا اس کی چالاکی کا حال سنیئے ۔

اس کی خاصیت ہے کہ وہ اپنے انڈے آپ نہیں سیتی ، دوسری چڑیوں کے گھونسلوں میں رکھ آتی ہے ، بلکہ یوں کہیئے کہ کوؤں سے بیگار کا کام لیتی ہے ان کے سامنے اس کا زور تو چلتا نہیں ، اس لئے انھیں دھوکا اور چھل دے کر اپنا کام نکالتی ہے ۔

مادہ اور نر پہلے یہ طے کرتے ہیں کہ کس کوے کی آنکھوں میں دھول ڈالنی ہے ، پھر نر کوے کے گھونسلے کے پاس درخت پر جا بیٹھتا ہے ، اور اپنی سریلی آواز میں کوکنے لگتا ہے کوے تو تم جانو ، کوئل سے جلتے ہی ہیں ، دیکھتے ہی اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں ، غصہ میں ہوشیاری اور عقل بھی رخصت ہو جاتی ہے

اور گھونسلے کو اکیلا چھوڑ کر نر اور مادہ دونوں کوئل کے پیچھے لگ جاتے ہیں

نر تو اس لئے درخت پر بیٹھا ہی ہو اب جوں ہی کوؤں نے پیچھا کیا اُسے یقیں ہو گیا کہ کام بن گیا، اس وقت وہ ایک عجیب طرح کی بولی "کری" "کری" بول، مادہ کو خبر پہنچا دیتا ہے کہ میدان صاف ہے، مادہ فوراً کوے کے گھونسلے میں پہنچ کر اپنا انڈا رکھ دیتی ہو اور ممکن ہوا تو اس کا ایک انڈا گرا دیتی ہے، یا چونچ میں دبا کر ساتھ لے جاتی ہے

ادھر کوؤں کو کچھ خبر نہیں کہ کیا کارروائی ہو گئی، وہ تو بس تعاقب میں لگے ہوئے ہیں، کوئل کوے سے اُڑنے میں بہت تیز ہوتی ہے چاہے تو بات کی بات میں کہیں سے نکل جائے لیکن وہ انھیں بہکانے کے لئے اپنی اُڑان سُست کر دیتی ہے، اپنے اور ان کے درمیان بس اتنا ہی فاصلہ رکھتی ہے کہ وہ اُسے پا نہ سکیں وہ دل ہی دل میں خیال کرتے ہیں کہ اب پکڑا اب پکڑا، انھیں کیا معلوم کہ کوئل کے اس طرح اُڑنے میں بھی ایک چال ہو۔

جب کچھ وقت گذر جاتا ہو اور کوئل سمجھتی ہے کہ اب کام ہو گیا ہوگا تو اپنی اُڑان تیز کر دیتی ہے، اور کوؤں سے بہت دور نکل جاتی ہے، بے چارے کوے نا امید ہو کر اپنے گھونسلے کی طرف پلٹ آتے ہیں۔ انھیں وہم تک نہیں ہوتا کہ ان کے پیچھے یہاں گھونسلے میں کوئی کارروائی ہوئی ہے۔

شکل، صورت اور وزن میں کوئل کا انڈا، کوے کے انڈے سے بالکل مختلف ہوتا ہے، لیکن خدا کی قدرت دیکھئے، کوؤں کی آنکھوں پر کچھ ایسا پردہ پڑ جاتا ہے کہ انڈے سے کوئل کا بچہ نکل آتا ہو، تب بھی وہ اسے اپنا ہی بچہ سمجھتے ہیں، اس سے ویسی ہی محبت کرتے ہیں۔ جیسی اپنے خاص بچوں سے، ادھر ادھر سے دانا چگ کر لاتے ہیں اور اسے کھلاتے ہیں۔

ولائتی کوئل کے متعلق سنا ہے کہ وہ ایک موسم میں پچیس انڈے دیتی ہے، اور سب

باری باری کوؤں کے گھونسلوں میں پہنچادیتی ہے اس کی عادت ہے کہ ایک گھونسلے میں ایک انڈا رکھتی ہے، لیکن کبھی کبھی دو بھی، کوئل اس کام کے لئے ایسے گھونسلے چنتی ہے، جن میں حال ہی میں انڈے دیے گئے ہوں۔

کوئل اور کوؤں کے بچے اکثر ایک ہی وقت میں پیدا ہوتے ہیں، کوئل کا بچہ بڑا شریر ہوتا ہے، کوؤں کے انڈے یا بچے پیٹھ سے ڈھکیل کر نیچے گرادیتا ہے جس سے وہ اکثر ضائع ہوجاتے ہیں پیدا ہونے کے دو ہی ایک دن بعد اس کے یہ کرتوت ہوتے ہیں۔

کوؤں کے بچوں کا کام تمام کرکے خود دن پر دن موٹے تازے ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ تھوڑے دنوں میں اپنے ماں باپ سے بھی بڑھ جاتے ہیں، شرارت کے ساتھ ساتھ ان میں چالاکی اور ہوشیاری بھی بہت ہوتی ہے، جب پہلے پہل گھونسلے سے باہر نکلتے ہیں تو اپنی بولی چھوڑ، کوے کی بولی بولنے کی کوشش کرتے ہیں ادھر اولاد کی محبت کوؤں کو اس قدر اندھا کردیتی ہے کہ وہ انھیں اب بھی نہیں پہچان پاتے، آخر ایک دن یہ خود ہی اپنے فرضی ماں باپ کو سلام کرکے اپنا راستہ لیتے ہیں۔

ہم اور آپ پڑھنے لکھنے سے بہت سی باتیں سیکھتے ہیں، لیکن پرندوں کے لئے نہ تو کہیں مدرسے ہیں نہ کتب خانے، نہ اخبار نہ رسالے، اور کوئل جیسے پرندے کو تو اپنے ماں باپ کے ساتھ رہنا ہی نصیب نہیں ہوتا جن سے وہ کچھ سیکھ سکتا، پھر کون اسے اتنی باتیں سکھاتا ہے۔ اس کا جواب سوائے اس کے ہم اور کیا دے سکتے ہیں کہ یہ اللہ میاں کی قدرت ہے، اللہ نے انھیں یہ باتیں بھی سکھا دی ہیں کہ اپنی اور اپنے بچوں کی دیکھ بھال اور انھیں پالنے پوسنے کے لئے انھیں کیا کرنا اور کیا نہ کرنا چاہیئے۔ کوے کو کوئل کی ان حرکتوں کا کبھی پتہ نہیں چلتا لیکن اس کا دل کہتا ہے کہ اس پرندے سے بچ کر رہنا چاہیئے، یہی وجہ ہے کہ اسے اپنے گھر کے پاس دیکھتے ہی کوا آگ بگولا ہوجاتا ہے۔

یوں تو کوئل قد میں کبوتر کے برابر ہوتی ہے، لیکن دم کی وجہ سے اس کی لمبائی ڈیڑھ (۱½) فٹ تک پہنچ جاتی ہے، نر بہت کالا ہوتا ہے، دم لمبی اور چونچ پتلی، مادہ کچھ بھورے رنگ کی، جسم پر داغ، نر اور مادہ دونوں کی آنکھیں سرخ ہوتی ہیں اور سر سیسے کے رنگ کے، اُن کی غذا زیادہ تر درختوں کے پھل ہیں۔

کوئل کی بولی جسے "کوک" یا "کہو" کہتے ہیں۔ لمبی اور سریلی ہوتی ہے۔ اور اکثر "کہو" "کہو" کی شکل میں نکلتی ہے۔

جس وقت پرندے اپنا گھونسلا بنانے میں مشغول ہوتے ہیں اس وقت کوئل اپنے گانے میں مست ہوتی ہے۔ جو دیپک (ایک ہندی سُر کا نام ہی) راگ الاپتا ہے، اسے یہ فکر نہیں رہتی کہ گھر میں دیا کس طرح جلے گا، کوئل کا بھی یہی حال ہے، یہاں گانے سے فرصت کسے کہ گھاس پھوس اکٹھا کرے، گھونسلا بنائے یا انڈے دے کر ان پر چپ چاپ بیٹھی رہے لیکن ساتھ ہی چالاک بہت ہوتی ہے، اس لئے اپنا کام بگڑنے نہیں دیتی، ہمارے بیسوں شاعر اور گوئے بھوکوں مرتے ہیں، لیکن کوئل اپنی چالاکی اور ہوشیاری کی وجہ سے چین کی بانسری بجاتی ہے، خود اپنے پاس اتنا وقت نہیں کہ انڈوں پر بیٹھے، اور بچوں کو پالے پوسے، پھر جب بے گاری بہت مل جاتے ہیں تو وہ کیوں گھر بار کے جھگڑوں میں پھنسے، اور اپنا انمول وقت ضائع کرے۔

برسات کے آتے ہی معلوم نہیں کیوں کوئل کی آواز میں وہ زور نہیں رہتا، اس کے گلے میں اب نہ وہ مٹھاس ہے نہ رس ہے فروری سے اپریل تک جو کوک سنائی دیتی تھی اسے سننے کو اب جی ترس جاتا ہے۔

(ترجمہ از بنگلہ پرچے)

منگل کا الّو

(سید مسعود علی صاحب میرٹھ)

لالہ چرونجی مل موضع رام نگر والے سود لینے میں ٹیے ہی ظالم واقع ہوئے تھے، موضع رام نگر میں شاید ہی کوئی ایسا خوش نصیب آدمی ہوگا جس پر لالہ جی کا کچھ قرض نہ ہو، جو ایک مرتبہ ان سے قرض لے لیتا پھر بھلا مجال تھی کہ وہ ان کے ننانوے کے پھیر سے نکل جاتا، جونک کی طرح لالہ جی اس غریب کو ایسا چمٹتے کہ اس کا خون ہی چوس لیتے، سود کم کرانے کے لئے لالہ جی کی کوئی لاکھ خوشامدیں کرتا مگر لالہ جی کسی طرح نہ پسیجتے، لوگ ان کی ان باتوں سے خوب واقف تھے۔ مگر مرتا کیا نہ کرتا، ضرورت بری بلا ہے، مجبور ہو کر ان ہی کے پاس جاتے، اگرچہ لالہ جی ہزاروں روپیہ دبائے بیٹھے تھے، مگر کنجوسی حد سے گذر گئی تھی، ایک میلی کچیلی دھوتی، پھٹا ہوا کھدر کا کرتا، سر پر دوپلی ٹوپی، جس کا چندوا ندارد، پاؤں میں کھڑاؤں جو گھستے گھستے آدھی ہی رہ گئی تھیں، یہ لالہ جی کا لباس تھا، عمر لالہ جی کی پچاس کے لگ بھگ تھی، آپ موٹے جی بھر کے واقع ہوئے تھے، ماشاراللہ آپ کی توند بھی ایسی تھی کہ یہ خیال ہوتا تھا کہ لالہ جی نے کرتے کے نیچے شاید مٹکا چھپا رکھا ہے، کسی سے بات چیت کرتے وقت اکثر اپنی توند پر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے سب سے بڑی خوبی آپ میں یہ تھی کہ آپ سب کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتے تھے، یعنی خدا کے فضل سے کانے بھی تھے، خیر اسی گاؤں میں ایک شخص کالے خاں بھی رہتے تھے، گاؤں کے لوگ انھیں خاں صاحب کہا کرتے تھے، خاں صاحب تھے بڑے خوش مزاج آدمی، انھوں نے بھی کسی ضرورت سے مجبور ہو کر پانچ سَو روپے لالہ جی سے قرض لے لئے تھے، پانچ برس میں اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کاٹ کر بڑی مشکل سے انھوں نے سات سو روپے جمع کئے، اور یہ روپیہ لے کر بہت خوش خوش لالہ جی کا قرض ادا کرنے گئے لالہ جی نے جو سود در سود کا حساب پھیلایا تو ان کے حساب سے ساڑھے سات سو روپے ہوتے تھے، خان صاحب نے کہا لالہ میں نے تم سے پانچ سو روپے لئے تھے اب میرے پاس سات سو روپے ہیں جو بڑی مصیبت سے میں پانچ برس میں جمع کر پایا ہوں، تم نے ساڑھے سات سو کا حساب لگایا ہے، پچاس روپے چھوڑ دو تو بڑی مہربانی ہو، مگر بھلا۔ لالہ جی اٹھے پچاس روپے سود کے چھوڑ دیتے، توبہ کرو کسی طرح موم نہ ہوئے۔ اور بولے کہ ایک پائی کم ساڑھے سات سو نہ لوں گا، خان صاحب کو بہت افسوس ہوا، بے چارے مایوس ہو کر چلے آئے۔

گھر آ کر خاں صاحب سوچنے لگے کہ ان سخت دل لالہ جی کو کسی طرح ایسا الو بنانا چاہئے کہ وہ عمر بھر یاد رکھیں

آخر سوچتے سوچتے ایک بات خان صاحب کی سمجھ میں آ گئی، اور وہ ایک دم اچھل پڑے، ایک دن صبح ہی صبح خان صاحب لالہ جی کے مکان پر پہنچے، لالہ جی اس وقت اپنے مکان کے باہر چبوترے پر بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔

خان صاحب ۔ آداب عرض ہے، لالہ جی

لالہ جی ۔ بندگی کہاں شاب (خان صاحب) آج اتنے سویرے کیسے تخلیف پھرمائی، (اتنے سویرے کیسے تکلیف فرمائی)

خان صاحب ۔ اجی کیا بتاؤں، لالہ جی بڑی پریشانی میں ہوں، سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔

لالہ جی ۔ آکھر (آخر) کیا بات ہے، کھاں شاب (خاں صاحب) کچھ تو بتلاؤ۔ (لالہ جی نے اپنی توند پر ہاتھ پھیر کر کہا)

خان صاحب ۔ لالہ جی بات یہ ہے کہ پرسوں میری لڑکی کی شادی ہے، آپ کی مہربانی سے میں نے سب انتظام کر لیا ہے، مگر ایک چیز کا مجھ سے اب تک انتظام نہ ہو سکا، اس کی وجہ سے سخت پریشان اور رنجیدہ ہوں۔

لالہ جی ۔ کچھ مالوم (معلوم) تو ہو کہ وہ چیج (چیز) کیا ہے۔

خان صاحب ۔ بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں لڑکی کے جہیز میں منگل کے دن کا پکڑا ہوا الّو دیا جاتا ہے، ایسا الّو اول تو ملتا ہی نہیں، اور اتفاق سے اگر مل جاتا ہے تو بہت بڑی قیمت پر ملتا ہے۔ جو شخص ایسا الّو اپنی لڑکی کے جہیز میں دے دیتا ہے اس کی تمام برادری میں واہ واہ ہو جاتی ہے اور جو نہیں دیتا اسے تمام برادری ذلیل سمجھتی ہے، آج پیر ہے، کل منگل، کل شام تک برات بھی آ جائے گی، اول تو مجھے اتنی فرصت نہیں، تم جانو اکیلا آدمی، اور پھر شادی کا کام، دوسرے یہ کہ میرے پاس اتنا روپیہ نہیں کہ الّو کی قیمت ادا کر سکوں، اگر کل برات کے آنے سے پہلے الّو نہ ملا تو میری ناک کٹ جائے گی، اور برادری کو اپنا منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا، بس یہ رنج اور پریشانی مجھے کھائے جاتی ہے۔ ادھر ادھر بہت نظر دوڑائی مگر سوائے آپ کے اور کوئی اپنا ہمدرد اور مہربان نظر نہ آیا، سیدھا آپ ہی کے پاس آیا ہوں اور اب میری عزت اور آبرو آپ ہی کے ہاتھ ہے۔

لالہ جی ۔ جو کام میرے لاخ (لائق) ہو وہ بتاؤ، روپیہ کا تم فکر (فکر) مت کرو۔

خان صاحب ۔ اتنی مہربانی کیجئے کہ صبح منہ اندھیرے ادھر اُدھر چاروں طرف اپنے چند آدمی بھیج دیجئے، اور ان سے کہہ دیجئے کہ جس کسی کے پاس بھی اس روز کا پکڑا ہوا الّو مل جائے اُسے آپ کے پاس لے آئیں۔ آپ اس شخص سے قیمت طے کر کے الّو لے لیجئے گا، اور خود مجھے بلا کر الّو میرے ہاتھ میں دے دیجئے گا۔

لالہ جی ۔ اچھی بات ہے، ایشور چاہے تو ایسا ہی ہوگا مگر یہ تو بتایئے کہ اُلّو کس کیمت (قیمت) تک کھرید (خرید) کیا جائے۔

خان صاحب ۔ لالہ جی ایک ہزار روپے تک بھی مل جائے تو ضرور خرید لیجئے، ان داموں بھی بُرا نہیں ہے۔

لالہ جی (جو دل ہی دل میں حساب لگا کر خوش ہو رہے تھے، کہ ساڑھے سات سو روپے خان صاحب پر پچھلے ہیں۔ ایک ہزار اور ہو جائیں گے، قریب دو ہزار کے کل روپیہ ہو جائے گا، اور دن رات یہ بڑھے گا ہی، اتنا روپیہ خان صاحب کے اچھے سے بھی نہ اترے گا، اور خان صاحب کی یہ سب زمین اور مکان وغیرہ جو قریب قریب پانچ ہزار روپے کا مال ہے، سب کا سب میرے قبضے میں آجائے گا) بہت اچھا۔ کھان ثاب (خان صاحب) بس اتنی سی بات کا تم نے ناحک (ناحق) فخر (فکر) کیا۔

خان صاحب۔ بس اتنا کام میرا کر دیجئے۔ تمام عمر آپ کا احسان نہ بھولوں گا۔ اچھا اب مجھے اطمینان ہو گیا مجھے ابھی بہت کام کرنا ہے، اب میں جاتا ہوں آداب عرض لالہ جی بس کل دوپہر سے پہلے الّو مجھے مل جائے۔

لالہ جی۔ بندگی کھان ثاب (خان صاحب)۔ پرمیشور نے چاہا تو دوپہر سے پہلے لو۔

لالہ جی خان صاحب کی اس بے وقوفی پر دل ہی دل میں بہت ہنسے، اور سوچنے لگے کہ ایک سستا سا الّو چند پیسوں کا خرید کر خان صاحب کو خوب الّو بناؤں گا، اور ایک ہزار روپے سے کم میں خان صاحب کو نہ دوں گا، اُدھر خان صاحب لالہ جی سے رخصت ہو کر اپنے گھر پہنچے، انھوں نے ایک الّو کئی روز پہلے ہی سے لا کر اپنے گھر میں چھپا رکھا تھا، جس کی سوائے ان کے اور ان کی بیوی کے گھر میں کسی بچہ کو بھی خبر نہ تھی۔ خان صاحب کا ایک عزیز ان کے گاؤں سے کئی میل دور ایک اور گاؤں میں رہتا تھا جب رات ہو گئی اور چاروں طرف اندھیرا چھا گیا تو خان صاحب الّو کے پنجرے کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر اور اپنے تیز ٹٹو پر بیٹھ کر اس طرف روانہ ہو گئے، دو، ڈیڑھ گھنٹے میں اپنے اس رشتہ دار کے یہاں جا اترے، اور اس سے سارا حال کہہ سنایا، اور کہا کہ گاؤں میں تمھیں لالہ جی یا اور کوئی شخص بالکل نہیں پہچانتا، کل تم تین بجے صبح ہی اٹھ کر اور چڑیمار کا بھیس بدل کر چل دینا اور سات آٹھ بجے کے قریب ہمارے گاؤں کے قریب جنگل میں پہنچ جانا، جب لالہ جی کا آدمی تمھیں بلا کر لالہ جی کے پاس لے جائے گا تو لالہ جی تم سے الّو خریدنا چاہیں گے، تم کہنا کہ لالہ جی بھلا تم کیا خریدو گے، یہ کوئی معمولی الّو نہیں ہے، یہ منگل کے روز کا پکڑا ہوا الّو ہے، اس کی قیمت کا کیا ٹھکانا، کئی منگل خالی گئے، آج صبح ۵ بجے اسے بڑی مشکل سے پھانسا ہے ایک آدمی سے معلوم ہوا تھا کہ یہاں تمھارے گاؤں میں کسی خان صاحب کی لڑکی کی شادی ہے، چنانچہ خان صاحب کے پاس لئے جا رہا ہوں ان سے منہ مانگی قیمت لوں گا۔ یہ کہہ کر وہاں سے چلنے لگنا جب لالہ جی روکیں تو کہنا، لالہ جی بھلا تم کیا لو گے، مجھے جانے دو، جب لالہ جی اصرار کریں تو آٹھ سو روپے تک ان کے ہاتھ بیچ دینا، اس سے کم میں ہرگز نہ دینا، لالہ جی سے روپے لے کر پھر سیدھے اپنے گھر چلے آنا، میں تمھارے انتظار میں تمھارے گھر ہی ملوں گا،

چنانچہ وہ صبح کو تین بجے اٹھ کر اور چڑیمار کا بھیس بدل کر الّو کا پنجرہ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے چل دئے۔ چڑیمار کا بھیس بھی اس شخص نے غضب کا بدلا تھا، بالکل چڑیمار معلوم ہوتا تھا، قریب سات آٹھ بجے صبح کے وہ خان صاحب کے گاؤں میں پہنچ گیا، اور ادھر اُدھر گھومتا پھرتا رہا، ادھر لالہ جی نے اپنے آدمی منہ اندھیرے الّو کی تلاش کے لئے جنگل میں بھیج رکھے تھے، اور وہ ادھر ادھر مارے مارے پھر رہے تھے ان میں سے دو ایک آدمیوں نے دیکھا کہ ایک چڑیمار الّو پنجرے میں لئے پھر رہا ہے، بڑے خوش ہوئے اور اُسے اپنے ساتھ لئے

لالہ جی کے پاس پہنچے، لالہ جی بھی الّو کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور چڑی مار کو علیحدہ تنہائی میں لے جاکر بولے۔ کیوں بھئی اس الّو کے کیا دام لوگے؟

چڑیمار۔ لالہ جی نہ تو یہ الّو بکاؤ ہے اور نہ تم اس کے دام دے سکتے ہو۔

لالہ جی۔ بھئی، آکھر ایسی کیا بات ہے، کیا کھبر (خبر) ہم ہی لے لیں۔

چڑیمار۔ لالہ جی بات یہ ہے کہ یہ معمولی الّو نہیں ہے، آج منگل ہے اور یہ آج کا پکڑا ہوا الّو ہے، اول تو منگل کے دن الّو ملتا ہی نہیں اور اگر اتفاق سے مل بھی جاتا ہے۔ تو اُس کی قیمت کا کیا ٹھکانا۔ بڑے بڑے رئیس منہ مانگی قیمت دے کر خریدتے ہیں۔ اور اپنی لڑکیوں کے جہیز میں دیتے ہیں۔

لالہ جی۔ بھئی۔ کچھ بتاؤ تو سہی، تم اس کا کیا مانگتے ہو

چڑیمار۔ اجی تمھارے بس کی بات نہیں ہے، لالہ جی، ایک آدمی نے مجھے بتایا ہے کہ تمھارے گاؤں میں کوئی خان صاحب رہتے ہیں۔ ان کی لڑکی کی آج شادی ہے، ان کے پاس یہ الّو لے جاؤں گا، اور جو قیمت مانگوں گا وہی پاؤں گا، یہ کہہ کر چڑی مار چلنے لگا۔

لالہ جی۔ ارے بھئی سُنو تو سہی۔

چڑیمار۔ لالہ جی کیوں میرا رستہ کھوٹا کرتے ہو۔ ناحق مجھ دیر ہو رہی ہے۔ ابھی مجھے پچاس کوس لوٹ کر گھر بھی جانا ہے۔

لالہ جی۔ تو آکھر (آخر) منہ سے کچھ بتاؤ تو سہی کہ کیا مانگتے ہو۔

چڑیمار۔ لالہ جی، اگر واقعی تمھیں لینا ہی ہے تو ایک ہزار روپے سے کم میں نہ دوں گا۔

لالہ جی یہ قیمت سن کر چونک پڑے اور رفتہ رفتہ آٹھ سو روپے تک وہ الّو خریدنے پر آمادہ ہوگئے۔ اور دل میں سوچنے لگے کہ خان صاحب نے تو ایک ہزار تک الّو خریدنے کو کہا تھا، اگر آٹھ سو روپے کا بھی لے کر انھیں ایک ہزار روپے کا دوں گا تو بھی مجھے دو سو روپے کا فائدہ ہوگا، جب لالہ جی نے الّو کے آٹھ سو روپے لگادیے، تو چڑیمار بولا کہ خیر لالہ جی اب کہاں تک حجت کروں، لے لو تمھارے لئے یہ آٹھ سو کا ہے، ورنہ خان صاحب کو تو ایک ہزار روپے سے ایک پائی کم کو بھی نہ دیتا، لالہ جی نے خوشی خوشی آٹھ سو روپے گن دئے، اور پنجرہ بڑی حفاظت کے ساتھ اپنے گھر میں رکھ دیا، چڑیمار آٹھ سو روپے لے کر چلتا ہوا۔ اور جنگل میں پہنچ کر درختوں کی آڑ میں چڑیمار کا لباس اُتار کر اپنے کپڑے پہن لئے، اور اپنے گاؤں کی طرف تیزی سے روانہ ہوگیا اور تین چار گھنٹے میں گھر پہنچ گیا، اور وہ روپے خان صاحب کے حوالے کئے، خان صاحب نے روپیہ کمر سے باندھا اور اپنے ٹٹو پر بیٹھ کر اپنے گاؤں کی طرف چل دئے، راستہ میں انھوں نے کچھ ضروری سامان بھی خریدا، اُدھر لالہ جی آدمی پر آدمی خان صاحب کے یہاں بھیج رہے تھے، کہ تمھاری امانت رکھی ہے آکر لے جاؤ خان صاحب کو گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ لالہ جی کئی مرتبہ آدمی بھیج چکے ہیں، وہ سامان اور روپیہ رکھ کر سیدھے لالہ جی کے پاس گئے، اور بولے لالہ جی کس زبان سے تمھارا شکریہ ادا کروں تم نے آج مجھ پر بڑا احسان کیا ہے، لالہ جی بولے کہ واہ کھان صاحب (خان صاحب) تم نے بھلی کہی، تمھارے لئے ہر وکت (وقت)

میری زان (جان) ، مال حاجر (حاضر) ہے ، بڑی مشکل سے ایک ہزار روپے پر سودا کیا ہی ، ورنہ چڑیمار ڈیڑھ ہزار سے کم نہ مانگتا تھا ، خان صاحب نے کہا۔" لالہ جی بہت ہی اچھے داموں میں مل گیا ، خیر لالہ جی بڑے خوش خوش الو کا پنجرہ لے کر خان صاحب کے پاس آئے ، اور ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ خان صاحب اسے دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ اور کہا کہ کیا کہنے ہیں۔ الو بھی نہایت اچھا اور خوب صورت ہی تمام برادری میں نام ہو جائے گا خان صاحب نے پنجرہ کھول کر الو کو باہر نکالا اور تھوڑی دیر اس کی تعریف کی ، تعریف سن سن کر لالہ جی پھولے جا رہے تھے ، اتنے میں خان صاحب نے الو ادھر اُدھر سے اچھی طرح دیکھا بھالا ، اور ایکا ایکی چلا کر کہا کہ ارے غضب ہو گیا یہ تو الو نہیں ہے الوانی ہے۔ یہ تو کوڑی کام کی نہیں ، یہ سُن کر لالہ جی کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے ، اور لگے کبھی اُٹھنے اور کبھی بیٹھنے ۔ خان صاحب نے روتی صورت بنا کر کہا کہ لالہ جی اب میں برادری کو کیا منہ دکھاؤں گا ، برات اب آنے ہی والی ہی ، اب اتنا وقت اور موقع کہاں کہ میں الو تلاش کروں ، افسوس اب کوئی صورت نہیں ، خیر خدا کو یہی منظور تھا اب کیا ہو سکتا ہی ، اچھا اب میں جاتا ہوں ، برات آنے ہی والی ہی ، اور مجھے بہت انتظام کرنا ہی ، یہ کہہ کر خان صاحب نے پنجرہ تو وہیں لالہ جی کے پاس چھوڑا اور اپنے گھر چلے آئے ، لالہ جی کا بُرا حال تھا ، ایک ایک کوڑی پر وہ جان دیتے تھے ، اکٹھا آٹھ سو روپے کا نقصان موت کے پیغام سے بھی زیادہ تھا ، دو روز مطلق انھوں نے کچھ نہ کھایا ، چہرے کا رنگ زرد ، اور بیماروں کی سی حالت ہو گئی ،

اپنی لڑکی کی شادی وغیرہ سے فارغ ہو کر خان صاحب ایک روز لالہ جی کے پاس گئے ، اور بولے کہ لالہ جی خدا کو یہی منظور تھا کہ برادری میں میری ناک کٹی ، اور تمھارا آٹھ سو روپے کا نقصان ہوا ، خیر اب صبر کرنا چاہیئے ، افسوس اور رنج سے اب کیا ہوتا ہے ، لالہ جی نے کہا کہ کیسے صبر کر لوں ، آٹھ سو روپے کی رقم کچھ تھوڑی نہیں ہوتی ، اُف میرے آٹھ سو روپے ، یہ کہہ کر لالہ جی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ، خان صاحب کو یہ دیکھ کر رحم آگیا ، وہ اسی وقت اپنے گھر گئے ، اور آٹھ سو روپے لالہ جی کے اور پانچ سو روپے اور لے کر لالہ جی کے پاس واپس آئے ، اور کہا لو لالہ جی ، اب ذرا غور سے ساری داستان سُن لو لالہ جی نے کہا کہ ہاں سُناؤ ، خان صاحب نے شروع سے لے کر آخر تک ساری داستان لالہ جی کو سنا دی اور لالہ جی کو ان کے آٹھ سو روپے دے کر کہا لو تمھارا روپیہ تمھیں مبارک رہی مجھے تمھیں چند سبق دینے تھے ، سو میں نے دے دئے ، اب کسی سے سود لینے میں سختی نہ کرنا ، دوسرے لالچ چھوڑ دو ، کبھی کبھی لالچ سے بڑا نقصان ہوتا ہے ، اب صرف اتنی مہربانی میں تم سے چاہتا ہوں کہ تم نے جو پانچ سو روپے مجھے دئے تھے وہ اپنے پورے پانچ سو روپے لو ، سود کا میں ایک پیسہ نہیں دینا چاہتا ، کیوں کہ میرے مذہب میں سود دینا اور سود لینا دونوں حرام ہیں ، لالہ جی کی خوشی کا کچھ ٹھیک نہ رہا ، انھوں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے وہ روپے لے کر شمار کئے اور گننے کے بعد قرض سے بے باقی کی رسید لکھ کر خان صاحب کو دے دی ، الوانی ابھی تک لالہ جی کے پنجرہ میں موجود تھی ، خان صاحب نے پنجرہ کو کھول کر اُلوانی کو آزاد کر دیا ، اور خالی پنجرہ لے کر چلنے لگے ، لالہ جی نے اس دن سے سود کے معاملے میں پھر کسی پر سختی نہیں کی ، گاؤں کے لوگ لالہ جی کو منگل کا الو ، منگل کا الو کہہ کر چھیڑتے ہیں ، اور لالہ جی اس پر بہت چڑھتے اور خفا ہوتے ہیں۔

(ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے ، پی ایچ ڈی پرنٹر و پبلشر نے جامعہ پریس میں چھپوا کر دفتر پیام تعلیم سے شائع کیا)

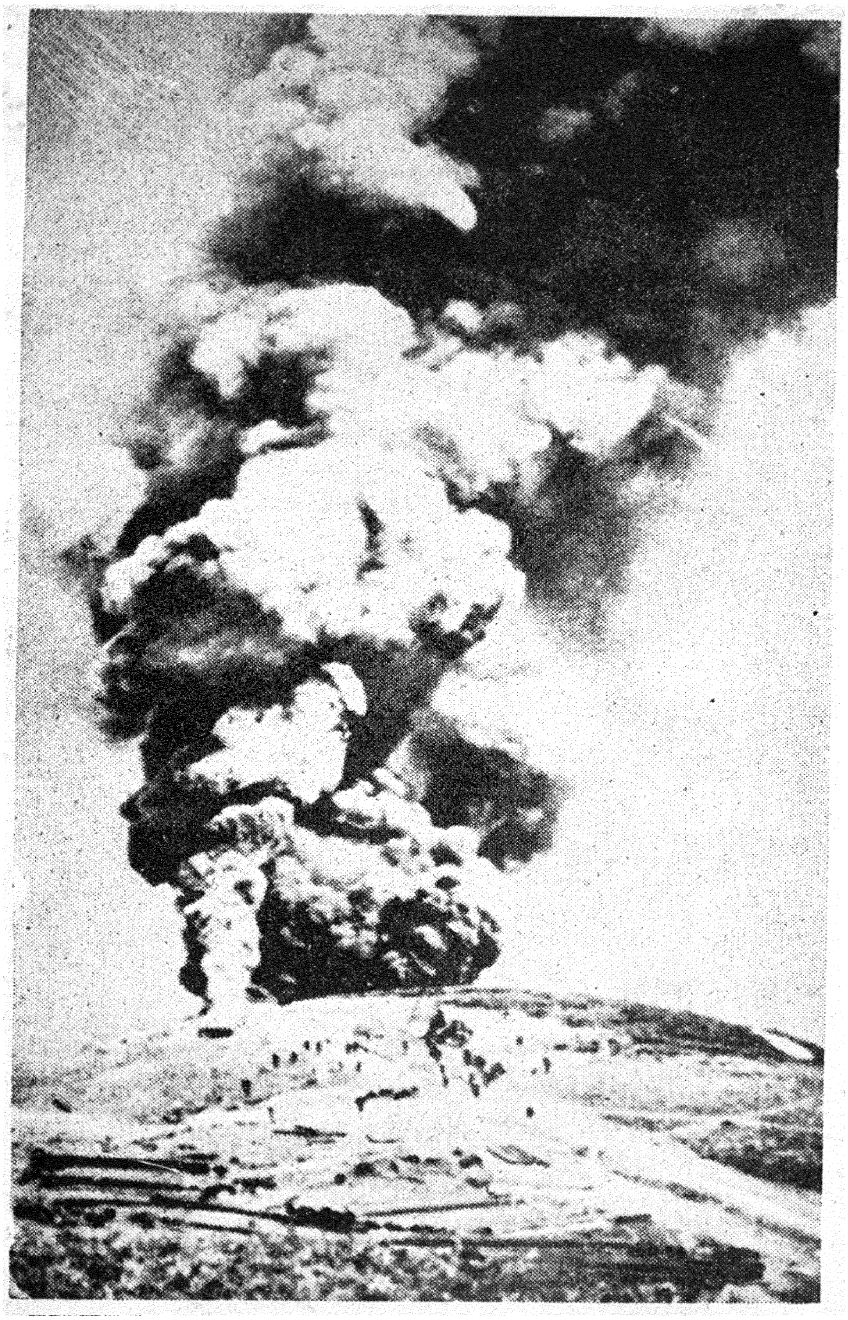

روس کے ایک تیل کے چشمے میں آگ لگی اور کروڑوں روپیہ کا نقصان
ہو گیا ۔ یہ آگ بڑی کوششوں کے بعد کوئی دس دن میں بجھی

Calcutta Art Press Delhi.

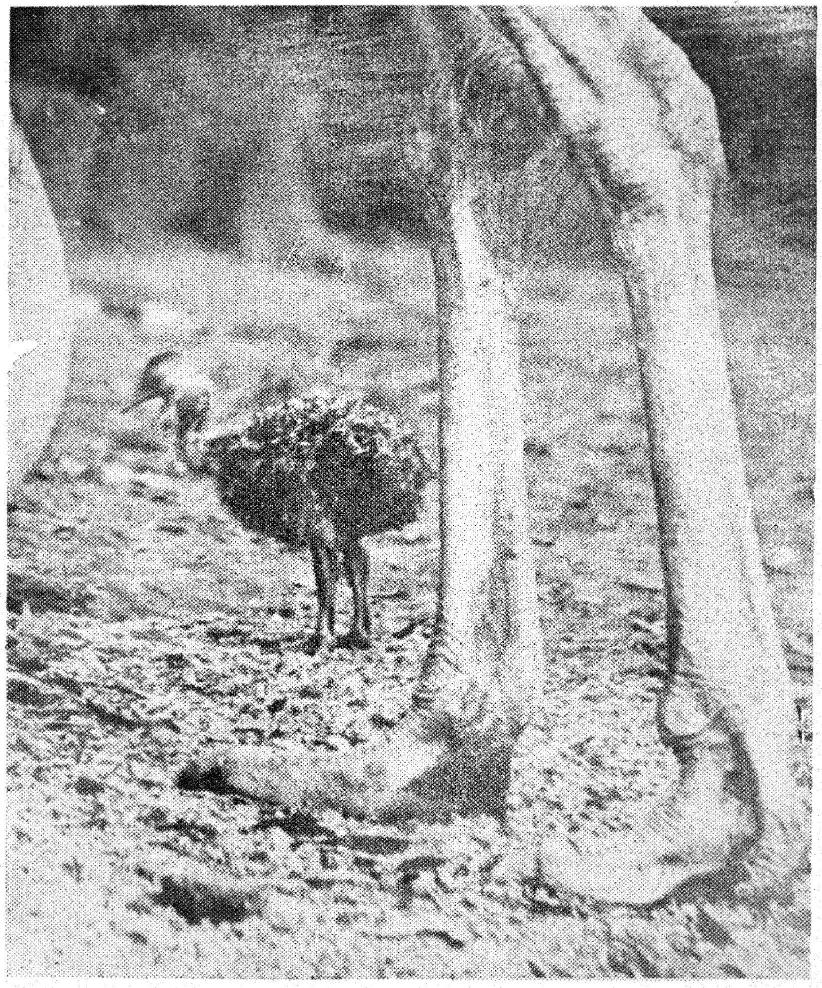

ایک شترمرغ کا بچہ اپنی ماں کے ساتھ ٹہل رہا ہے - اس کی ماں کی صرف ٹانگیں ہی دکھائی دیتی ہیں - اس سے اس کے قد کا اندازہ کیجئے -

Calcutta Art Press Delhi.

پیامِ تعلیم

جلد ۱۶ | بابت ماہ مئی ۱۹۳۴ء | نمبر ۵

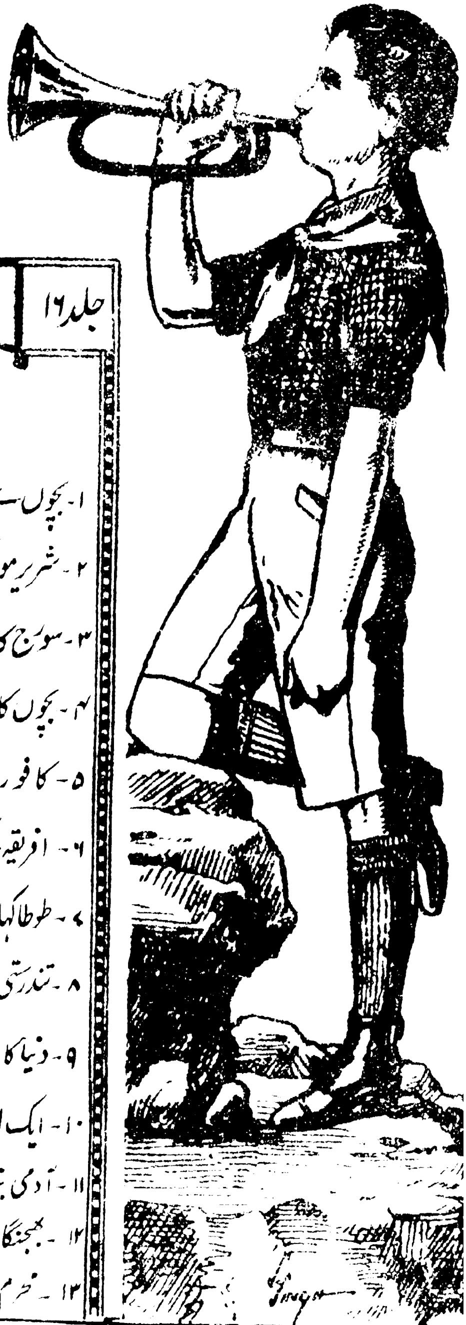

فہرست مضامین

۱۔ بچوں سے باتیں	ایڈیٹر	۱۴۷
۲۔ شریر موتی	محمد حسین حسان	۱۴۹
۳۔ سورج کا خاندان	محمود علی خاں صاحب	۱۵۵
۴۔ بچوں کا بنک	محمد حسین حسان	۱۵۸
۵۔ کافور	رشید الدین صاحب ارشد	۱۶۱
۶۔ افریقہ کے چند جانور	محمد احمد صاحب سبزواری	۱۶۲
۷۔ طوطا کہانی	پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی	۱۶۵
۸۔ تندرستی اور علم	رفیق احمد صاحب زکریا	۱۶۷
۹۔ دنیا کا مدرسہ	مولانا محوی لکھنوی	۱۷۰
۱۰۔ ایک لڑکے کی بہادری	محمد معظم صاحب جیراجپوری	۱۷۴
۱۱۔ آدمی بنانے کا آسان طریقہ	رشید الدین صاحب لاہور	۱۷۷
۱۲۔ بھجنگا	جناب پارس ناتھ صاحب سنہا	۱۷۸
۱۳۔ نظم	محمد حسین حسان	۱۸۱

زیر ادارت۔ سید انصاری بی اے و جناب محمد حسین حسان (ندوی)

پیام تعلیم کے نئے خریدار

پچھلے مہینے کی فہرست میں جناب وزارت حسین صاحب کا نام شائع نہیں ہو سکا تھا انھوں نے مارچ میں دو خریدار مرحمت فرمائے ہیں جس کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ اُن کی یہ نوازش آیندہ بھی جاری رہے گی۔

مسعود حسین صاحب ۔ ڈھاکہ
قاضی سید عبدالرحمٰن صاحب ۔ پھلواری شریف
شیخ علیم الدین صاحب ۔ بڑوت
محمد یامین صاحب ۔ کلکتہ
غلام قادر خاں صاحب ۔ ملتان شہر
فضل محمد صاحب کنٹراکٹر ۔ رنگون
جلال ابراہیم صاحب ۔ مدراس
حسین احمد خاں صاحب ۔ بہار شریف

ہمشیرہ سید محمد حکیم الدین صاحب ۔ سلطانپور
حاجی عبدالغنی صاحب ۔ دہلی
ایم ۔ اے نعیم خاں صاحب ۔ امراوتی
حکیم محمد اسحاق صاحب اعظم گڈھ
عثمان متے خاں صاحب ۔ رنگون
اسلامیہ اسکول ۔ شملہ
مولوی سید محمد صاحب ۔ حیدرآباد دکن
وزارت حسین صاحب ۔ مسوری　　دو خریدار

قیمت سالانہ ۳ روپے
فی پرچہ ۴ر

بچوں سے باتیں

اس پرچے میں ہم نے تمھاری دلچسپی اور فائدے کے لئے اچھے اچھے مضمون جمع کئے ہیں۔ انھیں میں سے ایک طوطا کہانی ہے۔ اس مضمون میں پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی قصے ہی قصے میں کس خوبی سے طوطے کے متعلق بہت سی باتیں بتا گئے ہیں اور بھئی دیکھو فیلسوف صاحب پر کیا جن سوار ہوا کہ اپنے شاگرد طوطوں کی طرح خود بھی رسّی سے لٹک گئے۔ کچھ بتا سکتے ہو کہ انھوں نے یہ کیا حرکت کی؟ جو بچے رات دن اپنا سبق رٹنے میں لگے رہتے ہیں وہ اس کہانی کو ذرا غور سے پڑھیں۔

سورج، چاند، اور دوسرے ستاروں پر جو مضمون پیام تعلیم میں نکل رہے ہیں بچوں کو ان سے بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ یہ سلسلہ ابھی جاری رہے گا۔ ہم جناب محمود علی خاں صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ وہ بڑی محنت سے اپنے پیام تعلیم کے لئے یہ مضمون لکھ رہے ہیں۔

افریقہ کے چند جانوروں پر مضمون کا سلسلہ اس نمبر سے ختم ہوتا ہے۔ مگر ہمارا خیال ہے کہ ابھی گنجائش باقی ہے۔ اور افریقہ کے بہت سے جانور ایسے ہیں جن کے حالات لکھے جا سکتے ہیں مثلاً جنگلی بھینسا وغیرہ۔ ہم نے اپنے محترم بھائی جناب محمد احمد صاحب سبزواری کو توجہ بھی دلائی تھی لیکن شاید انھیں فرصت نہیں۔ کیا اچھا ہو کہ دوسرے بھائی ان جانوروں کے حالات لکھ کر ہمیں بھیج دیں۔

بہت دنوں کے بعد پیام تعلیم کے خاص مضمون نگار مولانا محوی لکھنوی نے اس مرتبہ پیام تعلیم کے لئے بہت ہی انوکھا اور دلچسپ مضمون لکھا ہے دنیا کے مدرسے

میں وہ بھی تمہاری طرح اپنے آپ کو طالب علم سمجھتے ہیں مگر یہی بات تو انھوں نے پتے کی کہی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ تم ان کی اچھی اچھی نصیحتوں پر عمل کرنے کی دل سے کوشش کروگے۔ آؤ ہم تم سب مل کر دعا کریں کہ وہ جلدی سے خوب انگریزی پڑھ لکھ جائیں مگر کہیں انگریزی پڑھنے کے شوق اور "گھربار کے دھندوں" میں پیام تعلیم کو نہ بھول جائیں جیسا کہ پیام تعلیم کے خریدار بنانے کے وعدے کو اب کچھ کچھ بھولتے سے جا رہے ہیں۔

مارچ اور اپریل کے پرچوں میں جن انعامی مقابلوں کا اعلان کیا گیا تھا افسوس ہے کہ ان کے متعلق مضمون بہت سستی سے آ رہے ہیں۔ مارچ کے انعامی مقابلے کے لئے ہم ۱۵ روز کی مہلت اور دیتے ہیں۔ یعنی ۱۵ مئی تک اور اپریل کے انعامی مقابلے کے لئے آخر مئی تک ان تاریخوں کے بعد کوئی مضمون قبول نہ کیا جائے گا جلدی کیجئے۔

ہمارے بعض مضمون لکھنے والے بھائی مضمون لکھنے میں بہت لاپروائی سے کام لیتے ہیں، اول تو وہ خراب اور بہت ہی معمولی کاغذ پر اتنا بدخط لکھتے ہیں کہ اُس کا پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ دوسرے کاغذ کے دونوں طرف لکھتے ہیں بعض بھائی تو کارڈ پر ہی اپنا مضمون گھسیٹ کر بھیج دیتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آئندہ ان باتوں کا خیال رکھا جائے گا۔

اس مرتبہ ہم نے پیام تعلیم کے پہلے مضمون "شریر موتی" کی تصویریں دلی کے مشہور آرٹسٹ سردار سوبھا سنگھ صاحب سے بنوائی ہیں۔ سردار صاحب نے بڑی نوازش فرما کر ہمارے لئے یہ تصویریں بنائی ہیں ہم ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ امید ہے کہ اُن کی عنایتیں آئندہ بھی اسی طرح جاری رہیں گی۔

---

۳۰ اپریل کو تعلیمی مرکز نمبر ۱ کے ہال میں یوم والدین (ماں باپ کا دن) کا جلسہ بڑی کامیابی سے منایا گیا۔ اس کی غرض یہ تھی کہ بچوں کے سرپرستوں اور بچوں کے استادوں میں تعلق اور دوستی پیدا ہو جائے اور بچوں کی تعلیم اور تربیت کے اہم کام کو دونوں مل کر انجام دیں۔ جلسہ کامیاب رہا۔

شریر موتی

(محمد حسین حسان ندوی)

موتی اپنی ماں اور چھوٹے چھوٹے ننھے ننھے بہن بھائیوں کے ساتھ رہتا تھا۔ یہ بہن بھائی بڑے ہی اچھے تھے، اور اپنی پیاری ماں کے اشارے پر دن بھر سوتے رہتے تھے، بس ایک موتی بہت شریر تھا، اسے اپنے بھائی بہنوں کو دق کرنے میں مزا آتا تھا، جوں ہی وہ بے چارے سوجاتے ان کی دم کاٹنے لگتا کہ وہ پریشان ہوکر پھر بھاگ جائیں، اب تم ہی سوچو یہ بھی کوئی دگی ہے کہ دوسروں کو خواہ مخواہ پریشان کیا جائے۔

ایک دن صبح کو موتی میاں کہنے لگے میں تو بڑا ڈراؤنا ہوں جس وقت ڈراؤنی آواز سے بھونکوں گا تو ہر چیز مجھ سے ڈر جائے گی۔" پھر جس طرح اپنی ماں کو بھونکتے سُنا تھا اسی طرح آپ بھونکنے بھی لگے، مگر سبحان اللہ بڑی کوششوں کے بعد ایک باریک اور پتلی سی آواز آپ اپنے منہ سے نکال

سکے ۔

ماں نے جو سنا تو کہنے لگی اوہو آپ واقعی بڑے ڈراونے کتے ہیں ، نالائق ! بے وقوف !! تو اتنا سا تو ہے آخر مجھے بتا تیری آواز سے کون ڈر جائے گا ، جاؤ اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ جا کر فوراً سو رہو ۔

یہ تیز تیز باتیں وہ کہنے کو تو کہہ گئی ، مگر اس سی یہ سمجھنا کہ اسے اپنے بچے سے محبت نہیں تھی وہ موتی کو بہت پیار کرتی تھی اور اب اس سے نہ رہا گیا تو اسے زبان سے چلتے بھی لگی ۔

موتی نے جب اپنی ماں سے یہ بات سنی کہ ابھی وہ ناسمجھ بچہ ہے تو بہت رنجیدہ ہوا اسے اب بھی یقین تھا کہ اگر اس نے بھونکنا شروع کیا تو ہر ایک ڈر جائے گا

اسی دن صبح کو اس کی ماں تو بک جھک کے ذرا دیر کے لئے کہیں چل دی ۔ اب میاں موتی کو ذرا آزادی ملی وہ بھی اپنے دربے میں سے نکل بھاگے اور اکیلے باڑے کے ادھر ادھر گھومنے لگے ۔ اس فکر میں تھے کہ کوئی مل جائے تو ذرا اسے تنگ کریں، آخر میں سامنے کچھ گھوڑے نظر پڑے مگر بھئی وہ تو اتنے بڑے تھے کہ میاں موتی انھیں کیا پریشان کر سکتے تھے پھر کچھ بھیڑیں دکھائی دیں ، ان کو بھی یہ کیا چھیڑ سکتے تھے ، اس کے بعد کچھ اونٹ دکھائی دیئے ، یہ تو اُن کے لئے بہت ہی بڑے تھے ، مگر تھوڑی دیر میں ان کی مراد پوری ہوئی ، ایک مرغی کا بچہ اپنی ماں کی تلاش میں ادھر اُدھر پھر

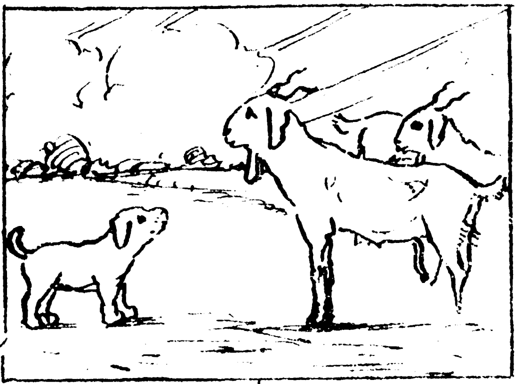

رہا تھا، بے شک یہ اتنا بڑا تھا کہ اسے یہ خوب پریشان کر سکتے تھے، پس پھر کیا تھا اپنی ننھی سی آواز میں انھوں نے "کیں کیں" کرنا، گویا اپنے نزدیک زور زور سے بھونکنا شروع کیا، وہ اپنی زبان میں کہہ رہے تھے میں ڈراؤنا کتا ہوں میں تو تجھے کاٹوں گا، مرغی کا بچہ

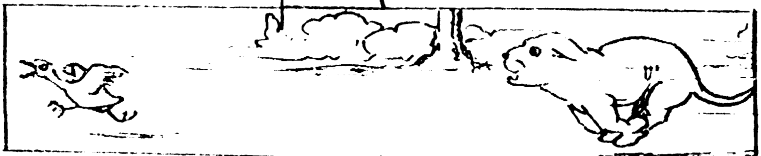

بے چارا چیں چیں کرتا بھاگا، موتی اس کے پیچھے بھاگا اُسے اس میں بڑا مزا آرہا تھا، دوسروں کو تنگ کرنا بھی کیا مزے کا مذاق ہے۔

ارے! یہ کیا!! مرغی اپنے چھوٹے بچے کو تلاش کر رہی تھی، اس نے جو دیکھا کہ موتی اس کے بچے کا پیچھا کر رہا ہے تو اسے بڑا تاؤ آیا غصے میں اپنے پر پھیلائے۔

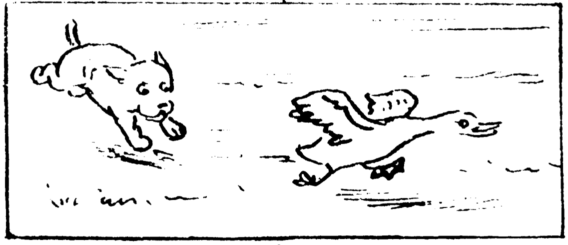

"کلک کلک کلک" اس نے چیخ کر کہا تو میرے بچے کا پیچھا کر رہا تھا، تو، تو شریر نالائق اچھا دیکھ اب میں تیرا پیچھا کرتی ہوں" وہ اس کے پیچھے دوڑی اس کی دُم پکڑ لی اور اُسے باڑے سے باہر بھگا دیا

موتی بہت ڈر گیا تھا۔ پاس ہی باڑھ تھی اس میں چھپ گیا، بے چارا سر سے پیر تک کانپ رہا تھا، تھوڑی دیر میں مرغی ایک طرف کو چلی گئی، اب موتی کی سمجھ میں آیا کہ دوسروں کو تنگ کرنا کچھ ایسا اچھا مذاق نہیں اس میں اپنے آپ کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔

مرغی اور بچہ تو نظروں سے غائب ہو ہی چکے تھے موتی بھی اپنے دربے کی طرف جانے والا تھا کہ اتنے میں بطخ کا چھوٹا سا بچہ نظر آیا یہ بھی اپنی ماں کی تلاش میں باڑے میں گھوم رہا تھا، موتی کو پھر شرارت سوجھی ہاں! یہ چیز تو اتنی بڑی نہیں کہ اسے تنگ نہ کیا جاسکے اس نے اپنی اسی آواز میں بھونکنا اور بچے سے کہنا شروع کیا، میں تو بڑا ڈراؤنا کتا ہوں میں تو تجھے کاٹوں گا بطخ کا بچہ بے چارا چیختا ہوا بھاگا۔ اور موتی اس کے پیچھے دوڑا اسے بڑا مزا آرہا تھا، دوسروں

کو تنگ کرنا واقعی خوب مذاق ہے۔

مگر یہ کیا؟ بچے کی ماں بی بطخ اپنے بچے کو ڈھونڈتی ہوئی چلی آرہی تھیں۔ انھوں نے جو یہ ماجرا دیکھا تو بہت ناراض ہوئیں، زور سے زمین پہ پیر مارا اور غصے میں چیخ کر بولیں۔ شریر بچے تو میرے بچے کو پریشان کر رہا تھا، ابھی میں تجھے اس کا مزا چکھا دوں گی بی بطخ موتی کے پیچھے دوڑیں، اس کی دم پکڑ لی اور باڑے کے باہر تک بھگا آئیں، موتی سہما ہوا تھا، وہ ایک کانٹے دار جھاڑی کے پیچھے چھپ گیا، غریب سر سے پیر تک لرز رہا تھا، بی بطخ اپنے بچے کو لے کر چلی گئیں موتی کو ذرا اطمینان ہوا، اور دل میں سوچنے لگے، دوسروں کو تنگ کرنا ہنسی کھیل نہیں اپنے آپ بھی جوکھم اٹھانا پڑتی ہے۔ اب وہ پھر باڑے میں آگئے، بی بطخ اور ان کا بچہ نظروں سے غائب ہو چکے تھے

مگر اب کی انھیں قاز کا بچہ نظر آیا، بے چارا اپنی ماں کی تلاش میں ادھر ادھر مارا مارا پھر رہا تھا، تم جانو، شرارت تو موتی کی گھٹی میں پڑی تھی، آپ کو پھر جوش آیا اور دل میں وہی فقرے دہرانے لگے، یہ چیز تو اتنی بڑی نہیں ہے کہ اسے تنگ نہ کیا جا سکے اور فوراً آپ بھونک بھونک کر کہنے لگے، میں بڑا ڈراؤنا کتا ہوں، میں تجھے کاٹوں گا، قاز کا بچہ بے چارا بے تحاشہ بھاگا، اور یہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لئے جی میں بہت خوش تھے اور کہہ رہے تھے کہ دوسروں کو پریشان کرنے میں بڑا مزا آتا ہے۔

مگر یہ کیا آفت! بی قاز بیگم اپنے بچے کو ادھر ادھر ڈھونڈھتی پھر رہی تھیں اور جب انھوں نے دیکھا کہ موتی ان کے بچے کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ تو انھیں بڑا طیش آیا غصے میں اپنی لمبی گردن اور لمبی کر لی اور ہس ہس کرکے بڑی زور سے چیخیں، میرے بچے کو پریشان کرنے کی کیسے ہمت ہوئی بدتمیز بچے، وہ اس کے پیچھے دوڑیں اور اس کی ننھی ننھی سی دم چونچ سے پکڑ باڑے سے باہر تک بھگا آئیں، موتی بہت ڈرا ہوا تھا ایک پرانے ڈول کے پیچھے چھپ گیا، بے چارا ڈر کے مارے کانپ رہا تھا، قاز اپنے بچے کو لے کر چلی گئی۔ تو اس کی جان میں جان آئی اور لگے پھر وہی خیال آیا دوسروں کو تنگ کرنے میں اپنے اوپر بھی مصیبت آتی ہے۔ بی قاز بیگم اور ان کا بچہ نظروں سے غائب ہو چکے تھے

مگر اب ایک نیا شکار اس کے ہتھے چڑھا بلی کا ایک ننھا منھا بچہ اپنی ماں کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑتا پھر رہا تھا۔ موتی پر تو آج شرارت کا بھوت سوار تھا، وہ اپنی پچھلی شرارت بالکل بھول گیا، اور پھر وہی پہلی بات اپنے جی میں کہنے لگا۔ یہ چیز تو اتنی بڑی نہیں کہ اسے تنگ نہ کیا جا سکے، اپنے پھر بھونکنا شروع کیا، اور بھونک بھونک کر کہنے لگے، دیکھو میں کتنا ڈراؤنا کتا ہوں میں تو تجھے کاٹوں گا

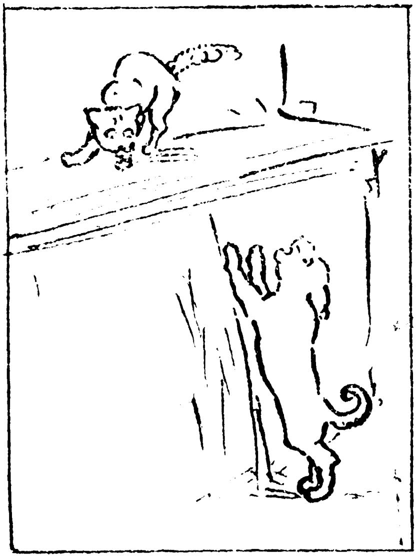

بلی کا ننھا منھا بچہ "میو میو" کرتا بھاگا، موتی نے اس کا پیچھا کیا، دل میں بہت خوش تھے اور کہہ رہے تھے کہ دوسروں کو تکلیف دینے میں بھی کیا مزا آتا ہے۔ مگر پھر وہی ناگہانی مصیبت!

بلی خالہ اپنے بچے کو ادھر ادھر تلاش کر رہی تھیں ان کی نظر ادھر پڑی اور دیکھا کہ کتے کا پلا ان کے بچے کا پیچھا کر رہا ہے تو مارے غصے کے دوہری ہو گئیں اپنی پیٹھ موڑی غصے میں میاؤں، میاؤں کر کے چیخیں اور کہنے لگیں، بدتمیز پلے تیری یہ ہمت، پھر وہ تیزی سے اس کے پیچھے دوڑیں اور اس کی ننھی سی دم دانتوں میں دبا لی ادھر تو موتی اس مصیبت میں مبتلا تھا ہی، ادھر بی مرغی خانم، بی بطخ اور بی قاز بیگم، موتی کو تلاش کرتے کرتے ادھر آ پہنچیں اور اسے دیکھ کر چاروں پنجوں اس کی طرف دوڑیں موتی بے چارا ان دشمنوں کی فوج سے بچنے کے لئے ایسا بے تحاشا بھاگا

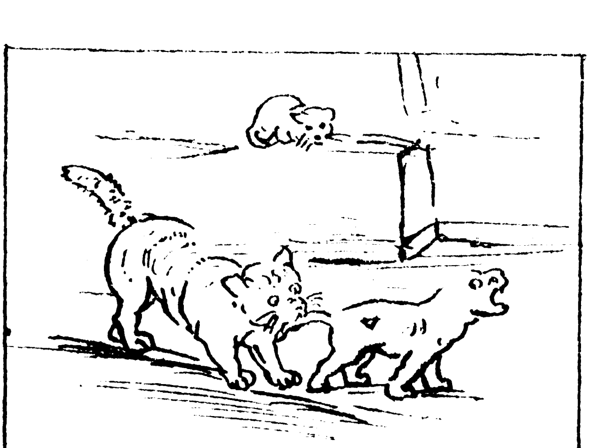

۔تو یہ ہی بھلی
مگر یہ کیا اب تو نقشہ ہی بدل گیا ، بات

موتی کی ماں اسے دربے میں لے گئی ، اور
اس سے کہنے لگی ، تم بالکل احمق بچے ہو ، جاؤ

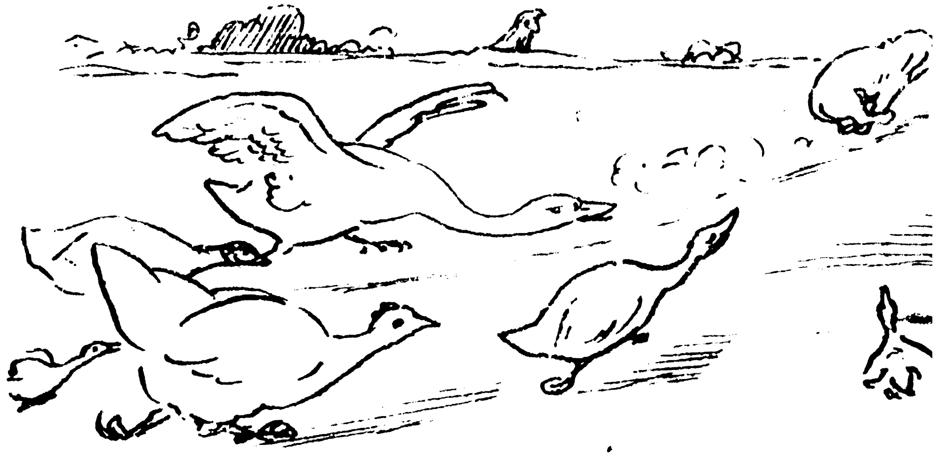

یہ ہوئی کہ موتی کی ماں اپنے بچے کو تلاش کرتی پھر رہی تھی ، اس نے جو دیکھا کہ یہ سب کے سب بری طرح اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں تو اسے بہت ہی غصہ آیا ، اس نے اپنی ڈراونی آواز میں بھوں بھوں کرنا شروع کیا اور ان سے غصے میں بولی ، بدذاتو! تم میرے بچے کا پیچھا کر رہی تھیں ، مگر اب میں تمھارا پیچھا کروں گی ، اب کیا تھا یہ پانچوں بیگمات مارے ڈر کے بدحواس ہو گئیں ۔ اور سر پر پیر رکھ کر بھاگیں ۔

فوراً جا کر سو رہو۔"

موتی فوراً سونے چلا گیا اس نے سوچا میں کچھ بے وقوف تو ضرور ہوں ، مگر اس میں تو شک نہیں کہ دوسروں کو تنگ کرنے میں آتا ہے بڑا مزا مگر یہ اس وقت تک کہ دوسرے تمھیں تنگ نہ کرنے لگیں ۔

اتنی دیر بھاگ دوڑ کی وجہ سے وہ اس قدر تھک گیا تھا کہ اس نے اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ بھی شرارت نہیں کی نہ ان کی دموں پر منہ مارا بس فوراً ہی پڑ کر سو گیا

پچھلے پرچے میں یہ تو آپ نے پڑھ لیا کہ ہماری دنیا سورج کی لڑکی اور چاند ہماری دنیا کا لڑکا ہے۔ شاید آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہو کہ بے چارے سورج کے صرف ایک لڑکی اور ایک نواسہ ہی، اور آگے پیچھے کوئی نہیں، اس لئے آج ہم سورج کے دوسرے بچوں یعنی اپنے بھائی بہنوں کا حال لکھیں گے۔

یوں تو سورج کے لاکھوں بچے ہیں، اللہ رکھے بہت بڑا خاندان ہے لیکن مشہور مشہور ہماری دنیا کے علاوہ سات ہیں، ان میں سے پانچ تو ہم سب کو دکھائی دیتے ہیں اور دو ایسے ہیں جو بڑی زبردست خوردبینوں کے بغیر دکھائی نہیں دیتے۔ پہلے جب خوردبینیں نہیں بنی تھیں اس وقت عام طور پر لوگ یہی جانتے تھے کہ سورج کے یہی پانچ بچے ہیں لیکن اب خوردبینوں سے دیکھنے سے دو کا اور پتہ چلا۔

ان سب کو سیارے کہتے ہیں، سیارے وہ ستارے ہیں جو حرکت کرتے معلوم ہوں لیکن آسمان کے وہ ستارے جو حرکت کرتے ہوئے دکھائی نہ دیں انھیں "ثابت" کہتے ہیں، اور اس کی جمع ثوابت ہی

ثوابت اور سیاروں میں ایک پہچان آپ کو بتائیں، یوں تو آپ کو آسمان کے سب ستارے چلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، اس لئے کہ آپ کی دنیا چل رہی ہے، وہ اپنی جگہ پر قائم ہیں، اور ان میں آپس میں ایک دوسرے کے فاصلے میں کبھی فرق نہیں پڑتا۔

مثلاً ایک سڑک پر چند آدمی موٹروں اور تانگوں پر جا رہے ہوں، تو موٹریں آگے نکل جائیں گی، تانگے رہ جائیں گے۔ اسی طرح بوڑھے آدمی آہستہ چلتے ہیں وہ پیچھے رہ جائیں گے۔ جوان تیز قدم چلتے ہیں وہ آگے نکل جائیں گے۔ غرض ان میں

آپس کا فاصلہ کبھی برابر نہیں رہ سکتا کیونکہ وہ سب چل رہے ہیں، ثوابت بھی اگر چلتے ہوتے تو ان کے آپس کے فاصلے میں ضرور فرق پڑ جاتا، تجربے کے لئے آپ آسمان پر خوب پہچان کر کوئی تین ستارے لے لیجئے، اور اندازہ کر کے اپنی کاپی پر اس طرح کا نقشہ بنا لیجئے۔

اب جب کبھی آپ ان ستاروں کو دیکھیں گے (چاہے سال بھر بعد دیکھیں) تو نقشہ یہی رہے گا، بس سمجھ لیجئے کہ یہ ثوابت ہیں، اور اگر یہ نقشہ بدل جائے تو سمجھ لیجئے کہ جن دو کا فاصلہ نہیں بگڑا ہو وہ تو ثوابت

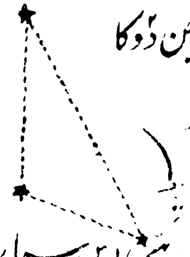

ہیں اور تیسرا سیارہ ہے، اس سیارے کو آپ برابر دیکھتے رہئے، یہ سارے آسمان پر چکر کاٹ کر کچھ دنوں کے بعد غائب ہو جائے گا، یہی آپ کا کوئی بھائی یا بہن ہے۔

دیکھنے میں یہ سیارہ اور دوسرے ثوابت ایک سے فاصلے پر معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ بات بھی غلط ہے، آپ کسی باغ کے سامنے بہت دور کھڑے ہو جائیے، اس باغ میں کچھ درخت آگے ہوں گے، کچھ پیچھے ہوں گے، کچھ بہت پیچھے لیکن یہ سارے درخت آپ کو ایک قطار میں نظر آئیں گے، اب اگر کوئی آدمی ان درختوں کے سامنے سے گذرے تو دور سے آپ کو وہ بھی انھیں درختوں کی قطار میں دکھائی دے گا، چاہے وہ ان سے کتنی ہی دور پر جا رہا ہو۔ یہی حال ان سیاروں کا ہے، یہ ثوابت سے بہت دور ہیں۔ لیکن ہم چونکہ خود بہت دور سے ان سب کو دیکھ رہے ہیں، اس لئے یہ سیارے ہمیں انھیں کے برابر میں چلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں جیسے وہ آدمی باغ کے درختوں میں سے ایک کے پاس سے گذرتا ہوا نظر آتا ہے۔

جیسے ہماری دنیا سورج کے چاروں طرف گھومتی ہے، ایسے ہی یہ سب سیارے سورج کے چاروں طرف گھومتے ہیں، ان میں سے بعض ہماری دنیا سے بڑے ہیں، بعض چھوٹے ہیں، بعض سورج سے بہت قریب ہیں، اور بعض ہماری دنیا سے بھی

زیادہ دور ہیں، اچھا، آیئے، اب آپ کو ان کے نام بتلائیں، یہ نام آپ خوب اچھی طرح یاد کرلیں اس کے بعد ایک ایک کا حال لکھیں گے۔

۱۔ عطارد ۲۔ زہرہ ۳۔ مریخ ۴۔ مشتری

۵۔ زحل ۶۔ یوری نس ۷۔ نیپ چون

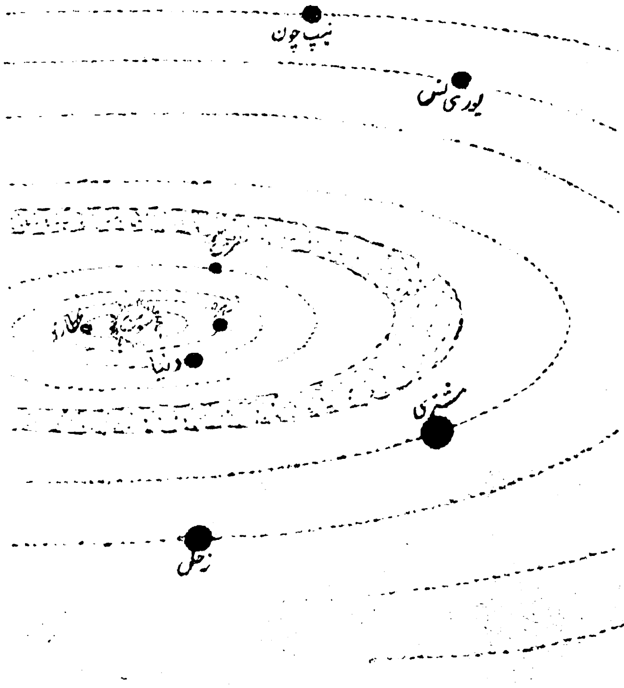

لطیفہ

استاد:۔ چند ایسی بہت زیادہ اہم چیزوں کے نام بتاؤ جو آج کل موجود ہیں آج سے سو برس پہلے موجود نہ تھیں

لڑکے:۔ (ایک آواز میں) "ہم"۔

بچوں کا بنک اور دکان

پچھلی مارچ کے پیام تعلیم میں تم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ کسی اگلے پرچے میں تعلیمی مرکز (بچوں کے مدرسے) کے بنک پر ایک مضمون شائع کریں گے، آج ہم اس وعدے کو پورا کرتے ہیں۔ یہ مضمون اس مدرسے کے کئی بچوں کا لکھا ہوا ہے، ہم نے بس اتنا کام کیا ہے کہ اس کے مختلف ٹکڑوں کو ترتیب سے جوڑ دیا ہے، اور کہیں کہیں ان کو آسان کر دیا ہے۔ (ایڈیٹر)

اپنے بنک کا ذکر کرنے سے پہلے ہم آپ کو یہ بتادیں کہ پہلے زمانے میں بنک کا رواج نہیں تھا لوگ اپنا روپیہ پیسہ زمین میں دبا دیتے تھے، یا زمین اور جائداد خرید لیتے تھے، نہ کہیں روپیہ جمع ہوتا تھا، نہ قرض کا کوئی ٹھیک حساب کتاب تھا آخر آہستہ آہستہ لوگوں کو اس بات کا خیال پیدا ہوا کہ کوئی تدبیر ایسی کرنی چاہئے جس سے لوگوں کا روپیہ بھی محفوظ رہے، اور ان کو نفع بھی ملتا رہے پہلے تو لوگ اپنے طور پر یہ کام کرتے تھے یعنی روپیہ اپنے پاس جمع کرتے اور سود پر قرض دیتے تھے ہمارے ہندوستان میں اب تک یہ طریقہ چلا آتا ہے بنئے بقال اور مہاجن یہی کام کرتے ہیں۔ انگلستان اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں یہودی یہ کاروبار کرتے تھے، پھر آہستہ آہستہ بہت سے لوگ مل کر اس کام کو چلانے لگے، اور اسی صورت نے ترقی پاکر بنکوں کی شکل اختیار کرلی۔ شروع شروع میں بنکوں کی حالت کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی، یہ کہیں دو سو سال میں ترقی کرتے کرتے اس حالت کو پہنچے ہیں، اور اب تو ان کی یہ حالت ہے کہ ان کے کاروبار کا سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں، اچھے اچھے آدمی چکرا جاتے ہیں، سنتے ہیں کہ انگلستان کے سب سے بڑے بنک کے منیجر کا رتبہ وزیر اعظم کے برابر مانا جاتا ہے اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ بنکوں کی کیا شان ہے بہرحال آپ ہمارے بنک کے حالات معلوم کرنے

کے لئے بے چین ہوں گے تو سنئے بات یہ ہوئی کہ ہمارے مدرسے میں باغبانی اور کھیتی باڑی کا کام بھی سکھایا جاتا ہے، باغ میں جو لڑکے کام کرتے ہیں انھیں مزدوری بھی ملتی تھی، مزدوری کے پیسوں کو لڑکے چٹورپن اور دوسری فضول خرچیوں میں اُڑا دیتے تھے، ہمارے اچھے ہیڈ ماسٹر صاحب کو یہ فکر ہوئی کہ اس طرح تو بچوں میں فضول خرچی اور چٹورپن کی عادت پڑ جائے گی اور پیسے الگ برباد ہوں گے بہت سوچ بچار کے بعد انھوں نے یہ طے کیا کہ بچوں کا ایک بنک کھولا جائے جس میں یہ اپنے پیسے جمع کریں اور خاص ضرورت کے وقت نکلوا لیا کریں۔

آخر ۱۰ نومبر ۱۹۳۰ء کو یہ بنک قائم کیا گیا مدرسے کے لڑکوں کو شروع ہی سے اس بنک سے دلچسپی پیدا ہوگئی اور وہ بہت خوشی اور شوق سے اپنے روپے پیسے اس میں جمع کرانے اور وقت پر نکلوانے لگے۔ آہستہ آہستہ اس بنک نے بہت ترقی کی یہاں تک کہ پچھلی فروری میں اس میں چھ سو روپے جمع تھے۔ بنک کے ممبروں کی تعداد بھی ۲۲۰ تک پہنچ گئی ہے۔

بچوں کی دوکان بنک قائم ہونے کے کچھ دنوں بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ جو روپیہ جمع ہوتا ہے، اسے مفید کام میں لگایا جائے اور اُس سے جو نفع ہو بنک کے ممبروں میں تقسیم کیا جائے۔ آخر یہی قرار پایا، کہ مدرسے میں کتابوں اور لکھنے پڑھنے کے سامان کاغذ قلم، دوات وغیرہ کی دکان کھولی جائے، اور اسی میں لڑکوں کے لئے کھانے پینے کی چیزیں بھی رکھی جائیں اس سے ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ مدرسے میں لڑکوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی، انھیں کاغذ دوات، قلم اور دوسرے ضروری سامان خریدنے کے لئے شہر جانا پڑتا تھا، دکان کھل جانے سے انھیں تمام چیزیں گھر کے گھر ہی میں ملنے لگیں۔

شروع شروع میں تو دکان کی بکری کم ہوتی تھی مگر اب یہ حال ہے کہ ہماری دکان میں خدا کے فضل سے لکھنے پڑھنے، اور کھانے پینے کا ہر قسم کا سامان ہر وقت موجود رہتا ہے، یہی نہیں بلکہ جامعہ میں جلسوں وغیرہ کے لئے ہم نے چاندنی اور فرش کا انتظام بھی کیا ہے، اور ضرورت کے وقت کرایہ پر دے دیتے ہیں۔

دکان میں چیزیں فروخت کرنے کی تین صورتیں ہیں، نقد، قرض، امانت، نقد اور قرض تو آپ جانتے ہی ہیں، امانت کی صورت یہ ہے کہ سال کے شروع میں مدرسے کے ہر لڑکے سے ایک مقررہ رقم وصول کرلی جاتی ہے اور سال بھر تک لکھنے پڑھنے کا تمام سامان اس کے لئے فراہم کیا جاتا ہے۔

نفع اس دکان سے ہمیں امید سے زیادہ نفع ہوا پہلے ہی سال یعنی اگست سنہ ۳۱ء سے مئی سنہ ۳۲ء تک ایک سو چوبیس روپے نفع ہوا، اس میں سے ۲۵ فیصدی بنک کے ممبروں کو تقسیم کیا گیا، اگست سنہ ۳۲ء سے مئی سنہ ۳۳ء تک نفع کی مقدار کئی سو تک بڑھ گئی، بنک کے ممبروں کو ۲۵ فیصدی اور ساڑھے بارہ فیصدی نفع تقسیم کیا گیا۔ اتحادی دکان کے پانچ پانچ روپے کے بیس حصے خریدے گئے، علاوہ اس کے اسّی روپے کے ایسے حصے خریدے گئے کہ دو سال کے بعد اسّی کے سو روپے دکان کو مل جائیں گے۔ (کیش سرٹیفکٹ)

خدا کا شکر ہے کہ اب ہماری دکان اپنے پیروں ہی پر نہیں کھڑی ہے بلکہ مدرسہ، مدرسہ کے کتب خانے اور مدرسے میں جو جلسے ہوتے ہیں اُن کی کچھ تھوڑی بہت مدد بھی کرتی رہتی ہے۔

باغیچہ کی خاص طور سے مدد کی جاتی ہے علاوہ اس کے ہر سال بنک اور دکان کے سالانہ جلسوں میں تمام لڑکوں اور استادوں کی چائے کی دعوت بھی کی جاتی ہے۔

یہ بتانا تو ہم بھول ہی گئے کہ دکان اور بنک دونوں کا قریب قریب سارا انتظام ہم خود ہی کرتے ہیں، ہمارے مہربان استاد ہماری صرف نگرانی کرتے ہیں، یا کبھی کبھی ہدایتیں اور مفید مشورے دیتے رہتے ہیں

بنک اور دکان میں کام کرنے سے بھی بہت سی اچھی اچھی اور مفید باتیں معلوم ہوگئیں جو آگے چل کر ہمارے کام آئیں گی، ایک تو یہ کہ بنک کس لیے کھولے جاتے ہیں، ان میں کس طرح کام کیا جاتا ہے اور لوگوں کو ان سے کیا فائدے پہنچتے ہیں۔

بنک کے روپے سے جو کاروبار کیا جاتا

---

۵ اگست سنہ ۲۹ء سے مئی سنہ ۳۳ء تک یعنی پچھلے چار سالوں میں بنک کے ممبروں کو ہر سال جمع کی ہوئی رقم کا ۵۱ فی صدی نفع تقسیم کرنے کے بعد اس وقت ۱۰۰ روپے فاضل نفع کے طور پر بچ گئے ہیں یہ رقم اب بنک کا محفوظ سرمایہ کہلاتی ہے۔

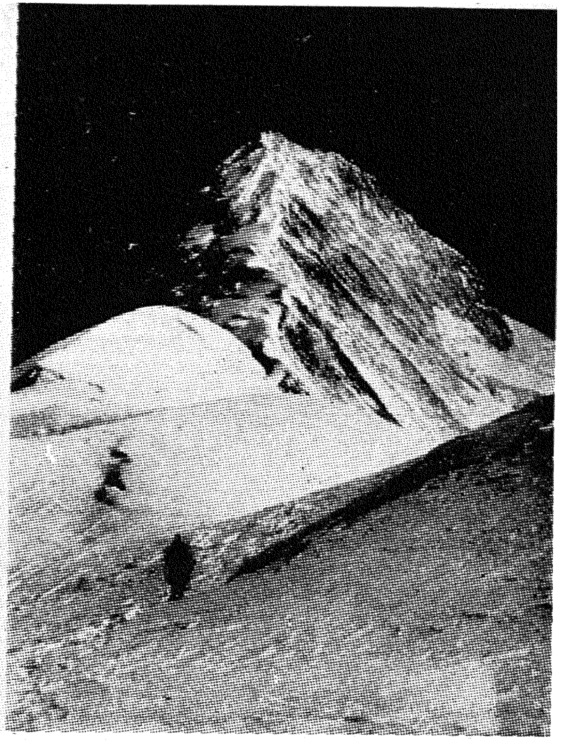

دنیا کا سب سے اُونچا پہاڑ ہمالیہ ہے - اور اس کی سب سے اونچی چوٹی ایورسٹ مشہور تھی اب معلوم ہوا یہ دونوں چوٹیاں ایورسٹ سے بھی اونچی ہیں ان کے نام اِنیا کونکا اور امنی مچن ہیں -

Calcutta Art Press Delhi.

کلیوڈا کی بکریاں بہت مشہور ہیں اس تصویر میں کچھ بکریاں
ایک مکان کی چھت پر تفریح کر رہی ہیں

Calcutta Art Press Delhi.

ہے، اسے تجارت کہتے ہیں۔ اب جس چیز کی تجارت میں ہم روپیہ لگائیں گے، اس کے متعلق ہم بہت سی کام کی باتیں جان جائیں گے، جو انشاء اللہ آگے چل کر ہمارے لئے بہت مفید ثابت ہوں گی

کافور بھی عجیب و غریب چیز ہے آپ میں سے اکثر نے تو اسے دیکھا بھی ہوگا سفید جو کور سی ٹکیہ ہوتی ہے بہت ہلکی اور ملائم اس میں سے دھیمی دھیمی خوشبو آتی ہے۔ یہ جل بھی سکتی ہے اسے آگ لگا کر پانی میں ڈال دیں تو یہ پانی میں تیرتی ہوئی جلتی ہے اور عجیب بہار دیتی ہے بچے اسے پانی میں جلتے دیکھ کر بے حد خوش ہوتے ہیں۔

بہت سے پیام بھائی شاید یہ نہ جانتے ہوں کہ یہ چیز آتی کہاں سے ہے کیا درخت پر پھلوں کی طرح لگتی ہے، یا زمین سے نکلتی ہے، نہیں یہ بات نہیں، آؤ ہم تمھیں بتائیں کہ دراصل یہ کیا چیز ہے اور کہاں سے آتی ہے

یہ چیز اصل میں ایک درخت کا ست ہے اس کا درخت جزیرہ فارموسا میں کثرت سے پایا جاتا ہے، علاوہ اس کے چین، جاپان اور فلاڈلفیا (امریکا) میں بھی کثرت سے ملتا ہے، ان درختوں کو پہلے کاٹتے ہیں، پھر اس کی لکڑی کے ٹکڑے کرتے ہیں، ان ٹکڑوں کو ایک بڑی دیگ میں ڈال کر اس دیگ کو پانی سے بھر دیتے ہیں پھر بہت بڑے چولھے میں آگ جلا کر اس پر رکھ دیتے ہیں۔

جب بھاپ اچھی طرح نکلنے لگتی ہے تو دیگ کے منہ پر ایک بانس یا لوہے کا موٹا نل لگا کر دیگ کا منہ اچھی طرح سے بند کر دیتے ہیں، اس نل کا دوسرا سرا ایک اور بڑے برتن میں ڈال کر اس کا منہ بھی اچھی طرح بند کر دیتے ہیں بھاپ دوسرے برتن میں جمع ہوتی جاتی ہے۔

جب دیکھتے ہیں کہ بھاپ اچھی طرح اکٹھی ہو چکی ہے کہ تو اس برتن کو جس میں بھاپ جم جاتی ہے، بہت سے برف میں دبا دیتے ہیں یہاں تک کہ بھاپ جم جاتی ہے پھر ان جمی ہوئی بھاپ کو برتن سے نکال کر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیتے ہیں اور دوسرے ملکوں کو بھیج دیتے ہیں بس یہی کافور ہے جو ہم تم بازاروں میں خریدتے ہیں۔ اس چیز کے سوداگر زیادہ تر چین اور جاپان کے لوگ ہیں، وہ بہت مالدار ہوتے ہیں، کیوں کہ یہ چیز بہت قیمتی ہوتی ہے۔

(محمد رشید الدین، لاہور)

افریقہ کے چند جانور

۱- ہاتھی ۲- زیبرا ۳- جرک

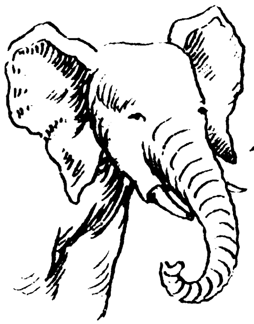

محمد احمد سبزواری بھوپال

ہاتھی کو کون نہیں جانتا ، شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہو جس نے ہاتھی نہ دیکھا ہو ، خشکی کے تمام جانوروں میں سب سے زیادہ اور بڑے جسم والا جانور یہی ہے ، اس کی

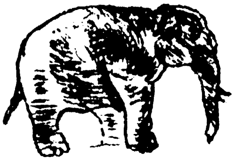

۵ ، ۶ فٹ لمبی سونڈ ہوتی ہے ، جس کے آخری سرے پر ایک ہونٹ ہوتا ہے ، ہاتھی پانی اسی سونڈ سے پیتا ہے ، اور اپنے اسی پتلے ہونٹ کی وجہ سے زمین سے چھوٹی سے چھوٹی چیز اکنی دونی (چاندی کی) یہاں تک کہ سوئی بھی اٹھا لیتا ہے ، آدمی جتنے کام اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے ، ہاتھی اپنی سونڈ سے کرتا ہے ، اسی کے ذریعے اپنا کھانا کھاتا ہے ، اس کی مدد سے بڑے بڑے درختوں کو گرا دیتا اور بڑے بڑے بھاری وزن اٹھاتا ہے ، گھنے جنگلوں میں رہتا ہے ، اور وہاں بانس ، درختوں کی پتیاں اور گھاس وغیرہ اس کی غذا ہیں ، گرمی کی اسے زیادہ برداشت نہیں ، پانی کا بہت زیادہ شوقین ہے ، اور دن میں ایک آدھ مرتبہ ضرور نہاتا ہے ۔

ہمارے یہاں کے ہاتھیوں اور افریقہ کے ہاتھیوں میں کچھ فرق ہے سب سے بڑی چیز تو یہ ہے کہ ہمارے یہاں ہاتھی کو پالا جاتا ہے ، اور پہلے زمانے میں لڑائی کے موقعوں پر اس سے بہت کام لیتے تھے ، اور اب بھی شادی بیاہ ، جلوس اور شکار وغیرہ میں اس سے کام لیا جاتا ہے ، برہما اور سیام کے لکڑی کے کارخانوں

میں اس کی حیثیت ایک مزدور کی سی ہے، دن بھر یہ بڑے بڑے لٹھے جنگل سے لاکر کارخانے میں رکھتا ہے، مگر افریقہ میں کبھی ہاتھی کو پالا پلایا نہیں گیا، اور وہاں کثرت سے اس کا شکار ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ افریقہ کے ہاتھی کے کان بہت چوڑے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کی چوڑائی ۵، ۶ فٹ کے قریب ہوتی ہے۔ اس کی ٹانگیں ہندوستانی ہاتھی کی بہ نسبت زیادہ لمبی ہوتی ہیں، پھر اس کی سونڈ کے سرے پر دونوں طرف دو دو انگلیاں سی ہوتی ہیں علاوہ اس کے ہمارے یہاں صرف نر ہاتھی کے دانت ہوتے ہیں، مگر افریقہ میں نر اور مادہ دونوں کے دانت ہوتے ہیں۔ بلکہ مادہ کے دانت بہت لمبے ہوتے ہیں، اور اکثر ۹، ۱۰ فٹ باہر نکلے رہتے ہیں، اور چونکہ اس کے دانت بہت قیمتی ہوتے ہیں، اور اس سے بہت سی چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ اس لئے یہاں کے بعض حصوں میں تو ہاتھیوں کو مار مار کر بالکل ختم ہی کر دیا گیا، اور اگر حکومت نے ان کی خبرگیری نہ کی اور یہ اسی طرح ہلاک ہوتے رہے تو بہت جلد افریقہ میں ہاتھی ختم ہو جائیں گے

زبرا۔ اس کا دوسرا نام گورخر ہے، یہ اصل میں گھوڑے کی جنگلی قسم ہے، اس کے بدن پر سفید سفید دھاریاں بنی ہوئی ہوتی ہیں، افریقہ کے سوا اور کسی براعظم میں یہ نہیں پایا جاتا اس کا قد ۵، ۶ فٹ کا ہوتا ہے، اور دوسری باتیں بالکل گھوڑے سے ملتی جلتی ہیں، یہ ایک خوبصورت اور بے ضرر جانور ہے اور سبزہ زاروں میں اس کے گلے کے گلے چرتے پھرتے ہیں۔ عام طور پر گھاس اور جنگل کی جھاڑیاں وغیرہ اس کی خوراک ہیں، آج سے کچھ دنوں پہلے جنوبی مصر تک یہ بہت تھے، اور وادی نیل میں ایک

وقت میں ان کا کئی ہزار کا غول چرتا ہو نظر آتا تھا، مگر افریقہ میں جس قدر تمدن پھیل رہا ہے ان کی تعداد گھٹ رہی ہے ۔ مشرقی افریقہ میں البتہ ابھی وہ کثرت سے ہیں۔ جنوبی افریقہ میں بہت سے لوگوں نے ان کو پال لیا ہے اور ان کا دودھ وغیرہ پیتے ہیں ۔ اور ان سے گاڑیاں کھینچنے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔

جرک یہ کتے کے خاندان کا ایک بد صورت

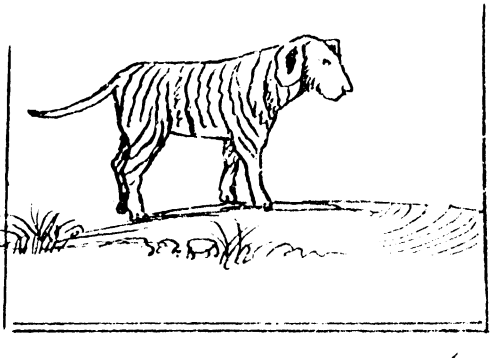

اور مکروہ جانور ہے ۔ اور جس طرح ہمارے ملک میں گیدڑ، شیر کا بچا کھچا شکار کھانے کے واسطے اس کے پیچھے پیچھے لگا رہتا ہے اسی طرح افریقہ میں یہ جانور، شیر ببر وغیرہ کے ساتھ رہتا ہے ۔ اس کے جبڑے اور دانت بہت مضبوط ہوتے ہیں، اور ان ہی کی مدد سے وہ بھیڑ بکری، گائے اور گدھے وغیرہ کو مار ڈالتا ہے اور اگر موقع مل جاتا ہے تو انسان کے بچوں کو بھی اُٹھا کر لے جاتا ہے ۔ اس کی سب سے زیادہ خوفناک قسم وہ ہے جس کی کھال پر داغ ہوتے ہیں اور جس کی غراہٹ اس طرح کی خوفناک ہوتی ہے کہ گویا کوئی دیو یا بھوت منہ بند کئے بڑے زور سے ہنس رہا ہے شمالی افریقہ میں اس کی ایک اور قسم پائی جاتی ہے جس کے جسم پر دھاریاں ہوتی ہیں۔ اور جنوبی افریقہ میں یہ بھورے یا بادامی رنگ کا ہوتا ہے اور اس کے جسم پر کہیں کہیں چتیاں بھی پائی جاتی ہیں۔

طوطا کہانی

جناب پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی ایم اے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

بچو! تم جانتے ہو یہ ہرے ہرے طوطے باغ کے پھلوں کو کتنا نقصان پہنچاتے ہیں بے چارے باغ کے رکھوالے دن رات اُن کو اڑاتے پھرتے ہیں. لیکن یہ ہیں کہ پھلوں کو برابر کُتر کُتر کر ضائع کرتے رہتے ہیں. طوطوں کی ایک عجیب خاصیت یہ ہے کہ اکثر یہ باغوں میں اترنے سے پہلے باغ کے باہر کسی بلند درخت یا مقام پر تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ کر پھر باغ پر حملہ کرتے ہیں. جیسے دشمن کی فوج قلعہ کے باہر رک کر پہلے یہ دیکھتی ہے کہ قلعہ پر کس مقام سے حملہ کیا جائے ،

باغ کے رکھوالے طوطوں کی اس خاصیت سے خوب واقف ہوتے ہیں. اس لئے وہ باغ کے چاروں طرف اونچے اونچے بانس گاڑ کر اس کے سروں کو لمبی لمبی رسی سے باندھ دیتے ہیں، اس طور پر سارے باغ کے گرد بلندی پر رسی کا ایک حلقہ بن جاتا ہے. رسی میں پتلے پتلے بانس یا نرکل کے چھوٹے بڑے ٹکڑے پرو دیتے ہیں. اس طور پر کہ وہ رسی پر پھرکی کے طور پر گھوم جایا کریں. باغ میں حملہ کرنے والے طوطے جیسا کہ ان کی عادت ہے پہلے اس رسی میں پروئی ہوئی نلکیوں پر بیٹھتے ہیں. نلکیاں گھوم جاتی ہیں اور یہ پنجوں سے نلکیوں کو مضبوط تھامے ہوئے خود بھی الٹ جاتے ہیں. پھر کچھ بھی کیوں نہ ہو جائے ٹیں ٹیں کرکے سارا باغ سر پر اٹھالیں گے، مگر نرکل کو نہیں چھوڑیں گے. ان کو شاید یہ خطرہ ہوتا ہے کہ نرکل چھوٹ گیا تو زمین پر گر کر مر جائیں گے، اتنے میں باغ کے رکھوالے آتے ہیں اور رسی کو نیچا کر کے ان کو پکڑ لیتے ہیں اور ٹھکانے لگا دیتے ہیں۔

ہماری تمہاری جان سے دور۔ ایک دن کوئی بھٹکتا ہوا فیلسوف بھی وہاں جا پہنچا۔ جانتے ہو فیلسوف کسے کہتے ہیں۔ بعض لوگ تو فیلسوف کو بہت عقلمند اور بعض لوگ مذاقاً اتنا ہی بے وقوف سمجھتے ہیں فیلسوف نے یہ حالت دیکھی تو اس کو بڑا رنج ہوا، اس نے سوچا کہ طوطے بالکل جاہل ہیں، اگر ان کو اپنی بے وقوفی معلوم ہو جائے تو پھر ان پر یہ آفت نہ آئے گی۔

چنانچہ وہ اپنے گھر آیا اور بہت سارے طوطوں کے بچے خریدے اور ان کو تعلیم دینے لگا، تم کو تو معلوم ہے۔ طوطوں کو جو کچھ پڑھا دیجئے، ویسا ہی وہ پڑھنے یا دہرانے لگتے ہیں: فیلسوف نے ان کو یہ سبق یاد کرایا:—

"ہم پر دار جانور ہیں۔ شکاری کے نرکل پر کبھی نہ بیٹھیں گے۔ اگر بیٹھیں گے تو پر پھڑپھڑا کر اُڑ جائیں گے"۔ طوطوں کے بچے پڑھ کر جوان ہوئے اور یہ سبق ان کو خوب ازبر ہو گیا۔ جو لوگ کبھی کبھار فیلسوف کے گھر کی طرف نکل جاتے تو ان کو فیلسوف اور طوطے دیکھ کر پرانے زمانے کے دیہاتی مدرسوں کے مدرس اور طالب علم پہاڑا پڑھتے پڑھاتے ہوئے یاد آجاتے۔ ایک دن فیلسوف کو خیال آیا کہ اب ان طوطوں کو سبق خوب یاد ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس نے ان کو چھوڑ دیا، سارے طوطے فیلسوف کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ٹیں ٹیں کرتے اِدھر اُدھر نکل گئے۔

کچھ دن بعد فیلسوف کا گذر اسی باغ کی طرف ہوا، جہاں اس نے طوطوں کو پہلے گرفتار دیکھا تھا اور طوطوں کو تعلیم دینے کا خیال آیا تھا، وہاں جا کر کیا دیکھتا ہے کہ اس کے سارے شاگرد طوطے رسیّوں میں پڑی نلکیوں سے لٹکے ہوئے ہیں، اور چیخ چیخ کر پڑھ رہے ہیں:—

"ہم پر دار جانور ہیں شکاری کے نرکل پر کبھی نہ بیٹھیں گے اور اگر بیٹھ گئے تو پر پھڑپھڑا کر اُڑ جائیں گے"۔

فیلسوف یہ ماجرا دیکھ کر گھر واپس آیا دوسرے دن لوگوں نے دیکھا کہ فیلسوف بھی ایک رسی سے لٹکا ہوا ہے، لیکن طوطوں کے مانند پاؤں سے نہیں بلکہ آدمیوں کے مانند سر سے !!۔

تندرستی اور علم

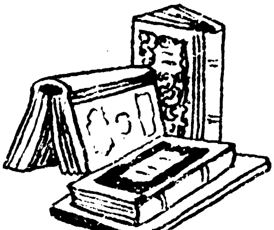

(از رفیق احمد صاحب زکریا اینگلو اردو ہائی اسکول بھیونڈی)

سہراب:۔ ایک کھلنڈرا لڑکا۔

نذیر:۔ دن رات پڑھنے لکھنے میں لگا رہنے والا طالب علم

احمد خاں:۔ استاد

وقت:۔ ۵ بجے۔

سہراب:۔ بھائی نذیر شام ہونے کو آئی اور تم ہو کہ ابھی تک کمرے میں گھسے ہوئے کتابیں ہی دیکھ رہے ہو، تمھیں معلوم ہے کہ اس وقت پڑھنے لکھنے سے تندرستی پر بڑا خراب اثر پڑے گا، ڈاکٹروں نے بھی منع کیا ہی، یہ تو سیر و تفریح کا وقت ہی آؤ چلو ذرا ٹینس کھیلیں۔

نذیر: جی معاف کیجئے امتحان قریب ہی، اور میں ایک لمحہ بھی بے کار کھونا نہیں چاہتا

سہراب (طنز سے):۔ ارے میاں ہٹاؤ بھی، امتحان میں کیا رکھا ہی، تم پر تو ہر وقت امتحان کا بھوت سوار رہتا ہی، سمجھ میں نہیں آتا امتحان دے کر تم کون سا تیر مارو گے۔

نذیر:۔ بہت خوب اگر تم امتحان کو اتنا بے کار سمجھتے ہو تو تم کبھی کوئی ڈگری (سند) حاصل نہیں کر سکو گے، میں نے تو بھائی بی اے کا امتحان پاس کرنے کا پکا ارادہ کر لیا ہے

سہراب:۔ آخر بی اے بن کر کیا کر لوگے، قسمت کا ستارہ بلند رہا تو کہیں کوئی کلرکی مل جائے گی، ورنہ آج کل تو سینکڑوں بی اے بے کار پڑے پھرتے ہیں۔

نذیر: (پہلو بدل کر) ممکن ہی، مگر میں تو صرف امتحان پاس کرنے اور ڈگریاں حاصل کرنے کے لئے ہی کتابیں نہیں دیکھتا، بلکہ میں تو

یہ بھی چاہتا ہوں کہ کچھ علم حاصل کرلوں۔

سہراب:۔ مگر بھائی صرف کتابوں کا کیڑا بننے سے علم حاصل نہیں ہوتا اس کے لئے قدرتی سمجھ بوجھ اور تندرستی کی ضرورت بھی ہے اگر تم اس طرح ہاتھ دھو کر کتابوں کے پیچھے پڑے رہو گے تو اچھی طرح سمجھ لو کہ ایک نہ ایک دن تمھاری تندرستی خراب ہو کر رہے گی، چند دنوں تک یہی حالت رہی تو جسم اور دماغ دونوں بے کار ہو جائیں گے، اب بھی تم کون سے تندرست ہو ذرا اپنے جسم کو دیکھو کتنا دبلا پتلا ہے، تمام پسلیاں نکلی ہوئی ہیں، آنکھیں اندر دھنس گئی ہیں، سینہ دب گیا ہے، اچھا اب ذرا مجھے دیکھو، کتنا تندرست ہوں، سینہ کتنا ابھرا ہوا ہے، چہرے پر کتنی بشاشت اور رونق ہے، اور یہ میری ہر روز کی ورزش اور کھیل کود کا نتیجہ ہے۔

نذیر:۔ لیکن میں ایک دُبلے پتلے عالم کو ایک موٹے تازے ہٹے کٹے تندرست جاہل سے ہمیشہ اچھا ہی سمجھوں گا، اس لئے کہ دماغ جسم سے بہت اعلیٰ ہے۔

سہراب:۔ یعنی آپ کا خیال ہے کہ جو تندرست ہوتا ہے وہ جاہل اور عقل کا کچا بھی ہوتا ہے

نذیر:۔ (طنز سے) جی نہیں، میرے خیال کو سمجھنا آپ کے لئے ذرا مشکل ہے، لیکن یہ آپ جانتے ہوں گے کہ کپلنگ نے اس بارے میں کیا کہا ہے۔

سہراب:۔ جی میں اچھی طرح جانتا ہوں وہ بھی آپ کی طرح بے وقوف تھا میں تو بھائی ایک تندرست آدمی بننا چاہتا ہوں کہ دنیا میں صحت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ دبلا، پتلا عالم بننا آپ ہی کو مبارک ہو

(اس بحثا بحثی میں ان کی آواز ذرا بلند ہو جاتی ہے اتنے میں احمد خاں ادھر آنکلتے ہیں

احمد خاں:۔ ارے بھئی کیا جھگڑا ہے کس بات پر بحث ہو رہی ہے۔

(دونوں بحث کو دہراتے ہیں)

احمد خاں:۔ اچھا یہ بات ہے، میرے خیال میں تم

دونوں اپنی اپنی جگہ ٹھیک بات کہتے ہو مگر دونوں کے دونوں سیدھے راستے سے دور ہٹ گئے ہو، سہراب تمہارا دھیان ہر وقت کھیل کود اور ورزش ہی کی طرف نہیں لگا رہنا چاہیے، ورنہ تم جاہل بن کر رہ جاؤ گے، زمانہ آج کل قلم کا ہے تلوار کا نہیں، علم میں آج کل وہ طاقت ہے، جو انسان کو ہر طرح کی بلاؤں اور آفتوں سے محفوظ رکھ سکتی ہے، اور ہمیں ہمیشہ زمانے کی پیروی کرنا ہے۔

سدا ایک رخ نہیں ناؤ چلتی
چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

اور نذیر تمھیں بھی ہر وقت کتابوں پر جٹے نہیں رہنا چاہیے۔ اس سے تم حقیقت میں بیمار، کمزور اور اندھے ہو جاؤ گے، ڈگریاں حاصل کرنے پر بھی تمھیں کوئی نوکر نہ رکھے گا، تجارت بھی تم سے نہ ہو سکے گی، اس لئے یقیناً کچھ گھنٹے کھیل کود اور ورزش میں بھی صرف کرنے چاہئیں۔ (گھڑی دیکھ کر) ابھی ۵ ½ بجے ہیں، حکیموں اور بڑے بڑے عقل مند لوگوں نے اس وقت پڑھنے لکھنے کی سخت ممانعت کی ہے، اس لئے جاؤ کھلے میدان میں جاکر کوئی دلچسپ کھیل کھیلو۔

لطیفہ

استاد:۔ (ہمدردی کا سبق پڑھاتے وقت) رمیش تمھارے باپ بھی انسانوں سے ہمدردی رکھتے ہیں

رمیش:۔ جی ہاں کیوں نہیں، ابھی تھوڑے دن ہوئے انھوں نے پڑوسی کو ڈانٹا تھا کہ وہ ہمارے کتے کو ہاتھ نہ لگائے، چاہے وہ اسے مار ہی کیوں نہ ڈالے۔

دُنیا کا مدرسہ
اور
ہم تم

(از مولانا محمد حسین صاحب محوی صدیقی لکھنوی لیکچرار اردو مدراس یونیورسٹی)

عزیز بچو! عمر میں اگرچہ ہم تم سے بہت بڑے ہیں، اور تم ہم سے بہت چھوٹے، لیکن سچ کہتے ہیں کہ اب بھی ہم تمھاری طرح طالب علم ہیں اور ہم کیا بلکہ ہر انسان طالب علم ہے، اور عمر بھر رہتا ہے۔ یوں سمجھو کہ یہ دنیا ایک بہت بڑا مدرسہ ہے جہاں انسان تمام عمر، موت کے آخری سانس تک کچھ نہ کچھ سیکھتا ہی رہتا ہے، اُسے روزانہ نئے نئے تجربے حاصل ہوتے ہیں، نت نئی باتیں معلوم ہوتی رہتی ہیں، لیکن علم ایک ایسا دریا ہے، جس کا نہ کنارہ ہے، نہ تھاہ، زندگی خواہ کتنی ہی بڑی ہو، ختم ہو جاتی ہے، مگر علم ختم نہیں ہوتا، دنیا میں کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کا علم کامل ہے۔ اور وہ سب کچھ جانتا ہے، ایسا کہنے اور سمجھنے والا جھوٹا ہے، پھر بھلا ہماری کیا بساط ہے، بچپن میں ہم اپنے ماں باپ، بڑے بھائی بہنوں اور عزیزوں سے بہت سی باتیں سیکھتے ہیں پھر کتاب اور اُستاد سے کام پڑتا ہے یہ دونوں مل جل کر ہمیں لکھنا پڑھنا سکھاتے اور ہمارا علم بڑھاتے ہیں، پھر خود ہم پر ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ استاد کی مدد کے بغیر کتابوں سے اپنا علم بڑھاتے رہتے ہیں، لیکن ان سب سے بڑا معلم دسکھانے والا، خود زمانہ ہے، یہ ہم کو رات دن بغیر استاد اور کتاب کے سبق دیتا رہتا ہے، تجربہ کراتا رہتا ہے، اور یہ سلسلہ زندگی کے آخری

لمحے تک جاری رہتا ہے۔

غرض کہ ہم بھی تمہاری ہی طرح طالب علم ہیں اور ابھی دنیا کے مکتب سے فارغ ہو کر نہیں نکلے ہیں، مگر ایمان کی بات تو یہ ہے کہ تم بہت سی باتوں میں ہم سے بہتر ہو، اور ہمیں تمہاری پیاری پیاری، بھولی بھالی زندگیوں پر رشک آتا ہے، تم یہ نہ سمجھنا کہ ہم کوئی بہت بڑے عالم فاضل آدمی ہیں نہیں آج بھی تمہارے ہی جیسے طالب علم ہیں، مگر خدا کا شکر ہے کہ تم ابھی ہماری طرح سینکڑوں فکروں میں مبتلا نہیں ہو۔ تمہاری یاد بہت اچھی ہے، جو کچھ پڑھتے اور سیکھتے ہو، کتنی جلدی یاد ہو جاتا ہے ہماری طرح بھلکڑ نہیں ہو، ایک تو حافظہ (یاد رکھنے کی قوت) زیادہ عمر میں کمزور ہو جاتی ہے، دوسرے آدمی کو سینکڑوں فکریں، پریشانیاں چاروں طرف سے گھیرے رہتی ہیں، کہیں اپنی نوکری کا کام کرنا ہے، کہیں دوکان ہے تو اس کی فکر ہے، تجارت یا زراعت (کھیتی) ہے تو اس میں لگے ہوئے ہیں غرض کہ کما کر لانے اور گھر والوں کی خدمت کا خیال ہے، بچوں اور بیوی، عزیزوں، دوستوں کی الگ فکر ہے۔ ایک دماغ اور ایک جان ہے، ہزار جھگڑے اور بکھیڑے۔ جو اس تک پھٹکنے نہیں دیتے، پر جو لوگ سمجھدار اور قوی دل، قوی ہمت ہیں، وہ گھبراتے نہیں، سب مشکلوں کا سامنا کرتے ہیں۔ اور اپنی زندگی کے مقصد کو نہیں بھولتے۔ کتاب دیکھنے اور معلومات بڑھانے کے لئے وقت نکال ہی لیتے ہیں علم کی خدمت کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہتے ہیں، مگر اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں جو زندگی کے دھندوں میں پڑ کر سب کچھ چھوڑ بیٹھتے ہیں، اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے، وہ کسی حال میں بھی ہوں مصیبت میں کہ راحت میں زمانے کا معلّم (سکھانے والا) برابر انہیں روز نئے نئے سبق دیتا رہتا ہے، چاہے وہ اپنی غفلت سے خیال کریں یا نہ کریں، دھیان رکھیں یا نہ رکھیں، یہ تو دنیا اور دنیا میں رہنے والوں کی حالت ہے، پر جو اپنے کو طالب علم سمجھتے ہیں وہ ضرور علم سے لگاؤ رکھتے ہیں۔ اور وہی کچھ کر جاتے ہیں، خدا ہمیں توفیق دے کہ ہم بھی ان کے جیسے

بن کر کچھ کر جائیں۔

یہی باتیں ہیں، جن کا خیال ہمیں اکثر رہا کرتا ہے، اور گو ہم نے اپنے بزرگوں سے ہمیشہ سنا اور سنتے آئے ہیں کہ بڈھے طوطے بھی کہیں پڑھتے ہیں لیکن دیکھا یہ اور تاریخوں میں پڑھا یہ کہ بڑھاپے میں جنھیں شوق پیدا ہوا، انھوں نے محنت کی، اور جس چیز کا شوق ہوا، اس کو حاصل کیا، بلکہ کمال پیدا کر لیا، اور بہت نام پایا، ایسے بہتوں کے قصے ہم کو کتابوں میں ملتے ہیں۔

آج کل انگریزی زبان اور نئے نئے علوم کا گھر گھر چرچا ہے، وہ تم کو معلوم ہے، لیکن ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ بہت سے شریف اور دین دار لوگ، اپنے بچوں کو انگریزی پڑھانا برا سمجھتے تھے۔ چنانچہ ہم کو بھی انگریزی نہیں پڑھائی گئی، بلکہ عربی، فارسی کے مدرسے میں تعلیم ہوئی اب اس کا یہ عام چرچا دیکھ کر بار ہا جی چاہا کہ ہم بھی انگریزی سیکھیں، پر زمانے کی فکروں، اپنے دھندوں، اور مخصوصوں نے موقعہ نہ دیا، وقت گذرتا چلا گیا۔ اب جو نوکری کے سلسلے میں مدراس آنا ہوا تو دیکھا کہ ہر طرف انگریزی کا راج اور رواج ہے، دھوبی، بھنگی، قلی، مزدور، دکان دار غرض سبھی تو کچھ نہ کچھ ٹوٹی پھوٹی، لولی، لنگڑی انگریزی بول لیتے ہیں۔ چار ناچار اب یہ خیال اور مضبوط ہوا کہ انگریزی پڑھنا اور سیکھنا چاہئے کہ محتاجی جاتی رہے ہم نے انگریزی شروع کی لیکن اب نہ تو بچپن کا زمانہ ہے، نہ وہ دل نہ دماغ۔ نہ وہ حافظہ اور نہ وہ فرصت اور اطمینان، تاہم کچھ نہ کچھ سلسلہ جاری ہے۔ زیادہ محنت کرنے رٹنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ بھولتے بھی ہیں، پر یہ سوچا کہ کچھ نہ کچھ کئے جائیں، نہ کرنے سے کرنا بہتر ہے۔ سنا ہے کہ گاتے گاتے آدمی کلاونت (اچھا گویا) ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ کچھ آ جائے، غرض کہ آج بھی ہمارے جی سے طالب علمی کا شوق نہیں گیا، اور خدا سے دعا ہے کہ کبھی نہ جائے، انگریزی زبان کی تعلیم میں تم میں بہتیرے ہم سے آگے ہوں گے بہت سے برابر اور بہت سے پیچھے، لیکن ہم شرماتے نہیں اور ہمیں ذرا بھی یہ ظاہر کرنے میں تکلف نہیں کہ ہم بھی تمھاری ہی طرح ایک طالب علم ہیں، فرق

صرف اتنا ہی کہ تم باقاعدہ کتابیں لے کر روز اسکول جاتے ہو، استاد سے سبق لیتے ہو، امتحان دیتے ہو اور ہم ان قیدوں سے آزاد ہیں۔ کبھی ہم بھی ایسا ہی کرتے تھے، اور گو اب ایسا نہیں مگر طالب علمی کا سلسلہ جاری ہے اور رہے گا، تم سے بھی ہماری درخواست ہے کہ جب تک تمھاری زندگی ہے اور خدا کرے کہ بہت زیادہ ہو، تم ہمیشہ اپنے کو طالب علم ہی رکھنا اور سمجھنا۔

لطیفے

سائنس ماسٹر:- اچھا تو لڑکو اب مجھے یہ بتاؤ کہ یہ پھول سیاہ کیوں ہے۔

ایک لڑکا:- اس لئے ماسٹر صاحب کہ یہ رات کے وقت نکلتا ہے۔

استاد:- صحرا (ریتیلا اور بنجر میدان) کسے کہتے ہیں۔

لڑکے:- وہ جگہ ماسٹر صاحب جہاں کچھ نہ اگتا ہو۔

استاد:- بالکل ٹھیک اب اس کی کوئی مثال دو۔

ایک چھوٹا سا لڑکا:- جیسے ماسٹر صاحب میری دادی کا سر۔

استاد:- (لڑکوں سے) جب گھر جاؤ تو گھوڑے پر ایک مضمون لکھ لانا۔

ایک شریر لڑکا:- مگر ماسٹر صاحب مجھے گھوڑے کی سواری نہیں آتی۔

کرشن:- بتاؤ تم نے ہاتھ پر اپنا نام کیوں لکھا ہے

تارا:- اس لئے کہ اگر کہیں کھو گیا، تو نام کی وجہ سے تلاش تو کر سکوں گا۔

استاد:- پرتاب سنگھ کس کا بیٹا تھا؟

ایک لڑکا:- اپنے باپ کا بیٹا تھا، ماسٹر صاحب

ایک لڑکے کی بہادری

محمد معظم جیراجپوری متعلم جامعہ ملیہ اسلامیہ

ایک بادشاہ کے دو بیویاں تھیں، مگر ان کے کوئی اولاد نہ تھی، بادشاہ ہمیشہ غمگین رہتا تھا۔ ایک روز وہ آم کے درخت کے نیچے بیٹھا تھا اتنے میں ایک بوڑھا دیو آیا، اور بادشاہ سے غمگین رہنے کا سبب پوچھنے لگا، بادشاہ نے کہا میرے دو بیویاں ہیں، مگر ان دونوں میں سے کسی کے اولاد نہیں ہوتی۔

دیو نے آم کے پیڑ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ جو دو آم ایک ساتھ لٹک رہے ہیں ان دونوں کو ایک ہی تیر کے نشانے سے توڑ لے اور لے جاکر اپنی دونوں بیویوں کو کھلادے۔ انشاءاللہ دونوں کے دو بیٹے پیدا ہوں گے، مگر شرط یہ ہے آج سے دس برس بعد تیرے یہاں آؤں گا اور تجھے اپنا بڑا بیٹا مجھے دینا ہوگا، بادشاہ نے یہ شرط منظور کرلی، اور دیو کے کہنے پر عمل کیا

تھوڑے دنوں کے بعد خدا کے فضل سے دونوں بیویوں کے یہاں دو بیٹے پیدا ہوئے، بادشاہ نے اپنے بڑے بیٹے کا نام شہزادہ حامد اور چھوٹے کا شہزادہ محمود رکھا، شہزادہ حامد بڑا ذہین بہادر اور چالاک لڑکا تھا، اُسے اپنی ذات پر بہت بھروسہ تھا، اور مصیبتوں پر صبر کرسکتا تھا۔

آخر دس برس کے بعد دیو لڑکے کو لینے آیا، بادشاہ نے شہزادہ حامد کو فوراً اس کے حوالے کردیا، دیو شہزادے کو لے کر اپنے گھر آیا، اور اس سے کہا کہ اس تپتے ہوئے کڑھاؤ کے چاروں طرف چکر لگاؤ، حامد سمجھ دار تو تھا ہی، فوراً تاڑ گیا کہ دیو کی نیت ٹھیک نہیں ہے، اس نے کہا پہلے تم مجھے چکر لگا کر دکھاؤ، دیو اُس کے چاروں طرف چکر لگانے لگا، آخر جب اسے خوب چکر آگیا تو شہزادے نے اسے دھکا دے دیا اور وہ دھم سے کڑھاؤ

کے بیچ میں جا پڑا ۔ اور جل کر مر گیا ۔

شہزادے نے اس کے مکان کی کنجی تلاش کی اور مکان کا پہلا دروازہ کھولا تو اس میں ایک بہت عمدہ گھوڑا بندھا ہوا تھا ، پھر دوسرا دروازہ کھولا ، اس میں طرح طرح کے ہتھیار شکار کھیلنے کے واسطے رکھے ہوئے تھے ، شہزادے نے یہ سب چیزیں اپنے قبضے میں کیں اور گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل میں ایک طرف کو چل دیا ، چلتے چلتے تھوڑی دور پر ایک شہر نظر آیا ، وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ شہر میں ماتم ہو رہا ہے ، یہ دیکھ کر بڑا حیران ہوا ، لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے ، معلوم ہوا کہ اس شہر سے ملا ہوا ایک جنگل ہے ، اس میں ایک دیونی رہتی ہے جو روزانہ اس شہر میں آتی ہے اور دو تین آدمیوں کو پھاڑ کر کھا جاتی ہے ، اس شہر کے بادشاہ نے اشتہار دیا ہے کہ جو اس دیونی کو مار کر لے آئے گا میں اسے آدھی سلطنت دوں گا ۔ اور اپنی بیٹی کی شادی اس کے ساتھ کر دوں گا ، شہزادہ یہ بات سن کے محل میں گیا اور اس سے اجازت لے کر دیونی کے مارنے کے لئے روانہ ہو گیا ، جاتے جاتے اسے ایک جھونپڑی نظر آئی ، اس کے پاس پہنچا تو اس میں سے رونے کی آواز آ رہی تھی ۔ جھونپڑی کے اندر گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بڑھیا بیٹھی رو رہی ہے ، شہزادہ اسے دیکھتے ہی فوراً تاڑ گیا کہ ہو نہ ہو یہی دیونی ہے ، اس نے تلوار کا ایسا بھرپور وار کیا کہ بڑھیا کی گردن الگ جا پڑی ، شہزادہ اسے لے کر بادشاہ کے پاس گیا ، بادشاہ دیکھ کر بہت خوش ہوا ، اسی وقت تمام شہر میں خوشی کے شادیانے بجائے گئے اور شہزادہ حامد کی شادی بادشاہ کی لڑکی سے ہو گئی ۔ بادشاہ نے شہزادے کو اپنی آدھی سلطنت دینی چاہی ، مگر شہزادے نے انکار کر دیا ۔ دوسرے دن شہزادے نے شہزادی کو اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا اور جنگل میں ایک طرف کو چل دیا ، راستے میں اسے ایک شیرنی کی آواز سنائی دی ، قریب جا کر دیکھا تو اس کے پیر میں کانٹا چبھا ہوا تھا ، اور درد سے کراہ رہی تھی ، شہزادے نے دل کڑا کر کے اس کے پیر کا کانٹا نکال دیا ، جب وہاں سے آگے چلنے لگا تو شیرنی نے اسے اپنا ایک بچہ دیا اور کہا کہ آڑے وقت میں یہ تمہارا ساتھ دے گا ، شہزادے نے اسے اپنے ساتھ لے لیا اور آگے

بڑھا چلتے چلتے ایک جگہ وہ دونوں ایک آم کے پیڑ کے نیچے ٹھہرے اور کچھ کھا پی کر اسی درخت کے نیچے سو رہے، اتنے میں کچھ کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنائی دی، شہزادہ جاگ پڑا دیکھا تو ایک اژدھا پیڑ پر چڑھ رہا ہے۔ اور پیڑ پر چڑیوں کے بچوں کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں، شہزادے نے اپنی تلوار سے اژدھے کے دو ٹکڑے کر دئے اور اس سے اپنے تکیہ کا کام لیا، جب چڑیوں کے ماں باپ آئے اور اژدھے کو مرا ہوا پایا تو بہت خوش ہوئے اور جب شہزادہ چلنے لگا تو ان سبھوں نے اپنا ایک ایک بچہ شہزادے کو دیا، اور کہا یہ تیرا ساتھ دیں گے، چڑیوں میں ایک طوطا بھی تھا جو شہزادے کو راستہ بتلاتا تھا۔ اور شیر کا بچہ شہزادے کو جانوروں سے بچاتا تھا۔

آخر چلتے چلتے ایک دوسرے شہر میں پہنچے وہاں شہزادے نے اپنا گھوڑا ایک درزی کے گھر کے پاس کھڑا کیا، اور اس درزی سے ایک رات اس کے گھر میں ٹھہرنے کی اجازت مانگی، درزی نے کہا کہ تمام گھر حضور کا ہی جب تک رہیئے۔

وہ درزی بڑا مکار اور لالچی تھا، جب اس نے شہزادے کے گھوڑے اور اس کے جانوروں کو دیکھا تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا اس نے سوچا کہ کسی طرح شہزادے سے یہ سب کچھ چھین لینا چاہیئے۔ وہ ایک تلوار لے کر رات کے وقت اپنے بستر پر اس انتظار میں جا کر پڑ رہا کہ شہزادہ غافل ہو جائے تو اُسے قتل کر دے۔

شہزادہ بھی بڑا چالاک تھا، اس نے سوچا کہ یہ درزی چکنی چپڑی باتیں کرتا ہے، شاید کوئی دھوکا نہ دے اس لئے چوکنے رہنا ہی بہتر ہے

جب درزی نے دیکھا کہ رات زیادہ ہو گئی۔ اور شہزادہ گہری نیند سو گیا ہوگا تو وہ اپنی تلوار لے کر اٹھا یہ دیکھ کر طوطے نے شیر سے کہا کہ اے شیر دیکھ وہ درزی ہاتھ میں تلوار لئے ہمارے شہزادے کو قتل کرنے آ رہا ہے تو جا کر اُسے پھاڑ ڈال۔ شیر نے طوطے کا اشارہ پاتے ہی درزی کو پھاڑ ڈالا، شہزادہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور صبح کو شہزادی اور جانوروں سمیت اپنے باپ کے شہر میں چلا گیا اس کا باپ اپنے بیٹے کو زندہ اور سلامت دیکھ کر بہت

خوش ہوا، اس کے مرنے کے بعد شہزادہ حامد ہی اس شہر کا بادشاہ ہوا، اور آرام سے زندگی بسر کرنے لگا، اس نے اپنے ساتھیوں کو اپنے ہی پاس رکھا، ان سے اسے محبت تھی۔

آدمی بنانے کا آسان طریقہ

(۱)

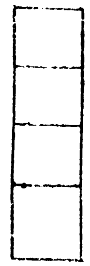

(۲)

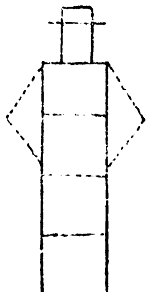

(۳)

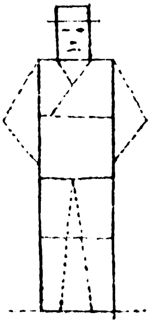

(۴)

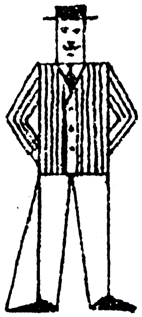

محمد سعید الرحمن، لاہور

بھجنگا

محمد اسمٰعیل خاں متعلم جامعہ ملیہ اسلامیہ

یہ مئی کا مہینہ ہے، آج کل بھجنگا اپنے گھر کی تیاری میں مصروف ہے، دیکھنا اس کی آواز میں کیسی مٹھاس ہے، گھر بنا رہا ہے اور کس جوش وخروش سے گا گا کر سلام کرتا ہے، ہماری رائے ہے کہ بچے پیام تعلیم میں یہ حالات پڑھ کر خود بھی ذرا اس پرندے کے تماشے دیکھیں (ایڈیٹر)

اس پرندے کا رنگ سیاہ، شکل وصورت بلبل سے ملتی جلتی، دم لمبی، نر اور مادہ دونوں قریب قریب ایک ہی رنگ کے ہوتے ہیں، بہت سے پرندوں کے خلاف اس کی دم دو حصوں میں بٹی ہوتی ہے، جیسے بیچ میں سے چیر دی گئی ہو، دونوں حصوں میں پانچ پانچ پر ہوتے ہیں اسے بعض جگہ بھجیل بھی کہتے ہیں۔

یہ جھینگوں، پتنگوں اور دوسرے کیڑے مکوڑوں سے اپنا پیٹ پالتا ہے، کھیت کی چیزوں کی طرف نظر نہیں اٹھاتا، اکثر زمین سے اوپر ہی رہتا ہے، ویسے بھی جن پرندوں کی دم لمبی ہوتی ہے۔ وہ زمین پر بہت کم اترتے ہیں، اس لئے کہ شکار کرنے میں لمبی دم رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایسے پرندوں کو یہ ڈر رہتا ہے کہ گرد و غبار سے کہیں ان کی دم میلی نہ ہو جائے۔ بہرحال وجہ جو کچھ بھی ہو بھجنگا زیادہ تر زمین سے اوپر ہی رہتا ہے۔ اگر تم اس کے شکار کا تماشا دیکھنا چاہو تو شام کے وقت کسی ایسی جگہ چلے جاؤ، جہاں تار برقی (ٹیلی گراف) کے تار لگے ہوں، کیا عجب جو تم ان تاروں پر دو ایک بھجنگوں کو بیٹھا دیکھو، جب شام کے وقت اندھیرا ہونے لگتا ہے تو دوسرے پرندے اپنے اپنے گھونسلے میں چلے جاتے ہیں، لیکن بھجنگا شکار کی تلاش میں بیٹھا رہتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ

اس کے شکار کے لائق کیڑے مکوڑے اسی وقت باہر نکلتے ہیں۔ اس لئے یہ ان کی تاک میں چپ چاپ انتظار کرتا ہی، جہاں کہیں کوئی کیڑا نظر آیا، جھپٹ کر پکڑ لیا، اور پھر اپنی جگہ پر! دوپہر میں بھی شکار کرتا ہی، اکثر ہل چلتے وقت کھیتوں میں چلا جاتا ہی زمین کھُدنے سے جو کیڑے باہر نکل آتے ہیں انھیں پکڑ پکڑ کر کھاتا ہی، کبھی کبھی آپ اسے گائے بیل کی پیٹھ پر بھی بیٹھا پائیں گے، یہ کوے کی طرح دق کرنے کے لئے ان پر نہیں بیٹھتا ہے بلکہ اپنے شکار کی تلاش میں۔ ان کے چلنے سے جو پتنگے اُڑتے ہیں یہ ان کو اپنی غذا بناتا ہے۔

بھجنگا بڑا جھگڑالو اور شریر ہوتا ہی، کوے سے اس کی بڑی دشمنی ہے، انڈے دیتے وقت کبھی کبھی یہ دونوں آپس میں خوب لڑتے دکھائی دیتے ہیں، لٹیرا ایسا کہ مینا کا شکار بھی چھین کر کھا جاتا ہی ہد ہد تو مارے ڈر کے چوں تک نہیں کرتا، چپ چاپ اپنا شکار اس کے حوالے کر دیتا ہی، سنتے ہیں کہ مینا کو ڈرانے کے لئے یہ کبھی کبھی شکرے کی بولی بولتا ہی، تاکہ وہ اپنا شکار چھوڑ کر بھاگ جائے

بھجنگا بہت بہادر اور دلیر بھی ہوتا ہی، لڑائی کے لئے ہر وقت کمر باندھے رہتا ہی، خاص کر گھونسلا بنانے کے دنوں میں تو اس کا مزاج اس قدر تیز رہتا ہے کہ اگر اپنے درخت پر یا آس پاس کوے یا چیل کو دیکھ لیتا ہے، تو اُسے چونچوں سے مارے بغیر نہیں رہتا۔ اگر بندر بھی آجائے تو دو چار ٹھونگیں کھا کر ہی جائے۔

اس کی دلیری اور بہادری سے فاختہ اور اسی قسم کے دوسرے غریب پرندے بہت فائدہ اٹھاتے ہیں یعنی اس کے گھونسلے کے قریب ہی اپنا گھونسلا بناتے ہیں۔ ان غریبوں پر بھی اس کی مہربانی برابر رہتی ہے، علاوہ ان کے اور چڑیوں پر تو اس نے ایسی دھونس جما رکھی ہے کہ کوئی ڈاکو یا لٹیرا بن کر اس کے گھونسلے میں قدم رکھنے کی ہمت نہیں کر سکتا، دوسروں کی حفاظت اور چوکیداری کرنے کی وجہ سے اسے کوتوال بھی کہتے ہیں

کوے یا بندر کچھ بھی کریں، لیکن بھائی تم بھجنگے کا گھونسلا یا انڈے دیکھنے کی کبھی کوشش نہ کرنا، ایک صاحب نے بھجنگے کا گھونسلا دیکھنا چاہا تھا

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی ٹھونگوں سے ان کا سر خوناخون ہوگیا، آخر کو قوال صاحب ہی تو ٹھہرے

بھجنگا اپنا گھونسلا مئی کے مہینے میں بناتا ہی، وہ کسی اونچے درخت کو چن لیتا ہی، پھر گھاس پھوس اور مکڑی کا جالا وغیرہ ملاکر اپنا گھونسلا تیار کرتا ہی، یہ دیکھنے میں بہت خوب صورت اور کٹورے کی شکل کا ہوتا ہی، اس کی چوڑائی چار انچ ہوتی ہی کبھی کبھی گھونسلے میں گھوڑے کی دم کے بال بھی بچھا دیتا ہے، بھجنگا عام طور پر چار انڈے دیتا ہی کبھی کبھی تین یا پانچ بھی، انڈوں کا رنگ سفید یا کچھ سفیدی لئے ہوئے سرخ ہوتا ہی، کبھی کبھی ان پر داغ کے نشان بھی ہوتے ہیں۔

جب مادہ اور نر اپنا گھر بناتے ہوتے ہیں تو بڑے جوش و خروش سے بولتے ہیں، بولے جاتے ہیں اور سر جھکا کر سلام کرتے جاتے ہیں

یہ کئی طرح کی بولیاں بولتا ہی، اس کی آواز میں کچھ عجیب مٹھاس ہی، اپریل اور مئی میں کچھ رات گذرنے پر بڑی سریلی بولی بولتا ہے پو پھٹنے سے پہلے بولنا تو اس کا عام دستور ہے۔

بھجنگے کی ایک اور قسم ہی، اس کا سینہ سفید ہوتا ہے، اور بولی بھی بہت میٹھی ہوتی ہے۔ لیکن یہ بہت کم دکھائی دیتا ہے۔

دیکھو بھجنگا بہت ہی بہادر اور عقل مند بھی ہوتا ہے۔ اور دھونس بھی خوب جماتا ہی، لیکن پھر بھی اس کی ہم شکل کوئل اُسے دھوکا دے جاتی ہے، اور اپنی بے گار کرالیتی ہے، کوئل کی چالاکی تو بے مثال ہے۔

خزینہ معلومات

یہ بڑے کام کی کتاب ہی، اس میں ایسی ایسی ضروری باتیں لکھی ہیں جن کے نہ جاننے سے آدمی بعض وقت بڑی دقتیں اور تکلیفیں اور کبھی کبھی نقصان بھی اٹھاتا ہی، ریل، تار، ڈاک، ٹیلیفون، بنک، سیونگ بنک، سفر بذریعہ سمندری جہاز، ہوائی جہاز، دوسرے ملکوں میں خط اور پارسل بھیجنے کے قاعدے مختلف ملکوں کے سکے، کچہریوں کے قانون، بٹواریوں کے کام کی باتیں، ہندوستانی اور انگریزی وزن اور پیمانے، ہندوستان کی آمدنی، اخبارات، دنیا کی آبادی موسمی حالات، تجارت، صنعت وحرفت وغیرہ کے متعلق کارآمد باتیں، غرض کہاں تک گنایا جائے، اس میں ایسی ایسی ہزاروں فائدے کی باتیں ہیں، اور ہمارے خیال میں شاید ہی کوئی بوڑھا بچہ ہوگا، جس کے لئے اس کتاب میں دلچسپی یا ضرورت کا سامان موجود نہ ہو۔ قیمت دو روپے

مکتبہ جامعہ دہلی

محرم

از محمد حسین حسان

یہ ایک عربی مہینے کا نام ہے، جس طرح کہ جنوری سے انگریزی یا عیسوی سنہ کا نیا سال شروع ہوتا ہے، اسی طرح محرم سے اسلامی یا ہجری سنہ کی ابتدا ہوتی ہے، محرم عرب میں ویسے بھی بہت پاک مہینہ سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانے میں سارے ملک میں لڑائی بھڑائی اور قتل و غارت ناجائز تھا، مسلمان بھی اس مہینے کا احترام کرتے تھے مگر جب سے حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کا حادثہ پیش آیا ہے، اس مہینے کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔

یہ تو تم نے آں حضرت کی سیرۃ کی کتابوں "ہمارے رسول"، "سرکار دو عالم" وغیرہ میں پڑھا ہی ہوگا کہ آں حضرت کے دو نواسے تھے، بڑے حضرت امام حسن علیہ السلام اور چھوٹے حضرت امام حسین علیہ السلام، ہمارے رسول اپنے دونوں نواسوں سے بے حد محبت کرتے تھے، اور جان سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے، حضرت امام حسین علیہ السلام بہت نرم مزاج، بردبار اور مہماں نواز تھے، آں حضرتؐ کی وفات کے بعد بہت زمانے تک زندہ رہے، حضرت امیر معاویہ کی خلافت کے زمانے میں کسی بدبخت نے آپ کو زہر دے دیا، اسی زہر کے اثر سے آپ وفات پاگئے۔ اور شہادت کا درجہ حاصل کیا۔ آپ کے چھوٹے بھائی حضرت امام حسین علیہ السلام کو یزید کی فوج نے کربلائے معلا میں شہید کر دیا بات یہ ہوئی کہ اسلام کے تیسرے خلیفہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے حضرت علی کو خلیفہ بنایا لیکن ایک اور صحابی امیر معاویہؓ نے جو شام کے صوبے میں گورنر تھے حضرت علیؓ کی خلافت سے انکار کیا، آپس میں بہت لڑائی جھگڑا ہوا، آخر حضرت علی کی شہادت کے بعد (جو ایک خارجی کے ہاتھ سے ہوئی) امی

خلیفہ بن گئے اور اپنے لڑکے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا کہ ان کے بعد خلافت اُسے ملے یہ طریقہ پچھلے دستور کے خلاف تھا۔ کیوں کہ یہ تو اچھی خاصی بادشاہت سی ہو گئی۔ اس لئے عام طور سے مسلمانوں کو یہ بات بہت ناگوار گذری، مگر بہت سے بزرگوں نے محض اس خیال سے کہ اسلام میں فتنہ نہ بڑھے اس زہر کے گھونٹ کو پی لیا مگر حضرت امام حسین علیہ السلام پر قدرتاً اس بات کا اثر زیادہ ہوا کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ بات اللہ اور رسول کی منشا کے خلاف ہے۔ اور یہ تھا بھی ٹھیک کیوں کہ مسلمان اپنے خلیفہ کا انتخاب خود کرتے تھے۔ اسی لئے حضرت امام حسین علیہ السلام اپنی بات پر جمے رہے اور یزید کی خلافت تسلیم کرنے سے کھلم کھلا انکار کر دیا۔ ادھر عراق کے صوبے کے مسلمان یزید کی اس خلاف شرع حکومت کے خلاف بھرے بیٹھے تھے انھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو خط پر خط لکھے کہ آپ یہاں آکر یزید کے خلاف جنگ کیجئے ہم آپ کا ساتھ دیں گے پہلے تو انھوں نے بہت جوش ظاہر کیا مگر بعد میں نہ معلوم ڈر گئے یا کیا بات ہوئی کہ

حضرت امام کا ساتھ دینے سے جی چرانے لگے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے خط کتابت اور حالات کی تحقیق کے سلسلے میں جو آدمی بھیجے وہ کسی طرح یزید کے آدمیوں کے ہاتھ چڑھ گئے۔ انھوں نے ان کے ساتھ بہت برا سلوک کیا، اور یزید کی فوج کے سرداروں نے ان میں سے کئی ایک کو شہید کر دیا، حضرت امام حسین علیہ السلام کو یہ سب خبریں راستے میں ملیں، انھیں کسی نہ کسی طرح یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ عراق کے لوگ اپنے قول و قرار سے پھر گئے ہیں یہ بڑا ہی نازک موقع تھا، کوئی اور ہوتا تو اس کے قدم ڈگمگا جاتے۔ مگر امام حسین علیہ السلام سچائی اور حق پر اڑے رہے، عزیزوں، دوستوں اور ہمدردوں نے عراق کی طرف جانے سے روکا بھی مگر آپ نے پرواہ نہ کی، راستے میں بھی ایک جو خیر خواہ ملے وہ آپ کو عراق کی طرف جانے سے منع کرتے رہے، مگر آپ کا ہر قدم آگے ہی کی طرف بڑھتا تھا حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ سب عزیز و رشتہ داروں ساتھیوں کو ملا کر (علاوہ عورتوں کے) کل ۷۲ آدمی تھے۔ اس کے خلاف دشمنوں کی

تعداد بے شمار تھی، مگر حضرت امام حسین تو سچائی اور حق پر شہید ہونے آئے تھے انھوں نے اس کا ذرا بھی خیال نہ کیا، ۷ محرم سے ان کا پانی بھی بند کر دیا گیا، آخر دس محرم کو وہ دردناک واقعہ پیش آیا، جسے یاد کر کے لوگ اب تک آنسو بہاتے ہیں، لڑائی کا اعلان ہو گیا، اور اس زمانے کے قاعدے کے مطابق صفیں باندھی گئیں، جب لڑائی کی تیاریاں ہو گئیں تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے آخری بار ایک تقریر کی اور دشمنوں کو حق کے خلاف جنگ سے روکا، مگر اس وقت تو ان پر نشہ ہی اور سوار تھا، ذرا بھی اثر نہ ہوا اور لڑائی شروع ہو گئی۔

تم خود سوچو انے گنے ۷۲ آدمیوں کا اتنے بڑے ٹڈی دل سے مقابلہ ہی کیا، پھر فوج تازہ دم اور یہ بے چارے بھوک اور پیاس سے نڈھال، مگر جو لوگ سچائی اور حق پر ہوتے ہیں، ان کو خدا ہمت اور جرأت بھی ویسی ہی دے دیتا ہے، ان ۷۲ خدا کے بندوں نے، اس بے شمار فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن کب تک، آخر ایک ایک کر کے شہید ہوئے اور اپنے آقا حضرت امام حُسین علیہ السلام پر اپنی جانیں نثار کرنے لگے، یہاں تک کہ اب صرف حضرت امام حسین علیہ السلام باقی رہ گئے، آپ نے دشمنوں کی فوج کا ایسی شدت سے مقابلہ کیا کہ صفیں کی صفیں الٹ دیں، مگر دشمنوں نے انھیں چاروں طرف سے گھیر لیا، اور آخر حضرت امام حسین یعنی رسول خدا کے پیارے نواسے حق کے لئے اللہ کی راہ میں اپنی قوم کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

یہ ہے وہ بہت ہی رنج پہنچانے والا واقعہ جس کی وجہ سے محرم کے مہینے میں اتنا سوگ منایا جاتا ہے، اور ہر مسلمان اس کی یاد میں سوگوار نظر آتا ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام چاہتے تو اس معاملے سے بالکل الگ تھلگ رہتے، اور مدینے میں امن چین سے زندگی گذارتے، کوئی ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن آخر ہمارے رسول کے نواسے تھے، ان سے یہ بات نہ دیکھی گئی کہ ان کے نانا کے دین میں شروع ہی سے ایسی باتیں پیدا ہو جائیں جو سراسر مذہب کے

خلاف ہیں، آخر ان سے نہ رہا گیا، اور عیش و آرام کی زندگی پر لات مار کر اپنے کو مصیبتوں اور تکلیفوں کی آگ میں ڈال دیا، اور ہمارے تمہارے لئے ایسی اچھی مثال قائم کر گئے کہ اگر حق اور سچائی کی حمایت کا موقع آ پڑے، تو چاہے کچھ ہو جائے مگر اس کی حمایت سے منہ نہ موڑو۔

اور بھائی محرم کی دس تاریخ تک یہ جو سوانگ رچایا جاتا ہے، کہ کہیں باجے بج رہے ہیں، کہیں تعزیے نکل رہے ہیں، کہیں مہندی کا جلوس ہے، کہیں علم اٹھ رہے ہیں، کہیں کوئی پیک بن رہا ہے، کوئی شیر کی نقل اُتار رہا ہے تو یہ سب باتیں جہالت میں داخل ہیں، آدمی ان کو کرنے سے الٹا گنہگار ہوتا ہے، ہمیں تو یہ دیکھ کر شرم آتی ہے کہ غم منانے کے لئے انھوں نے کیا طریقے نکالے ہیں۔ جن سے خوشی کا دھوکہ ہو جاتا ہے۔ اسلام ایسے اچھے اور سچے مذہب کو اپنی ان بے ہودہ باتوں سے یہ کیسا بدنام کر رہے ہیں۔

ہمارے نبی

یہ کتاب بالکل چھوٹے بچوں کے درس میں داخل ہے، اور سینکڑوں اسلامیہ اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ قیمت صرف چار آنے ۴ر

ہمارے رسول صلعم

خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی استاد تفسیر جامعہ نے دس بارہ برس کے لڑکوں کے لئے نہایت سلیس اردو میں لکھی ہے، یہ بھی ہر جگہ درس میں داخل ہے۔ قیمت تخفیف شدہ ۵ر

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ جامعہ برقی پریس دہلی۔

پیام تعلیم

جلد ۱۶ | بابت ماہ جون سنہ ۱۹۳۴ء | نمبر ۶

فہرست مضامین

۱- بچوں سے باتیں	ایڈیٹر	۱۸۷
۲- چندا اور دھنو	محمد حسین حسان	۱۸۹
۳- دنیا کے بھائی بہن	محمود علی خاں صاحب جامعی	۱۹۵
۴- آسٹریلیا کے چند جانور	محمد احمد صاحب سبزواری	۲۰۰
۵- گرمی کا اثر ہوا پر	جیواد صاحب میرٹھی	۲۰۳
۶- گرمی کا موسم	مولٰنا حالی مرحوم	۲۰۵
۷- احتیاط علاج سے بہتر ہے	پروفیسر رشید احمد صاحب ایم اے	۲۰۹
۸- انڈے کا استعمال	رشید الدین صاحب لاہور	۲۱۱
۹- تین دوست	" "	۲۱۲
۱۰- شیاما	جناب پارس ناتھ صاحب سنہا	۲۱۶
۱۱- پٹنے کی داستان	از شفیق احمد صاحب قاضی	۲۱۸
۱۲- پڑھنے کی کتابیں	ایڈیٹر	۲۲۰
۱۳- معلومات	"	۲۲۱
۱۴- گڑیا بنانے کا آسان طریقہ	رشید الدین صاحب لاہور	۲۲۳
۱۵- انعامی مقابلہ	ایڈیٹر	۲۲۴

زیر ادارت - سعید انصاری بی اے (جامعہ) محمد حسین حسان (ندوی)

پیام تعلیم کے نئے خریدار

خوشی کی بات ہو کہ پیام تعلیم کی اشاعت دن پر دن تیزی سے بڑھ رہی ہو، بچے اور ان کے سرپرست طالب علم اور ان کے استاد رسالے کو بہت پسند کر رہے ہیں، نیز مختلف تعلیمی محکموں کے افسر بھی اس کی خوبیوں کا اعتراف اور اپنے حلقوں میں اسے رائج کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، جناب رائے شمبھو پرشاد صاحب بی اے مہتمم تعلیمات ضلع میڈک اور مولوی احمد اللہ صاحب بی اے بی ٹی ضلع کریم نگر نے مہربانی فرما کر اپنے اپنے اضلاع کے مدرسوں سے پیام تعلیم خریدنے کی سفارش کی، اور ہم سے ان مدارس میں پیام تعلیم کے نمونے بھیجنے کی فرمائش کی ہے، علاوہ اس کے صدر مہتمم صاحب تعلیمات صوبہ اورنگ آباد اور مہتمم صاحب تعلیمات ضلع رائچور کے خاص طور سے منت پذیر ہیں کہ انھوں نے اپنے یہاں کے مدارس میں بکمال مہربانی پیام تعلیم کی خریداری منظور فرمائی ہو۔ خریداران کی فہرست نیچے لکھی جاتی ہے۔

جناب مولوی محمد حفیظ الدین صاحب صدیقی بی اے، بی ٹی صدر مہتمم تعلیمات صوبہ اورنگ آباد دکن ... ... ۷۴ خریدار

جناب مولوی شفیع الدین صاحب، بی اے، بی، ٹی، مہتمم ضلع رائچور ... ... ۸۰ خریدار

بابو خورشید علی صاحب	برما	عبدالرحمٰن صاحب قدوائی	بھاگلپور	احمد سعید خاں صاحب	خورجہ
فیروز شاہ صاحب	اتمان زئی	سید تاج پیران سجادہ صاحب	بنگلور سٹی	سید محمد ابو مسعود صاحب	مصو بنی
شمیم آرا رحمان صاحب	دریاپور	مسلم لائبریری	الہ آباد سٹی	محمد عبدالولی صاحب، اکنڈ	حیدر آباد دکن
مقصودہ بیگم صاحبہ	اندور	سید آغا حید صاحب	فتح گڈھ	سید مبین احمد صاحب	ہوڑا
سید ظہیر الدین صاحب	علی گڑھ	سید ذوالفقار صاحب	حیدر آباد دکن	جوش محبوب علی صاحب، ایم اے	گنٹور
عظمت اللہ فاروقی صاحب	گلبرگہ	ڈاکٹر سید منظور صاحب	مالیر کوٹلہ	قطب الدین صاحب	شملہ
محمد اشفاق صاحب اللہ والے	دہلی	نبی احمد صاحب	دہلی	مرزا محمد عثمان صاحب	قندھار
سیف الدین، محمد عبدالحسیب	حیدر آباد	میر محمد حسین صاحب	دہلی	محمد یوسف صاحب۔	دہلی
عبدالوہاب صاحب	نور محل	منہاج محمد خاں صاحب	ناگپور	سید محمد محمود صاحب۔	الہ آباد

بچوں سے باتیں

یہ پرچہ پیام تعلیم کی سولھویں جلد کا آخری نمبر ہے چھ مہینے کی اس تھوڑی سی مدت میں تمھارے پرچے نے کتنی ترقی کی؟ ہم نے جنوری اور فروری کے پرچوں میں تم سے جو وعدے کئے تھے وہ کہاں تک پورے ہوئے؟ ان باتوں کے جواب بتانے اس لئے کہہ رہے تھے۔ اچھا تو یہی تھا کہ تم انھیں پیام تعلیم کے پچھلے پرچوں میں تلاش کرتے مگر تم اتنی تکلیف کہاں اٹھاؤ گے آؤ ہم ہی تمھیں بتائیں۔

جنوری کے پرچے میں ایک خاص بات ہم نے تم سے یہ کہی تھی کہ رسالے کی زبان بہت آسان کردی جائے گی اور اس بات کی پوری کوشش کی جائے گی کہ بچوں کو بچوں ہی کی زبان میں تمام باتیں سمجھائی جائیں تو بھائی ہم نے تو اپنی طرف سے اس وعدے کو پورا کرنے اور رسالے کی زبان کو آسان سے آسان بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے اور جہاں تک ہمیں اندازہ ہے تم نے بھی ہماری کوششوں کو بہت پسند کیا ہے۔ مگر تم اس سے یہ نہ سمجھنا کہ ہمیں اس سے اطمینان ہو گیا ہے نہیں بلکہ ہماری کوششیں برابر جاری رہیں گی اور انشاءاللہ تم دیکھو گے کہ تمھارے پرچے کی زبان دن پر دن آسان سے آسان ہوتی جارہی ہے۔

پھر فروری کے پرچے میں ہم نے تم سے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ ماہوار پیام تعلیم بجائے بتیس کے چالیس صفحے پر نکلے گا۔ قلمی تصویروں کی تعداد بڑھادی جائے گی۔ اور اکثر بابا کی تصویریں بھی شائع ہوں گی۔ تم دیکھ رہے ہو گے کہ فروری سے رسالہ برابر ۴۰ صفحوں پر نکل رہا ہے قلمی تصویروں کی گنتی بڑھا دی گئی ہے۔ بابا کی تصویریں بجائے "اکثر" کے مستقل طور پر شائع ہو رہی ہیں۔ اور انشاءاللہ ہوتی رہیں گی۔

ان چیزوں کے علاوہ خود مضمونوں میں ہم نے کتنی ہی باتیں بڑھائی ہیں۔ جانوروں کے قصے، مختلف ملکوں کے درندوں اور چوپایوں پر مضمون۔ پرندوں کے حالات سائنس کے اچھے اور مختصر مضمون، آسمان اور ستاروں کے حالات۔ ڈرائنگ کے نمونے غرض کہ اور اسی قسم کی اور کئی چیزیں ہیں جو مستقل طور پر بڑھائی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض مضمون بہت مفید لیکن خشک ہیں لیکن ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ انھیں نہایت دلچسپ اور مزے دار بنا کر تمھارے سامنے پیش کیا جائے کہ تمھیں اس کی خشکی کا ذرا بھی پتہ نہ چلے اور تم مزے لے لے کر انھیں پڑھتے چلے جاؤ۔

یہ تو خلاصہ ہے ان بہت سی کوششوں کا جو اس چھ مہینے کی مدت میں ہم نے تمھارے رسالے کی ترقی کے لئے کیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔ اب بھائی اجازت دو تو تم سے کچھ پوچھیں کہ تم نے اتنے دنوں میں اپنے پرچے کے لئے کیا کیا۔ برا نہ مانو تو میں تم سے کہوں کہ تم پیام تعلیم کے لئے بہت کچھ کر سکتے تھے لیکن تم نے کچھ نہ کیا۔ تمھارے لئے یہ ذرا بھی مشکل کام نہ تھا کہ اپنے بہت سے ہمجولیوں، ساتھیوں اور دوستوں میں سے ایک دو ہی کو پیام تعلیم کا خریدار بنا لیتے مگر تم سے اتنا کام بھی نہ ہو سکا۔ حالانکہ پیام تعلیم کی زندگی اور موت کا دارو مدار تم پر اور تمھارے بنائے ہوئے خریداروں پر ہے۔ ہم یہ بات تمھیں کئی بار سمجھا چکے ہیں۔ خدا کرے کہ اب نہ سمجھانا پڑے اور تمھیں اپنے رسالے کو ترقی دینے کی جو خواہش ہے۔ وہ خواہش عمل کی صورت اختیار کرلے۔ دیکھیں سب سے پہلے کون تم میں سے آگے بڑھتا ہے۔ اور پیام تعلیم کے نئے خریداروں کی فہرست ہمارے پاس بھیجتا ہے

مارچ کے انعامی مقابلے کے سلسلے میں کافی مضمون ہمارے پاس پہنچے ہیں، ہمیں افسوس ہے کہ بچوں نے مضمون لکھنے سے پہلے ہمارا اعلان اچھی طرح غور سے نہیں پڑھا۔ ان کے مضمونوں میں وہ شرطیں پوری نہیں ہوتیں جو اعلان میں لکھی گئی تھیں تاہم بعض بچوں اور بچیوں نے مضمون اچھے لکھے ہیں۔ ان سب مضمونوں میں شفیق احمد صاحب قاضی کا مضمون سب سے بہتر سمجھا گیا ہے اور انعام کے مستحق بھی وہی قرار پائے ہیں۔ یہ مضمون پیام تعلیم کے اسی پرچے میں شائع ہو رہا ہے۔ باقی مضمونوں میں سے جو اچھے اور دلچسپ ہیں وہ بھی آہستہ آہستہ شائع ہوتے رہیں گے

اس مہینے سے ہم پیام تعلیم میں دو مستقل عنوان بڑھا رہے ہیں "بچے کیا پڑھیں" اور "معلومات"

بچوں کے پڑھنے کے لائق اچھی اچھی کتابیں اول تو اُردو میں نکلی ہی کم ہیں اور جو نکلی بھی ہیں تو بہت سے بچوں کو اُن کی خبر ہی نہیں ہوتی اس لئے ہم نے طے کیا ہے کہ ہر مہینے ایسی دو تین کتابوں پر ریو کریں یعنی اُن میں جو مضمون لکھا ہے اسے مختصر سا بیان کر دیں اور ہو سکے تو اُس پر اپنی رائے بھی لکھ دیں تاکہ ہر اچھی کتاب کے شائع ہونے کی تمھیں خبر ملتی رہے اور تمھیں کتابیں پڑھنے کا شوق ہے تو بجائے ایسی ویسی کتابیں پڑھنے کے اچھی اچھی کتابیں اپنے مطالعے میں رکھو۔

دوسری سرخی معلومات کی ہے۔ اس کے نیچے ہم ایسی اچھی، مفید اور دلچسپ خبریں دیں گے جنھیں پڑھ کر تمھیں دلچسپی بھی ہوگی اور تمھارا علم بھی بڑھے گا۔

بچوں کے بنک پر پچھلے پرچے میں ایک مفصل مضمون شائع ہو چکا ہے۔ اس بنک کا قاعدہ ہے کہ ہر سال چھٹیوں سے ایک مہینے پہلے اپنا نفع تقسیم کر دیتا ہے۔ اس سال بھی ۳ اپریل کی شام کو تعلیمی مرکز کے ہال میں اس کا جلسہ منعقد ہوا اس میں بنک کی سال بھر کی رپورٹ پڑھ کر سنائی گئی اور حصہ دار بچوں کو نفع تقسیم کیا گیا۔

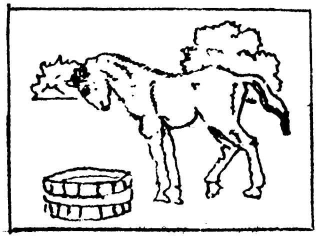

چنداّ اور دھنو

(محمد حسین حسان)

چندا (ننھا منھا ٹٹو کا بچہ) اور دھنو (گدھے کا بچہ) میں بڑی گاڑھی دوستی تھی، ہر وقت ساتھ کھیلتے کودتے، آپس میں ہنسی مذاق اور شرارتیں کرتے۔ کبھی وہ اس کے اپنے منہ سے کان پکڑ کر کھینچتا، کبھی وہ اس کے دولتیاں جھاڑتا غرض بڑی دلگی رہتی۔

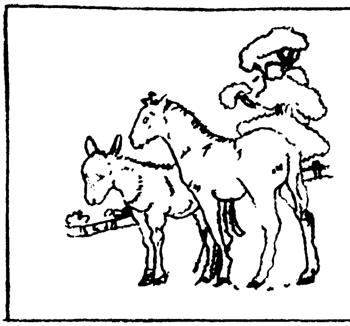

ایک دن وہ بڑے مزے میں ہری ہری گھاس چر رہے تھے اور آپس میں ہنسی دلگی ہو رہی تھی، کہ اتنے میں چندا کے نہ جانے کیا جی میں آیا کہ دھنو سے کہنے لگا، بھیا تم تو بڑے بدشکل معلوم ہو رہے ہو۔"

دھنو کو یہ سن کر بڑا رنج ہوا۔ کہنے لگا، کیوں بھئی مجھ میں کیا خرابی ہے جو میں بدصورت معلوم ہو رہا ہوں۔

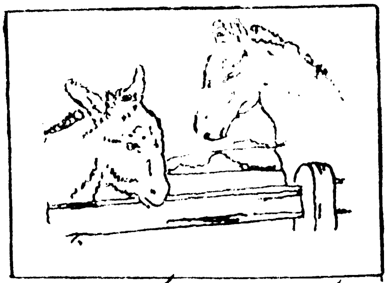

چندا:۔ دیکھو تمھاری کھال کیسی سخت ہے۔ اور اس پر کیسے گھنے اور جھبرے جھبرے بال ہیں اگر میری طرح نرم اور ریشم کے سے ملائم بال ہوتے تو تم بھی بڑے ہی اچھے لگتے۔

دھنو:۔ تو بھئی تمھاری طرح ریشم کے سے بال کہاں سے پیدا کروں۔

چندا:۔ اب یہ میں کیا جانوں اچھا آؤ چلیں کسی

اور سے پوچھیں۔

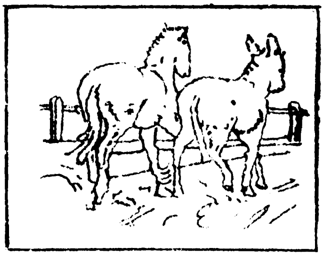

یہ بات چیت کرکے دونوں اچھلتے کودتے ایک طرف کو روانہ ہوئے ، ابھی زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ بی مرغی خانم مل گئیں ، اپنے ننھے ننھے چوزوں کو سکھا رہی تھیں کہ ناج کے دانوں کو زمین سے کیسے اٹھانا چاہیئے

چندا :۔ اے بہن مرغی خانم ذرا بات سننا۔ ہمیں تم سے کچھ پوچھنا ہے۔ بھلا کوئی تمھیں ایسی ترکیب معلوم ہے کہ ہمارے دھنو کے بال بھی نرم ریشم کی طرح ملائم ہو جائیں۔

بی مرغی :۔ کٹ کٹ کٹ کٹ اسے نرم بالوں کی کیوں خواہش ہو گئی ہے

چندا :۔ اس لئے کہ وہ بد صورت معلوم ہوتا ہے۔

(چندا نے جو اس کی بدصورتی کا ذکر کیا تو بےچارا دھنو بہت رنجیدہ ہوا۔)

بی مرغی :۔ کٹ کٹ کٹ کٹ ۔ خیر اگر بال ملائم نہ ہو سکیں تو نہ سہی لیکن اگر اس کے بدن پر مخمل جیسے نرم اور ملائم پر پیدا ہو جائیں تو یہ بڑا اچھا معلوم ہوگا۔

بی مرغی نے بڑے فخر سے اپنے بچوں کی طرف دیکھا ، جو ان کے چاروں طرف کھڑے ہوئے چوں چوں کر رہے تھے ، ان کے ننھے ننھے مخمل کے ایسے نرم نرم پر سچ مچ بڑے ہی خوب صورت معلوم ہوتے تھے۔

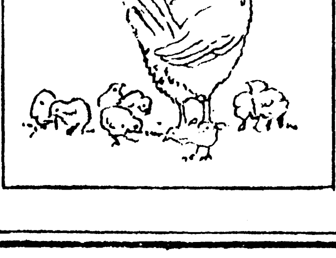

دھنو:۔ (خوش ہوکر) آہا میری اچھی مرغی آپا مہربانی فرماکر اب یہ بتائیے کہ یہ پر میرے کس طرح نکلیں گے۔

بی مرغی:۔ اب یہ مجھے نہیں معلوم کسی اور سے جا کر پوچھو۔ وہ پھر اپنے کام میں لگ گئیں اور اپنے ننھے ننھے چوزوں کو زمین سے دانہ چننے کا سبق دینے لگیں۔

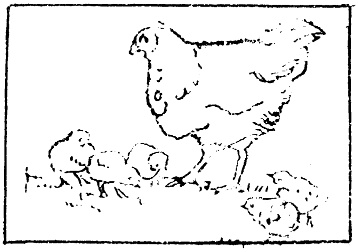

چندا اور دھنو پھر روانہ ہو گئے۔ ابھی زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ گائے ماتا نظر آئیں اپنے ننھے ننھے بچھڑوں کو بتا رہی تھیں کہ گھاس کی میٹھی میٹھی تازہ پتیاں کیسے تلاش کرنا چاہئیں۔

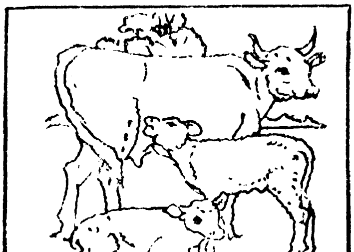

چندا نے آگے بڑھ کر کہا، گائے ماتا، ایک بات تو ذرا بتا دو۔ ہمارے دھنو کے بدن پر نرم نرم مخمل کے سے پر کیسے نکل سکتے ہیں

گائے ماتا:۔ .... اُسے نرم نرم مخملی پروں کی خواہش کیوں پیدا ہوئی۔

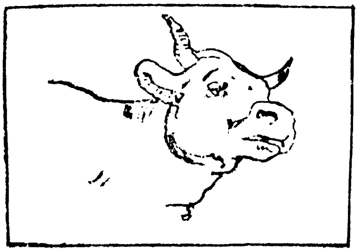

چندا:۔ اس لئے کہ وہ بہت ہی بدصورت ہے۔

چندا نے یہ کہا اور غریب دھنو کے پٹ، پٹ آنسو گرنے لگے۔

گائے ماتا:۔ نرم نرم مخملی پروں سے تو شاید ہی اس کی شکل صورت کچھ اچھی ہو ہاں اگر اس کے سر پر سینگ نکل آئیں تو یہ بڑا ہی خوب صورت معلوم ہوگا۔"

گائے ماتا بڑے فخر سے اپنے دونوں بچھڑوں کی طرف تاکنے لگیں، جن کے سینگ دونوں کانوں کے درمیان ابھی نکلنا شروع ہوئے تھے۔ اور ذرا ذرا سی نوکیں نظر آ رہی تھیں۔

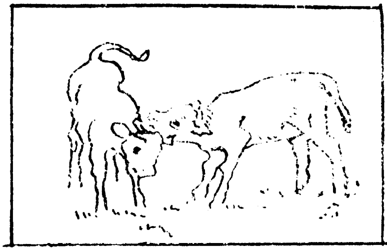

دھنو :۔ آہا ماتاجی، یہ بھی تو بتاؤ کہ یہ سینگ میرے سر میں نکلیں گے کیسے۔

گائے ماتا :۔ یہ مجھے بالکل نہیں معلوم بیٹا! کسی اور سے جاکر پوچھ لیتے تو اچھا تھا۔

یہ کہہ کر وہ پھر اپنے اپنے کام میں لگ گئیں اور بچوں کو بتانے لگیں کہ گھاس کی میٹھی میٹھی اور تازہ تازہ پتیاں کہاں اور کیسے تلاش کی جاتی ہیں۔

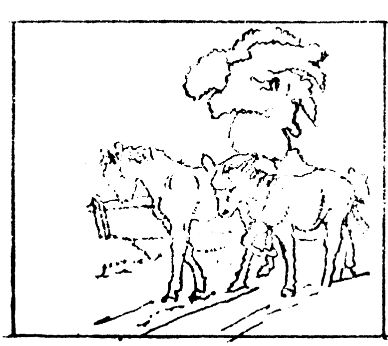

چندا اور دھنو اور آگے بڑھے، تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ راستے میں میاں خرگوش مل گئے، اپنے ننھے ننھے بچوں کو سکھا رہے تھے کہ پنجری کی سلاخوں میں سے باہر کی دنیا کو کس طرح دیکھنا چاہیے۔

چندا :۔ خرگوش میاں ذرا ایک بات تو بتاؤ کوئی ایسی ترکیب بھی ہے کہ دھنو کے سر پر سینگ نکل آئیں۔

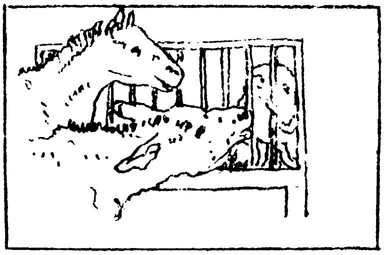

خرگوش :۔ دھنو کے سر پر سینگ! یعنی!! اُسے اس کی خواہش کیوں پیدا ہوئی۔

چندا :۔ اس لئے کہ وہ بہت ہی بدشکل ہے۔

چندا اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ غریب دھنو مارے غم کے چیخ اٹھا اور رونے پر بھی ڈھینچو، ڈھینچو کی چند دردناک آوازیں تو اس کے منہ سے نکل ہی گئیں۔

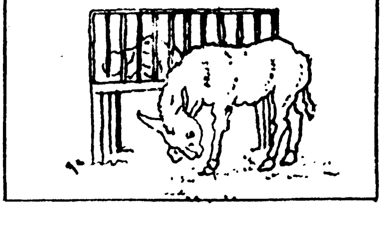

خرگوش :۔ کیا سچ مچ اس کے سر میں سینگ نکل آئیں گے ؟ مگر میں ایک بات بتاؤں ! اگر اس کے کان خوب لمبے لمبے اور نرم نرم اور آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہو جائیں ۔ تو پھر تمھارا دھنو بڑا خوبصورت ہو جائے گا ۔

انھوں نے بڑے فخر سے اپنے بچوں کی طرف دیکھا جن کی ننھی ننھی آنکھیں نگینے کی طرح جڑی ہوئی معلوم ہوتی تھیں اور نرم نرم لمبے لمبے کان چہرے کے دونوں طرف پردوں کی طرح لٹکے ہوئے تھے ۔

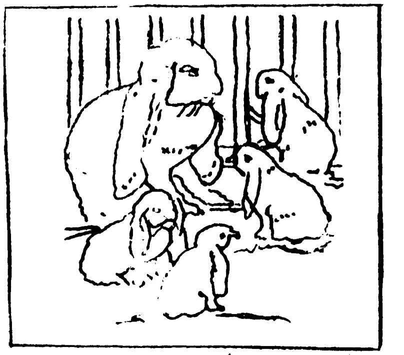

دھنو :۔ (ذرا خوش ہو کر) اچھا اب ذرا یہ بھی تو بتاؤ کہ یہ ننھی ننھی آنکھیں اور لمبے لمبے کان میں کہاں سے پاؤں

خرگوش :۔ یہ بھائی مجھے بالکل نہیں معلوم ! تم کسی اور سے جا کر پوچھو ۔

اتنا کہنے کے بعد وہ پھر پہلے کی طرح اپنے کام میں مشغول ہو گئے ، یعنی اپنے بچوں کو یہ بات بتانے لگے کہ پنجرے کی سلاخوں میں سے باہر کی دنیا کو کیوں کر دیکھنا چاہیئے ۔

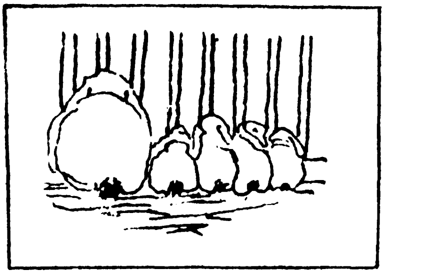

اب چندا اور دھنو پھر آگے بڑھے ۔ زیادہ دور نہ گئے ہوں گے کہ انھیں دو بچیاں کھیلتی ہوئی ملیں ، ان دونوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ایک لڑکی چیخ کر بولی " اری دیکھ کتنا خوب صورت گدھے کا بچہ تو نے اس سے زیادہ خوب صورت بچہ کبھی ہرگز نہ دیکھا ہوگا ۔

دوسری لڑکی :۔ آہا یہ تو اس ٹٹو کے بچے سے بھی خوب صورت ہے ۔

چندا کے دل پر یہ بات تیر کی طرح لگی اس نے اپنی گردن اوپر کو اٹھائی اور اسی وقت چمپت ہو گیا ۔

مگر دھنو کو اتنے جانوروں میں سے کسی کی بات اتنی اچھی نہیں لگی جتنی ان چھوٹی چھوٹی بچیوں کی صبح کا سارا وقت اس نے ان کے ساتھ کھیلنے میں گذا دیا۔ اب اگر کوئی جانور میاں دھنو کو بدصورت کہہ کر چڑاتا تھا تو یہ برا نہیں مانتے تھے، کیوں کہ انھیں یقین تھا کہ خاص اور اہم لوگ تو انھیں خوب صورت سمجھتے ہی تھے۔ تو پھر ان کی بکواس پر کیوں کان دھرا جائے۔

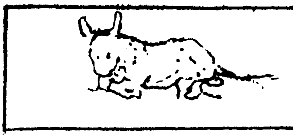

لطیفے

رام :۔ پرتاب تمھارا گھر کہاں ہے۔

پرتاب :۔ جہاں میں رہتا ہوں۔

رام :۔ تم کہاں رہتے ہو۔

پرتاب :۔ جہاں میرا گھر ہے۔

چھوٹا لڑکا :۔ واہ اماں میں تو کوشش کر رہا ہوں

اماں :۔ مگر معلوم ہوتا ہے تمھیں کامیابی نہیں ہوئی

چھوٹا لڑکا :۔ دیکھئے نہ اماں اگر میں نیک بننے کی کوشش نہ کرتا تو اب تک کتنا شریر ہو گیا ہوتا

خریدار :۔ (غصے میں) کل جو صابن آپ کے یہاں سے خرید لے گیا تھا، بالکل ہی خراب نکلا۔

دوکاندار :۔ جناب آپ تو بڑے قسمت ہیں آپ نے تو بس ایک ہی ٹکیہ خریدی اور میں نے تو پچاس بکس خریدے ہیں

ماسٹر :۔ ۱۸۴۶ء میں کیا واقعہ پیش آیا۔

لڑکا :۔ ڈاکٹر اینی بسنٹ پیدا ہوئیں۔

ماسٹر :۔ (بالکل ٹھیک)۔ اور ۱۸۵۶ء میں کیا ہوا

لڑکا :۔ (کچھ پس و پیش کے بعد) ڈاکٹر اینی بسنٹ ۹

دنیا کے بھائی بہن

(محمود علی خاں صاحب جامعی)

پچھلے مضمون میں تمھیں دنیا کے بھائی بہنوں کے نام بتائے گئے تھے آج ان سب کا تھوڑا تھوڑا حال بیان کیا جاتا ہے۔ غور سے پڑھو (ایڈیٹر)

عطارد

یہ ہمارا سب سے چھوٹا بھائی ہے اور سورج سے سب سے زیادہ نزدیک ہے، یہ ۸۸ دن میں سورج کے چاروں طرف چکر لگاتا ہے۔ یعنی اس کا سال ۳۶۵ کے بجائے ۸۸ دن کا ہوتا ہے، اور کبھی کبھی مشرقی مغربی افق پر دکھائی دیتا ہے لیکن سورج سے قریب ہونے کی وجہ سے اس کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے اس لئے دھندلا نظر آتا ہے۔

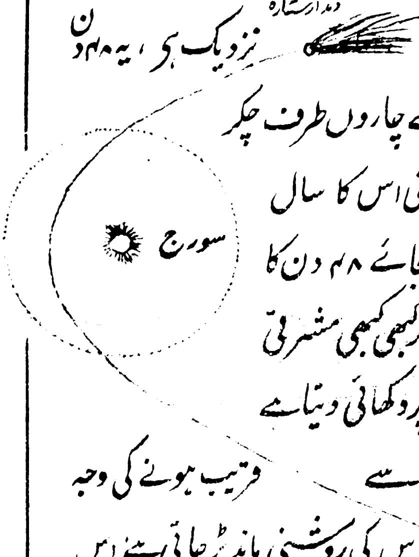

زہرہ

یہ ہماری چھوٹی بہن ہے، سورج کے اور ہمارے درمیان یہی ایک سیارہ ہے، یہ ۲۲۵ دن میں سورج کے چاروں طرف چکر لگاتا ہے یعنی اس کا سال ۳۶۵ کے بجائے ۲۲۵ دن کا ہوتا ہے، یہ بھی کبھی مشرقی اور کبھی مغربی افق پر دکھائی دیتا ہے۔ لیکن یہ بڑا ہی خوب صورت سیارہ ہے ایک طرف تو یہ سورج سے کافی دور ہے کہ اس کی روشنی سے چکا چوندھ نہیں ہوتا اور دوسری طرف ہماری دنیا سے بہت قریب ہے، اس لئے یہ تمام سیاروں میں سب سے زیادہ چمکدار معلوم ہوتا ہے آسمان پر جب یہ نکلتا ہے تو معلوم ہوتا ہے ایک بجلی کا ٹکڑا جگ مگ جگ مگ کر رہا ہے۔

مریخ

زہرہ کے بعد ہماری دنیا ہے، اگر دوسرے سیاروں میں جا کر آپ اپنی دنیا کو دیکھیں تو یہ بھی ایک ستارے کی طرح جگمگاتی معلوم ہو گی، ہماری دنیا کے

بعد مریخ ہے یہ بھی ہمارا چھوٹا بھائی ہے یہ ۶۸۷ دن میں سورج کے چاروں طرف چکر لگاتا ہے، یعنی اس کا سال ۳۶۵ کے بجائے ۶۸۷ دن کا ہوتا ہے، یہ لڑکا بڑا نٹ کھٹ ہے، لوگ اسے منحوس سمجھتے ہیں اس کی آنکھیں انگارے کی طرح سرخ رہتی ہیں، اور یہ پورے آسمان پر چکر لگاتا ہے، اسے جب آپ دیکھیں گے بس یہ معلوم ہوگا، جیسے لال لال انگارہ آسمان پر رکھا ہے، زہرہ کی طرح یہ بھی ہم سے بہت قریب ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ زیادہ روشن دکھائی دیتا ہے، اور جب کبھی چکر کاٹتے کاٹتے ہم سے بہت قریب ہو جاتا ہے تو لوگ دوربینوں اور خوردبینوں سے اسے دیکھتے ہیں، اور چونکہ ان کا خیال ہے کہ اس میں آبادی ہو سکتی ہے اس لئے اس سے باتیں کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اب تک انھیں جواب نہیں ملا ہے

اچھا ایک بہت ہی دلچسپ بات بتائیں۔ دوربین سے دیکھنے سے ایک نئی اور عجیب بات معلوم ہوئی، جیسے ہمارے دنیا کے چاروں طرف دو چاند گھومتے ہیں[۱] یعنی وہاں اگر لوگ رہتے ہیں تو انھیں اکثر راتوں کو دو چاند دکھائی دیتے ہوں گے، کبھی ایک رہ جاتا ہوگا اور کبھی دونوں غائب ہو جاتے ہوں گے۔

مشتری

یہ ہماری بڑی آپا ہیں، اور ہماری ہی نہیں بلکہ سب سیاروں کی بڑی آپا ہیں۔ یہ مریخ کے بعد ہے۔ اور بارہ برس میں سورج کے چاروں طرف چکر پورا کرتا ہے۔ گویا اس کا ایک برس ہمارے بارہ برس کے برابر ہوتا ہے۔

یہ بہت بڑا ہونے کی وجہ سے آسمان پر خوب چمکتا نظر آتا ہے، لیکن زہرہ بہن کی طرح نہ اتنا خوب صورت ہے نہ اتنا روشن اور چمک دار۔

اس کے چاروں طرف چار چاند گھومتے ہیں۔ کسی چیز میں اگر کسی دوسری چیز کی وجہ سے خوبصورتی بڑھ جاتی ہے تو عورتیں کہتی ہیں "چار چاند لگ گئے"۔ تو مشتری آپا میں سچ مچ چار چاند لگ گئے ہیں۔ خیال تو کیجئے وہاں کی رات کیسی مزے کی ہوتی ہوگی، چار چاندوں کی چاندنی جب نکھر کے پھیلتی ہوگی تو کیسا بھلا معلوم ہوتا ہوگا، اور اندھیری رات تو شاید وہاں کبھی نہ ہوتی ہو۔ کیونکہ کوئی نہ کوئی چاند تو وہاں ہمیشہ

[۱] ایسے ہی مریخ کے چاروں طرف دو چاند گھومتے ہیں۔

نکلتا رہتا ہوگا۔

زحل

یہ ہمارا بڑا بھائی ہے اور اگرچہ مشتری آپا سے تو چھوٹا ہے لیکن اور سب سے بڑا ہے۔ یہ بہت گم سم سا رہتا ہے اسی لیے لوگ اسے بھی روتی صورت کا منحوس کہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ یہ ہم سے بہت دور ہے۔ اور اسی لئے دھندلا، دھندلا سا دکھائی دیتا ہے۔ سورج کے چاروں طرف یہ ۲۹ برس میں اپنا چکر پورا کرتا ہے، گویا اس کا ایک سال ہمارے ۲۹ برس کے برابر ہوتا ہے

اس کے چاروں طرف ننھے چاند ہیں کہ ایک حلقہ سا بن گیا ہے۔ بس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک گیند کو چوڑی پہنا دی ہو۔

یورینس اور نیپچون

ستاروں کے علم کو پہلے پہل عربوں نے سیکھا اور انھیں نے ان کے نام رکھے۔ اس زمانے میں بڑی بڑی دوربینیں اور خوردبینیں تو تھیں نہیں، اس لئے انھیں زحل تک سیارے معلوم تھے، اب اگر یہ سیارے اور معلوم ہوئے۔ اس لئے ان کے انگریزی نام ہم کو بھی لکھنا پڑے۔

یہ دونوں سیارے بغیر دوربین کے نہیں دکھائی دیتے، یہ دونوں کے دونوں مشتری اور زحل سے تو چھوٹے ہیں اور باقی سب سے بڑے ہیں۔ اس لئے ہم بھی دونوں کو بڑا بھائی کہتے ہیں۔ ان میں بھی نیپچون بڑا اور یورینس چھوٹا ہے۔ لیکن یورینس ہم سے نزدیک ہے اور نیپچون دور ہے۔ یورینس کو ۸۴ برس اور نیپچون کو ۱۶۵ برس سورج کے چاروں طرف چکر کاٹنے میں لگتے ہیں۔

جسامت اور فاصلہ

یہ سب سیارے آپس میں ایک دوسرے سے کتنے بڑے ہیں اس کا اندازہ کرنے کے لئے ہم ایک نقشہ درج کرتے ہیں۔

اب ان کی جسامت کا علیحدہ علیحدہ صحیح اندازہ اس طرح لگائیے، فرض کیجیے کہ ان سب سیاروں کے بیچوں بیچ میں سے آرپار ایک سرنگ کھودی جائے تو سرنگ کی لمبائی حسب ذیل ہوگی

عطارد	۳ ہزار میل
زحل	۷۲ ہزار میل
یورینس	۳۲ ہزار میل
نیپچون	۳۵ ہزار میل

اور ان کا فاصلہ سورج سے یہ ہوگا

عطارد	۳ کرور میل

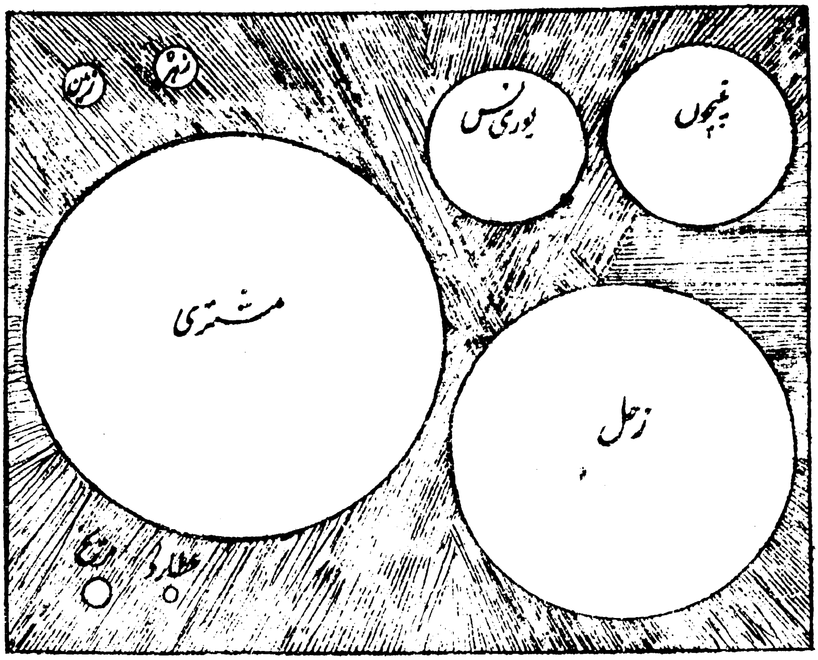

زہرہ	۸ ہزار میل
ہماری دنیا	۹ ہزار میل
مریخ	۴ ہزار میل
مشتری	۸۴ ہزار میل

زہرہ	۶ کرور میل
دنیا	۹ کرور میل
مریخ	۱۳ کرور میل
مشتری	۴۵ کرور میل

زحل	۹۰ کرور میل
یورینس	۱۷۸ کرور میل
نیپچون	۲۵۸ کرور میل

یعنی اگر اپنی دنیا سے ہم اسی ۵۰ میل فی گھنٹہ چلنے والی ریل میں بیٹھ کر چلیں تو ایک طرف تو زہرہ تک ۶۰ برس میں پہنچ سکیں گے اور دوسری طرف مریخ تک ۸۰ برس میں اور مشتری تک ۸۰۳ برس میں

ننھے سیارے

اس مضمون میں بس اب دو باتیں اور بتانا رہ گئی ہیں۔ ان سات آٹھ بچوں کے علاوہ سورج کے اور لاکھوں بچے ہیں۔ یہ مریخ اور مشتری کے بیچ میں رہتے ہیں۔ یہ بالکل ننھے سیارے ہیں اور یہ بھی دوسرے سیاروں کی طرح سورج کے چاروں طرف گھومتے ہیں ہیں۔ لیکن یہ سب کے سب ہیں بڑے شرمیلے۔ ہمیں دکھائی نہیں دیتے۔ البتہ اگر ہم خوردبین سے دیکھیں تو دکھائی دیتے ہیں، یہ بھی پہلے کسی کو معلوم نہ تھے جب بڑی خوردبینیں نکلیں تو یہ بھی نظر آئے

نہ جانے سورج کے اور کتنے بچے ہوں لوگوں کا خیال ہے کہ نیپچوں کے باہر سورج کے اور بھی بچے ہیں۔ لیکن ابھی ان کے لائق خوردبینیں ہی ایجاد نہیں ہوئی ہیں۔

دُمدار ستارے

دمدار ستارے بھی اصل میں سیارے ہی ہیں لیکن وہ ہمارے سورج کے خاندان میں نہیں ہیں، اس لئے ہم انھیں سوتیلے بھائی کہیں گے۔ یہ بھائی ہمیشہ ہمارے خاندان میں نہیں رہتے بلکہ کبھی کبھی پھیرا لگاتے ہیں۔ اور سورج کے گرد ایک چکر کر کے پھر جہاں سے آتے ہیں وہیں چلے جاتے ہیں۔ ان کے بڑی سی دم ہوتی ہے اور آسمان پر بڑی دور تک پھیلی معلوم ہوتی ہے۔ پرانے زمانے کے لوگ اسے جھاڑو کہتے تھے۔ اور اس کا نکلنا منحوس بتاتے تھے۔ ابھی یورپ کی بڑی بھاری لڑائی سے پہلے بھی ایک دمدار ستارہ نکلا تھا۔

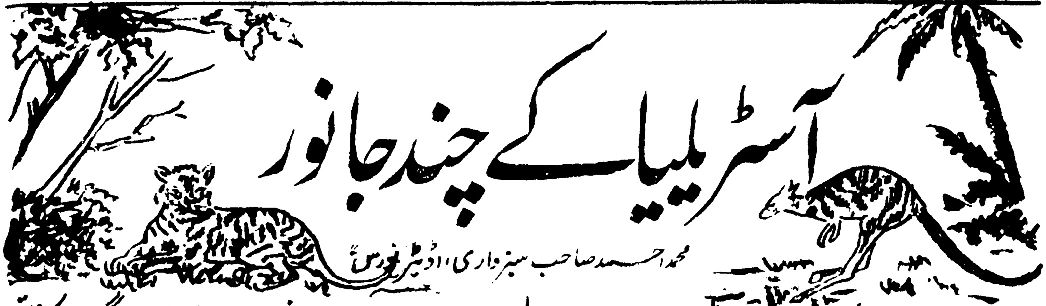

آسٹریلیا کے چند جانور

محمد احمد صاحب سبزواری، اڈیٹر نورس

آسٹریلیا دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ ہے، یہ اتنا بڑا ہے کہ اس کا شمار براعظموں میں کیا جاتا ہے

اس کی لمبائی (مشرق سے مغرب تک) ۲۴۰۰ میل اور چوڑائی (شمال سے جنوب تک) ۲۰۰۰ میل ہے اور چونکہ یہ جنوبی نصف کرہ میں واقع ہے، اس لئے یہاں کے موسم بھی تقریباً ساری دنیا سے نرالے ہیں

یعنی جب یورپ، ایشیا اور افریقہ میں گرمی کی شدت ہوتی ہے تو یہاں سردی ہوتی ہے - اور جب ہمارے یہاں سردی ہوتی ہے تو وہاں گرمی کا موسم ہوتا ہے ۱؎

چونکہ اس براعظم کے چاروں طرف لمبے چوڑے سمندر ہیں، اس لئے مدت تک دنیا کو اس کی خبر ہی

۱؎ ان باتوں کے سمجھنے میں کچھ دقت ہو تو اپنے جغرافیہ کے ماسٹر صاحب سے پوچھ لیجیے گا۔

نہیں ہوئی۔ نہ یہاں کے رہنے بسنے والے اپنے جزیرے سے کہیں باہر جاتے تھے۔ انھیں ہماری آپ کی دنیا سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا، اور ہمارے خیال میں تو شاید انھیں یہ معلوم بھی نہ ہوگا کہ ان کی آبادی کے سوا بھی انسانوں کی آبادی ہے اور دنیا میں دوسری جگہیں بھی ہیں جہاں لوگ رہتے ہیں۔ کوئی دو سو برس ہوئے جب یورپ والے پہلے پہل یہاں آئے، تو انھیں بالکل ہی نئے قسم کے جانور اور پودے اور درخت وغیرہ (نباتات) یہاں ملے، ہمارے یہاں کی، بھیڑ، بکری، گائے، بھینس یا گدھے سے کوئی جنگلی جانور مشابہ نہ تھا بالتو جانوروں کا تو ملک بھر میں پتہ نہ تھا کیوں کہ یہاں کے اصلی باشندے وحشی تھے وہ بالکل جنگلی جانوروں کی طرح ننگے رہتے تھے، جنگلی پھول پھل اور جانوروں کا گوشت ان کی خاص غذا تھی یہاں کے اکثر جانور کیسہ والے یعنی تھیلی دار ہوتے ہوتے تھے، نباتات کی بھی یہاں وہ قسم پائی جاتی تھی جو ہمارے یہاں شاید ہزاروں برس پہلے اگتی ہوں

مثلاً یوکلپٹس وغیرہ

یورپ والے اپنے ملکوں کے جانور اور حیوان یہاں لائے۔ اور ان کی نسل کو پھیلایا۔ خدا کی شان دیکھئے اس غیر ملک میں آکر یہ جانور خوب پھلے پھولے اور دن پر دن ان کی بڑھوتری ہی ہوتی رہی اور تمھیں یہ سن کر تعجب ہوگا، کہ آج کل یہاں مویشی اور گھوڑے بارہ کرور کے قریب ہیں۔ بھیڑ، بکریوں کے اون کی بڑی زبردست تجارت ہے۔ گھوڑے بھی بہت عمدہ ہوتے ہیں اور ساری دنیا میں بھیجے جاتے ہیں۔

اب ہم یہاں چند جانوروں کا ذکر کرتے ہیں جو خاص اسی جزیرے میں ہوتے ہیں۔

۱۔ کانگرو۔ تھیلی والے جانوروں میں سب سے بڑا جانور کانگرو ہے، اس کی اگلی ٹانگیں خرگوش کی طرح چھوٹی اور پچھلے پاؤں بہت لمبے ہوتے ہیں اور وہ چاروں پاؤں سے خوب دوڑ سکتا ہے پچھلے پاؤں کے کھر اس قدر سخت اور مضبوط ہوتے ہیں کہ ایک لات میں

جنگلی کُتّے کا خاتمہ کر دیتی ہے ۔ یہ جب پچھلی ٹانگوں سے کھڑا ہوتا ہے تو اس کا قد آدمی سے بھی کچھ اونچا ہو جاتا ہے ۔ یہ اپنے ان پاؤں ہی کی بدولت دس پندرہ گز تک چھلانگ لگا سکتا ہے ۔ اس کی دم بہت موٹی اور مضبوط ہوتی ہے ۔ نر کا قد آٹھ اور مادہ کا چھ فٹ کے قریب ہوتا ہے ۔ یہ اتنا تیز دوڑتا ہے کہ گھوڑا اس کی گرد بھی نہیں پا سکتا ۔ ہرنوں کی طرح یہ جانور بھی غول میں مل کر رہتا ہے اس کی کھال بہت قیمتی ہوتی ہے اس لئے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں ممالک غیر کو جاتی ہیں ۔ یہ جانور ڈرپوک بہت ہے اور اگر ذرا سا کھٹکا ہو جائے تو بے تحاشہ بھاگتا ہے لیکن اگر یہ چاروں طرف سے گھر جائے تو اس کو غصہ آجاتا ہے اور دشمن کا اپنی ایک خوفناک لات سے خاتمہ کر دیتا ہے ۔

اس کا بچہ بھی عجیب چیز ہے ، پیدا ہوتے وقت یہ بہت چھوٹا سا ہوتا ہے ۔ ماں اسے پیدا ہوتے ہی اٹھا کر اپنی تھیلی میں رکھ لیتی ہے جو جیب کی طرح پیٹ میں ہوتی ہے ۔ اس تھیلی یا جیب میں دودھ کی ایک رگ ہوتی ہے بچہ اس کے ذریعے دودھ پی پی کر دن پر دن بڑا ہوتا جاتا ہے اس کا بچہ پیدائش کے وقت بہت ہی نامکمل سا ہوتا ہے ۔ کہیں پندرہ بیس روز کے بعد اپنی پوری شکل میں آجاتا ہے جب یہ بڑا ہو جاتا ہے تو اپنی ماں کے ساتھ باہر نکل کر گھاس وغیرہ چرتا ہے ۔ مگر جوں ہی ذرا سی آہٹ ہوئی اور یہ ماں کی تھیلی میں ۔ اس طرح تقریباً چھ مہینے تک اپنی ماں کی تھیلی ہی میں پرورش پاتا ہے ۔

لطیفہ

چھوٹا لڑکا :- (کتاب سے نظر اٹھا کر) ابا یہ "فساد" جسم کے کس حصے کو کہتے ہیں ۔

باپ :- (تعجب سے) یعنی میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا ۔

لڑکا :- دیکھئے نہ ! کتاب میں لکھا ہے کہ فوجی سردار کے فساد میں زخم آگیا ۔

تم نے اپنے گھر میں دیکھا ہوگا کہ دھواں ہمیشہ اوپر ہی کو اُڑتا ہے۔ کبھی نیچے کو نہیں آتا۔ تم نے کبھی سوچا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

شادی براتوں میں کاغذ کے غبارے اُڑائے جاتے ہیں، ان کے اندر ایک بتی جلتی رہتی ہے جب تک یہ روشن رہتی ہے غبارے اوپر ہی کو جاتے ہیں۔ جب یہ بجھ جاتی ہے تو زمین پر گر جاتے ہیں۔

تم نے تاشے اور ڈھول بجتے دیکھے ہوں گے اور یہ بھی دیکھا ہوگا کہ تھوڑی دیر بعد تاشے اور ڈھول والے پھوس جلا کر اپنے تاشوں کو تاپتے اور سینکتے ہیں۔ ایسا کرنے سے تاشے خوب زور اور کڑاکے سے بجنے لگتے ہیں۔ باجے والے اپنے تاشوں کو کیوں سینکتے ہیں؟ بات اصل یہ ہے کہ گرم ہونے سے ہوا پھیل جاتی ہے، اور جب ہوا پھیلتی ہے تو آس پاس کی ہوا سے زیادہ ہلکی ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ اوپر کو اُٹھتی ہے۔ جب تم آگ جلاتے ہو تو وہ ادھر ادھر کی ہوا کو گرم کر دیتی ہے۔ یہ ہوا پھیل کر ہلکی ہو جاتی ہے، اور اوپر اُٹھتی ہے، اور دھوئیں کو بھی اپنے ساتھ اُڑا لے جاتی ہے۔

غبارہ بہت ہلکا ہوتا ہے۔ جب اس میں چراغ جلتا ہے تو بتی کے آس پاس کی ہوا گرم ہو کر ہلکی ہو جاتی ہے۔ یہ اوپر کو اُڑتی ہے اور چونکہ غبارہ بہت ہلکا ہوتا ہے اس لئے اسے بھی اپنے ساتھ اُڑا لے جاتی ہے۔

اسی طرح جب تاشوں کی آواز دھیمی اور جھوجری پڑ جاتی ہے تو ان کو سینکتے ہیں جس سے ان کے اندر کی ہوا گرمی پا کر پھیلتی ہے اور تاشا یا ڈھول تن جاتا ہے۔ اور اس کی آواز خوب کڑاکے کی ہو جاتی ہے۔

تجربہ:- ایک جلتے ہوئے لمپ کی چمنی میں باریک

کاغذ کے چند چھوٹے ٹکڑے ڈالو۔ یہ ٹکڑے چمنی کے اندر نہیں جائیں گے بلکہ اوپر ہی کو اڑیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہوا کی لہر چمنی کے اندر اور آس پاس سے گرم ہو کر اوپر کو اڑتی ہے، اور اس لئے ہلکے ہلکے ٹکڑوں کو اپنے ساتھ اوپر ہی کی طرف لے جاتی ہے۔

ایک جاپانی طالب علم کی حُبّ الوطنی

(حضرت اصغر گونڈوی)

ایک مرتبہ ایک جاپانی جہاز امریکہ جا رہا تھا جہاز پر ایک روز چاول ختم ہو گئے ایک غیر ملکی مسافر نے جو چاولوں کا بہت عادی تھا اس دن کھانا نہیں کھایا، یہ بات ایک جاپانی طالب علم کو جو اسی جہاز پر سفر کر رہا تھا، معلوم ہوئی، اس نے پہلے تو جہاز کے گودام میں پہنچ کر وہاں کے آدمیوں سے دریافت کیا، اور جب معلوم ہوا کہ واقعی چاول ختم ہو گئے، تو وہ اپنے پاس سے چاول لے کر مسافر کے پاس پہنچا اور اس کے سامنے چاول رکھ کر نہایت منت و سماجت سے اس سے معافی مانگنا شروع کی مسافر نے ہر چند کہا کہ مجھے اس کا کچھ خیال نہیں ہے، مگر جاپانی طالب علم رو رو کر برابر اس سے یہ کہتا رہا کہ آپ معاف کر دیں، اور مجھ سے یہ وعدہ کریں کہ آپ اس کی شکایت نہ کریں گے، کہ "آپ کو جاپانی جہاز میں چاول نہیں ملے"، مسافر پر طالب علم کے رونے کا بہت اثر ہوا، اس نے اس سے وعدہ کر لیا، لیکن جاپانیوں کی حب الوطنی کی جو مثال اسے نظر آئی وہ بھی ایسی تھی، جسے وہ تمام عمر کبھی نہ بھلا سکا

(ماخوذ)

گرمی کا موسم

(از خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم)

یہ جون کا مہینہ ہے، اس مہینے میں گرمی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ سارا ملک دوزخ کا نمونہ بن جاتا ہے نہ دن کو چین نہ رات کو آرام، ہوا چلتی ہے تو اتنی تیز اور گرم کہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ کے شعلے جسم کو جھلسائے دیتے ہیں۔ اور جو ہوا بند ہو جائے تو ایسی امس اور ایسی گھٹن کہ الاماں والحفیظ، مارے پسینہ کے برا حال، ادھر سورج کی تیزی کا یہ عالم کہ گویا آگ برسا رہا ہے، آج کل تو تم میں سے اکثر اس مصیبت میں مبتلا ہوں گے خدا سے دعا کرو کہ جلد برسات آئے اور یہ گرمی اپنا بوریا بستر باندھیں۔

اس موقع پر ہم مشہور قومی شاعر مولانا الطاف حسین حالی مرحوم کی بہت ہی اچھی نظم پیام تعلیم میں شائع کرتے ہیں، اس نظم میں دیکھو مولانا حالی نے گرمی کے زمانے کا کیسا اچھا سماں کھینچا ہے اس زمانے میں آسمان و زمین کی جو کیفیت ہو جاتی ہے، ڈھور، ڈنگر، چوپائے اور انسان جس مصیبت اور تکلیف سے دوچار ہوتے ہیں۔ ان کی تصویر آنکھوں تلے پھر جاتی ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس اچھی نظم کو تم بار بار پڑھو، اور یاد کر لو۔ (ایڈیٹر)

گرمی سے تڑپ رہے تھے جاندار
اور دھوپ میں تپ رہے تھے کہسار

بھوبل سے سوا تھا ریگ صحرا
اور کھول رہا تھا آب دریا

تھی لوٹ سی پڑ رہی چمن میں
اور آگ سی لگ رہی تھی بن میں

سانڈے تھے بلوں میں منہ چھپائے
اور ہانپ رہے تھے چارپائے

تمہاری سہولت کے خیال سے ہم نے ان تمام مشکل لفظوں کے معنی لکھ دیئے ہیں جو اس نظم میں آئے ہیں (لفظوں کا اس طرح معنی لکھنے کو فرہنگ کہتے ہیں) یہ فرہنگ الف، با کی ترتیب سے (ردیف وار) ہے تاکہ تمھیں شروع ہی سے لغت (ڈکشنری) دیکھنے کا طریقہ معلوم ہو جائے اور پیام تعلیم کے ذریعے آہستہ آہستہ تمھیں اس کی مشق ہوتی رہے، آیندہ بھی ہم مشکل لفظوں کے معنی اسی طرح دیا کریں گے۔

ا **آب** - پانی، آب دریا - دریا کا پانی
افلاک - فلک کی جمع - آسمان
ب **بھوبل** - گرم گرم راکھ
بادسموم - سخت زہریلی ہوا، جو گرمیوں میں چلتی ہے اور جس کے اثر سے آدمی بیمار پڑتا ہے۔
ت **تپ رہے تھے** سخت گرم ہو رہے تھے
تخصیص - خاص کرنا۔
تازیانہ - کوڑا
خ **خلقت** - مخلوق، لوگ

تھی لومڑیاں زباں نکالے
اور لُو سے ہرن ہوئے تھے کالے

چیتوں کو نہ تھی شکار کی سُدھ
ہرنوں کو نہ تھی قطار کی سُدھ

تھے شیر پڑے کچھار میں سُست
گھڑیال تھے رودبار میں سُست

ڈھوروں کا ہوا تھا حال پتلا
بیلوں نے دیا تھا ڈال کندھا

بھینسوں کے لہو نہ تھا بدن میں
اور دودھ نہ تھا گئو کے تھن میں

گھوڑوں کا چھٹا تھا گھاس دانہ
تھا پیاس کا ان پہ تازیانہ

طوفان تھے آندھیوں کے برپا
اٹھتا تھا بگولے پر بگولا

آرے تھے بدن میں لو کے چلتے
شعلے تھے زمین سے نکلتے

تھی سب کی نگاہ سوئے افلاک
پانی کی جگہ برستی تھی خاک

پنکھے سے نکلتی جو ہوا تھی

د — **دستک**۔ تالی، ہاتھ پر ہاتھ مارنا
ڈھور۔ چوپائے ۔گائے بیل وغیرہ

ر — **ریگ**۔ ریت
رودبار۔ بڑی آبنائے۔ پانی کا وہ بڑا حصہ جو دو سمندروں کو ملاتا ہے۔

س — **سوا**۔ زیادہ
سوئے۔ طرف۔ سوئے افلاک۔ آسمان کی طرف
سانڈا۔ چھپکلی کی طرح کا ایک جانور جو بلو میں رہتا ہے۔ اور جس کا تیل نکالا جاتا ہے
سیری۔ سیر ہونا۔ آسودہ ہونا، جی بھر جانا

ص — **صحرا**۔ میدان۔ جنگل

ط — **طور**۔ ڈھنگ، وضع۔ طریقہ

ہ — **ہجوم**۔ بھیڑ۔ لوگوں کا مجمع۔

بادِ سموم سے ہوا تھی

سات آٹھ بجے سے دن چھپے تک
جانداروں پہ دھوپ کی تھی دستک

ٹٹی میں تھا دن گنوا تا کوئی
تہ خانہ میں منہ چھپاتا کوئی

بازار پڑے تھے سارے سنسان
آتی تھی نظر نہ شکل انسان

چلتی تھی دکان جن کی دن رات
بیٹھے تھے وہ ہاتھ پر دھرے ہاتھ

خلقت کا ہجوم کچھ اگر تھا
یا پیاؤ پہ یا سبیل پر تھا

پانی سے تھی سب کی زندگانی
میلا تھا وہاں جہاں تھا پانی

تھیں برف پر نیتیں لپکتی
فالودے پر رال تھی ٹپکتی

بچوں کا ہوا تھا حال بے حال
کمھلائے ہوئے تھے پھول سے گال

آنکھوں میں تھا ان کے پیاس سے دم
تھے پانی کو دیکھ کرتے مم مم

پانی دیا گر کسی نے لا کر
پھر چھوڑتے تھے نہ منہ لگا کر

تخصیص تھی کچھ نہ میری تیری
پانی سے نہ تھی کسی کو سیری
کل شام تلک تو تھے یہی طور
پر رات سے ہے سماں ہی کچھ اور

پُروا کی دہائی پھر رہی ہے
پچھوا سے خدائی پھر رہی ہے
برسات کا بج رہا ہے ڈنکا
اک شور ہے آسماں پہ برپا

(حالی)

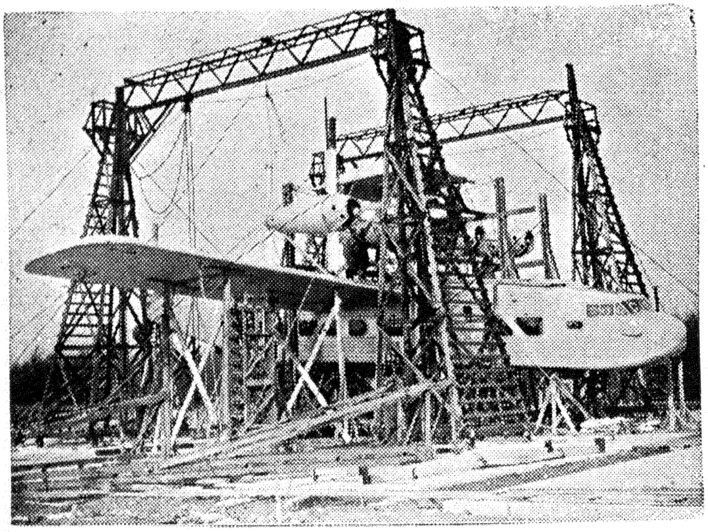

ایک بہت بڑا ہوائی جہاز کھلے میدان میں بن رہا ہے - اسمیں مسافروں
کے لئے بہت سے کمرے ہیں - اِن کمروں میں اُنکے
آرام و آسائش کا پورا انتظام ہوگا -

Calcutta Art Press, Delhi.

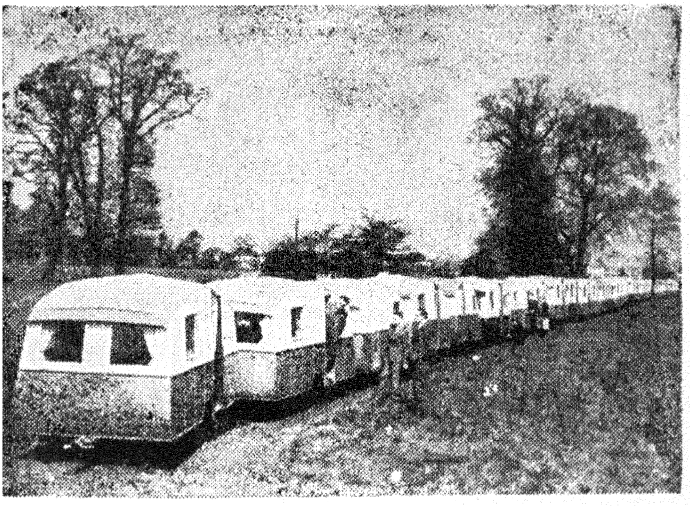

یہ نئے قسم کی گاڑیاں اسلئے بنائی گئی ہیں کہ چھٹی کے دن لوگوں کو
سیر و تفریح اور شکار کے لئے اِدھر اُدھر لے جائیں
اِنکی رفتار بھی بہت تیز ہوگی -

Calcutta Art Press, Delhi.

ہمارے ہیڈ ماسٹر صاحب کے دوست ڈاکٹر خاں گاؤں کے اسپتال میں مریضوں کا علاج کرتے تھے، ایک دن ہیڈ ماسٹر صاحب کو بخار آیا تو ڈاکٹر صاحب بلائے گئے، ڈاکٹر صاحب نے ہیڈ ماسٹر صاحب کو خوب دیکھ بھال کر دوا لکھ دی۔ اور آرام کرنے کی تاکید کر دی، اس دن ہیڈ ماسٹر صاحب درجے میں نہیں آئے، بلکہ لڑکوں کو اپنے پاس بلا لیا۔ اور کہا کہ آج میں بیمار ہوں، اس لئے تم کو پڑھا نہیں سکتا، لیکن ڈاکٹر صاحب نے مہربانی کر کے اس وقت میرا کام اپنے ذمے لے لیا ہے آج وہ تم سے گفتگو کریں گے، میں چاہتا ہوں کہ تم ان کی باتیں خوب غور سے سنو رہیں جب اچھا ہو کر تم کو پڑھانے آؤں گا تو تم سے وہ ساری باتیں پوچھوں گا جو آج ڈاکٹر صاحب تم کو بتائیں گے۔ اور جو اچھے اور صحیح جواب دے گا اس کو انعام دوں گا۔

اسکول کے بڑے کمرے میں یہ سب لڑکے جمع ہوئے، ڈاکٹر صاحب آکر بیٹھ گئے اور یوں بات چیت شروع ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب:۔ اچھا بتاؤ تکلیف کسے کہتے ہیں؟ اور آرام کس کو؟

ایک لڑکا:۔ کھیلیں تو آرام اور بیمار ہیں تو تکلیف

دوسرا لڑکا:۔ بیل گاڑی پر چلنے سے آرام اور پیدل چلنے سے تکلیف۔

تیسرا لڑکا:۔ گرمی میں تکلیف اور جاڑے میں آرام

چوتھا لڑکا:۔ نہیں جاڑے میں تکلیف اور گرمی میں آرام۔

پانچواں لڑکا:۔ سوال غلط ہو جائے تو تکلیف اور صحیح نکلے تو آرام۔

چھٹا لڑکا:۔ سب دن تکلیف اور اتوار کو آرام۔

اس پر سب نے قہقہہ لگایا، ڈاکٹر صاحب بھی

ہنسے اور پھر کہنے لگے .... اچھا یہ بتاؤ بیمار ہوجانا اچھا یا تندرست رہنا اچھا ؟

سب نے متفق ہوکر کہا ، تندرست رہنا اچھا ۔

ڈاکٹر صاحب :۔ اچھا یہ بتاؤ ، بیمار ہوکر تندرست ہونا اچھا یا بیمار ہی نہ پڑنا اچھا ۔

سب نے یک زبان ہوکر کہا :۔ بیمار ہی نہ پڑنا اچھا ۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا :۔ بالکل ٹھیک ، ہمارے تمھارے بزرگوں نے بتا دیا ہے کہ بیمار ہوکر اچھا ہونے سے بہتر یہ ہے کہ بیماری کو پاس نہ آنے دیں ۔

ایک لڑکا :۔ ڈاکٹر صاحب یہ بات تو میرے کچھ سمجھ میں نہیں آئی ۔

ڈاکٹر صاحب :۔ یہ تو بہت معمولی سی بات ہے تم نے غور نہیں کیا ، خیر میں ابھی تم کو سمجھائے دیتا ہوں ، کیا تم کبھی بیمار پڑے ہو ؟

لڑکا :۔ جی ہاں پچھلی ہولی کو پیٹ میں بڑا درد ہوا تھا کئی دن اسکول نہیں آیا ۔

ڈاکٹر صاحب :۔ درد کیوں ہوا تھا ؟

لڑکا :۔ کچوریاں اور کٹھل کی ترکاری بہت ساری کھا گیا تھا ، رات بھر کیچڑ اور رنگ کھیلتا رہا صبح کے وقت طبیعت خراب ہوگئی ۔

ڈاکٹر صاحب :۔ پھر کیا کیا ؟ ۔

لڑکا :۔ گاؤں میں وید جی رہتے تھے ، انھوں نے نہایت کڑوی دوا پینے کو دی ۔ سارا کھانا پینا بند کر دیا ، اور کھیلنے کودنے کی ممانعت کر دی

ڈاکٹر صاحب :۔ پھر کیا ہوا ؟ ۔

لڑکا :۔ اچھا ہوگیا ۔

ڈاکٹر صاحب :۔ لیکن اگر کچوریاں اور کٹھل کی ترکاری نہ کھاتے ، کیچڑ رنگ نہ کھیلتے اور رات بھر جاگتے نہ رہتے تو کیا ہوتا ؟

لڑکا :۔ بیمار نہ پڑتا ۔

ڈاکٹر صاحب :۔ اس سال ہولی میں کچوریاں اور کٹھل کی ترکاری کھاؤ گے ؟

لڑکا :۔ ہرگز نہیں ۔

ڈاکٹر صاحب :۔ آخر ہرج کیا ہے ۔

لڑکا :۔ بیمار ہوجاؤں گا ۔ بڑی تکلیف ہوگی کڑوی

کڑوی دوا پینی پڑے گی، کھانا کھیلنا بند ہوجائے گا، اور سبق میں بھی سب سے پیچھے رہ جاؤں گا۔

ڈاکٹر صاحب:۔ لیکن ہرج ہی کیا ہے! آخر میں تو اچھے ہو جاؤ گے۔

لڑکا:۔ اچھا تو ہو جاؤں گا لیکن اور ساری تکلیفیں کون جھیلے گا، اس سے تو اچھا ہے کہ بیمار ہی نہ پڑوں اتنے میں سارے لڑکے زور سے چلا اٹھے، اور کہنے لگے، "ڈاکٹر صاحب بھی تو یہ ہی کہتے ہیں"

وہ لڑکا خود اچھل اچھل کر تالیاں بجانے لگا۔

ڈاکٹر صاحب نے پوچھا، کیوں بھئی کیا سمجھے؟

لڑکا:۔ وہی بات بزرگوں والی۔

ڈاکٹر صاحب:۔ آخر ہم بھی تو سنیں۔

لڑکا:۔ بیمار ہو کر دوا کھانے سے بہتر یہ ہے کہ بیماری کو پاس نہ آنے دیں۔

انڈے کا استعمال

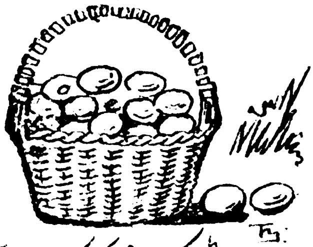

انڈا کھانے کے کام میں آتا ہے یعنی اس کی زردی اور سفیدی نکال کر باقی حصہ الگ پھینک دیا جاتا ہے، حالانکہ اس سے ایک اور قیمتی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ انڈے کے چھلکے کے اندر جو باریک سی جھلی ہوتی ہے وہ زخم یا بدن کے کسی جلے ہوئے حصے پر لگانے کے لئے بڑے قیمتی اور صاف مرہم کا کام دیتی ہے۔

جس جگہ کسی کے زخم ہو اس جگہ باریک جھلی لگانے سے بہت جلد فائدہ پہنچتا ہے، کیوں کہ جھلی زخم کے دونوں سروں کو ملا دیتی ہے اور باہر کے جراثیم کو زخم تک جانے سے روکتی ہے، اس طرح جھلی سے زخم کو فوری صحت میں بہت مدد ملتی ہے۔

محمد رشید الدین متعلم (لاہور)

تین دوست

(محمد رشید الدین صاحب متعلم اسلامیہ ہائی اسکول بھاٹی گیٹ، لاہور)

بہت دنوں کی بات ہے کسی شہر میں تین دوست رہتے تھے، شہزادہ، برہمن، بڑھئی ان میں ہر ایک کو ایک ایک ہنر آتا تھا، شہزادہ جب کبھی چاہتا نظر سے غائب ہو جاتا تھا۔ برہمن مردے کو زندہ کر سکتا تھا، اور بڑھئی صندل کی لکڑی کا ایسا گھوڑا بناتا تھا جو ہوا میں اُڑ سکے۔

ایک دن شہزادے کی بادشاہ سے کسی بات پر ان بن ہو گئی، بادشاہ نے شہزادے کو اپنے ملک سے نکال دیا۔

برہمن اور بڑھئی کو اس بات کی خبر ہوئی، تو انھوں نے کہا ہم بھی تمھارے ساتھ ہی جائیں گے بس وہ تینوں نکل کھڑے ہوئے اور جنگلوں ہی جنگلوں سفر کرنے لگے۔ مگر بد قسمتی سے شہزادہ اپنے دونوں ساتھیوں سے الگ ہو گیا۔ انھوں نے شہزادے کو بہتیرا ڈھونڈا مگر وہ ادھر اُدھر بھٹکتے رہے اور وہ نہ ملنا تھا نہ ملا۔

ادھر شہزادہ ایک ایسی خوفناک اور سنسان جگہ میں جا نکلا، جہاں آدمی اور جانور تو کیا کوئی پودا اور درخت تک نظر نہ آتا تھا، اُسے اس بھیانک میدان کو دیکھ کر وحشت تو ضرور ہوئی، لیکن کیا کرتا، چلتا ہی رہا آخر اس کو ایک رستہ سا دکھائی دیا، جس پر سے آدمیوں اور گھوڑوں کے پاؤں کے نشان نظر آتے تھے۔ شہزادہ اسی رستہ پر ہو لیا۔

بہت دیر تک چلنے کے بعد شہزادے کو ایک بہت ہی خوب صورت محل دکھائی دیا۔ محل کے قریب پہنچا تو دروازہ بند پایا، ہمت کر کے اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اور ایک بہت ہی خوب صورت شہزادی نے آکر دروازہ کھولا، جوں ہی شہزادی نے اُسے دیکھا وہ چلانے لگی۔ شہزادے نے پوچھا "کیوں کیوں خیر تو ہے تم چیخ کیوں رہی ہو"؟ شہزادی بولی اس لیے

کہ تم بہت ہی خوب صورت انسان ہو اور بادشاہی خاندان سے معلوم ہوتے ہو۔ مگر آہ یہ تمھاری زندگی کا آخری دن ہے۔ کیوں کہ اس ملک میں ایک خوف ناک دیو رہتا ہے۔ اس نے دو تین میل تک اس شہر کے ارد گرد کے لوگوں کو کھا لیا ہے جو یہاں آتا ہے پھر وہ واپس نہیں جاتا، تھوڑی ہی دیر میں وہ یہاں آجائے گا اور تمھیں کھائے گا۔"

شہزادے نے کہا تم بے فکر رہو میں اپنے کو غائب کر سکتا ہوں، جب دیو آئے گا میں غائب ہو جاؤنگا اور وہ مجھ سے کچھ نہ کہہ سکے گا۔"

یہ سن کر شہزادی کو خوشی ہوئی اور اس نے کھانا لاکر شہزادے کے سامنے رکھا وہ کئی دن کا تھکا ہوا تو تھا ہی کھانا کھاتے ہی سو گیا اور غائب ہو گیا۔

شام کو دیو محل میں آیا اور کھانا کھا کر شہزادی کو اپنے دن بھر کے کارنامے سنانے لگا۔ جب وہ اپنی تمام باتیں ختم کر چکا تو شہزادی نے کہا کہ "تمھاری جان کس چیز میں ہے" دیو نے پہلے تو بتلانے سے انکار کیا مگر شہزادی کے بے حد اصرار پر اس نے اُسے بتایا کہ اس محل کے شمال میں ایک کھجور کا درخت ہے اس میں میری جان ہے"۔

دوسرے دن جب صبح کو دیو پھر واپس چلا گیا تو شہزادی نے شہزادے کو دیو کی جان کے بارے میں سارا حال بتایا، وہ اسی وقت ایک تیز کلہاڑی لے کر اس درخت کی طرف چل دیا۔ اور جاتے ہی ایک کلہاڑی ایسی ماری کہ درخت دو ٹکڑے ہو کر گر پڑا، اسی وقت دیو کی لاش بھی اس درخت کے پاس زمین پر آ پڑی۔

دیو کے مرنے کی خبر بہت جلد پھیل گئی، جو لوگ اس دیو کے خوف سے اپنے گھر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے وہ پھر واپس آگئے اور رہنے سہنے لگے اور وہی زمین جو کچھ عرصہ پہلے چٹیل پڑی تھی پھر سرسبز نظر آنے لگی۔

اس شہر کے تمام لوگ شہزادے سے بہت خوش تھے، انھوں نے شہزادے سے کہا کہ وہ ان کے پاس ہی رہے اور ان پر حکومت کرے۔ چنانچہ وہ اس خوب صورت شہزادی کے ساتھ اسی محل میں رہنے لگا۔

ایک دن شہزادی اپنے سر میں کنگھی کر رہی تھی تو اس نے کنگھی ایک کھڑکی میں رکھ دی جاتے وقت اُسے کنگھی اُٹھانی یاد نہ رہی۔

کنگھی سونے کی تھی اور اس میں قسم قسم کے قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے، ایک کوا اُسے کھانے کی چیز سمجھ کر اپنی چونچ میں اٹھا کر اُڑ گیا۔ دوسرے ملک میں وہ کنگھی کوے کی چونچ سے ایک مکان میں گر پڑی۔

اس مکان والے نے اس کنگھی کو دیکھا تو بہت حیران ہوا، کیوں کہ اس نے اپنی تمام عمر میں کبھی ایسی کنگھی نہ دیکھی تھی۔ وہ اسے اپنے بادشاہ کے پاس لے گیا اور سارا قصہ بیان کیا، اس کنگھی پر شہزادی کا نام لکھا ہوا تھا، بادشاہ کو شوق پیدا ہوا کہ وہ شہزادی کو دیکھے۔ چنانچہ اس نے بہت سے آدمی اس کی تلاش میں روانہ کیے، تھوڑے ہی عرصے بعد وہ واپس آگئے۔ اور بادشاہ کو بتایا کہ شہزادی کہیں نہیں ملی، بادشاہ یہ سن کر بہت غمگین ہوا۔

اس وقت اتفاق سے ایک بوڑھی عورت جو شہزادی کو جانتی تھی، محل ہی میں تھی، وہ بھی اسی دیو کے ڈر سے بھاگ کر اس ملک میں آگئی تھی جب اس نے کنگھی دیکھی تو اس نے بادشاہ سے کہا "میں اس شہزادی کو جانتی ہوں اور یہاں لا سکتی ہوں۔"

بوڑھی عورت بادشاہ کے حکم سے شہزادی کے ملک میں گئی اور وہاں جا کر شہزادی کے محل میں نوکر بن کر رہنے لگی۔ ایک دن اس بوڑھی عورت نے شہزادے کے کھانے میں زہر ڈال دیا جس سے وہ مر گیا۔

شہزادی نے اپنے خاوند کی لاش ایک خوب صورت مخمل کے کپڑے میں لپیٹ کر صندوق میں بند کر کے ایک کمرے میں سنبھال کر رکھ دی، کیوں کہ اس نے شہزادے سے اپنے دوستوں کے بارے میں سنا تھا کہ وہ مردہ زندہ کر دیتے ہیں، وہ اب اسی امید میں تھی کہ شاید وہ دونوں یہاں آجائیں، تو شہزادہ پھر زندہ ہو جائے۔

کچھ عرصے کے بعد شہزادی شہزادے کی موت کو بھول گئی اور خوشی سے زندگی گزارنے لگی، بڑھیا

نے جب یہ دیکھا تو وہ شہزادی کو اس بادشاہ کے شہر میں لے گئی اور بادشاہ سے کہا "میں شہزادی کو آپ کے ملک میں لے آئی ہوں۔"

بادشاہ بڑھیا کے گھر گیا، شہزادی کو اپنے محل میں لے آیا، اور اس سے شادی کے لئے کہا شہزادی نے کہا "آپ مجھے چھ مہینے کی مہلت دیں چھ مہینے گذرنے پر میں آپ سے شادی کرلوں گی"

بادشاہ نے شہزادی کو ایک علیحدہ محل دے دیا، اور وہ اس میں رہنے لگی۔

ایک دن کرنا خدا کا کیا ہوا کہ شہزادی نے اپنے محل کی کھڑکی میں سے دو آدمیوں کو سڑک پر جاتے دیکھا، اس نے انھیں بلوا کر پوچھا، "تم کون ہو؟" ان میں سے ایک نے کہا "شہزادی صاحبہ ہم مسافر ہیں اور اپنے ایک دوست شہزادے کی تلاش میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔"

شہزادی انھیں محل میں لے گئی اور ان سے کہا "میں تمھیں بتا سکتی ہوں کہ تمھارا شہزادہ کہاں ہے یہ سن کر تمھیں افسوس ہوگا کہ وہ مر گیا۔ برہمن نے کہا "کچھ پروا نہیں میں اسے پھر زندہ کر لوں گا۔"

شہزادی نے کہا "تم یہ بات کسی پر ظاہر نہ کرنا، بادشاہ کو معلوم ہوگیا تو وہ تمھیں مار ڈالے گا کیوں کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اس سے چھ مہینے کی مہلت لی تھی مگر اب وہ مدت ختم ہونے والی ہے شہزادہ میرے محل میں ہے جو بہت دور ہے۔"

بڑھئی نے کہا "آپ کوئی فکر نہ کریں، بس تھوڑی سی صندل کی لکڑی کا انتظام کرا دیں میں اس سے ایک گھوڑا بناؤں گا، جو ہمیں بہت جلد وہاں پہنچا دے گا۔"

شہزادی نے بادشاہ سے صندل کی لکڑی منگا بھیجی۔

بادشاہ تو اسے خوش کرنا ہی چاہتا تھا فوراً لکڑی کا انتظام کرا دیا۔ بڑھئی نے چند ہی دنوں میں گھوڑا تیار کر لیا۔ گھوڑا پورے طور پر بن کر تیار ہو گیا، اور شہزادی، برہمن، بڑھئی تینوں اس پر سوار ہو گئے۔ اور ذرا کے ذرا میں دیو والے مکان

میں پہنچ گئے ۔

شہزادی نے شہزادے کی لاش صندوق میں سے نکالی، اور زمین پر ایک غالیچہ پر رکھ دی برہمن کچھ بڑبڑانے اور شہزادے کی لاش کے گرد چکر لگانے لگا۔ پورے سات چکر لگا چکا تو شہزادہ اٹھ کھڑا ہوا، محل میں دھوم مچ گئی بہت خوشیاں منائی گئیں شہزادے نے اپنے دونوں دوستوں کو بہت سی زمینیں اور دولت دی اور انہیں اپنے پاس ہی رکھا، اور خوشی خوشی اپنی ملکہ کے ساتھ محل میں رہنے اور ملک پر حکومت کرنے لگا۔

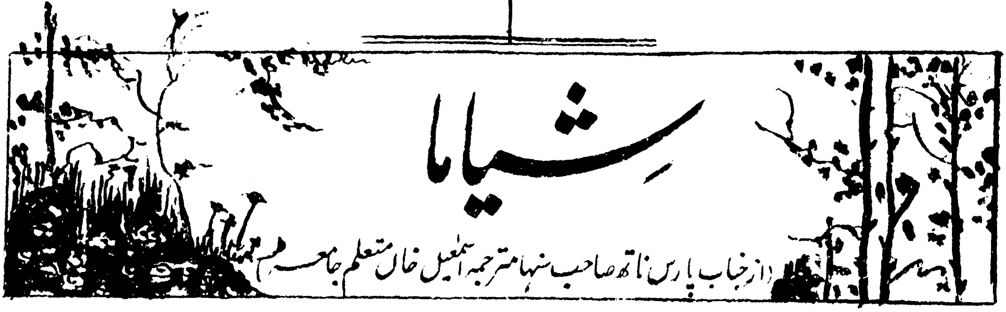

شیاما

(از جناب پارس ناتھ صاحب سنہا مترجمہ اسمٰعیل خاں متعلم جامعہ)

تم نے کبھی شیاما کا گانا سنا ہے، کیسی میٹھی اور سریلی آواز میں گاتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ دل کھنچا جا رہا ہے۔ گانے والی چڑیوں میں اس کا نمبر سب سے اعلیٰ ہے۔

یہ زیادہ تر آبادی سے دور ہی رہنا پسند کرتی ہے، لیکن اپنی میٹھی اور سریلی آواز کی وجہ سے جنگل کی آزادی سے اکثر ہاتھ دھونا پڑتا ہے، کلکتہ میں اس کی تجارت کافی ہوتی ہے اور وہاں سے ولایت تک بھیجی جاتی ہے، مگر شیاما امیروں کے یہاں پالی جا سکتی ہے اس کے کھانے کے لئے روز ستو اور چٹ پٹے کیڑے چاہئیں۔ ستو کے ساتھ ابلے ہوئے انڈوں کی زردی ہونا ضروری ہے، کیڑوں کا مسئلہ اس سے بھی مشکل ہے، کلکتہ میں تو کچھ لوگوں کا پیشہ ہی یہ ہو گیا ہے کہ وہ شیاما کے لئے کیڑے جمع کریں۔ یہ اپنی دال روٹی کے لئے روزانہ شیاما کے کھانے کے لائق کیڑے اور پتنگے پہنچا دیتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے کیڑے نہ مل سکیں تو کچھ

گوشت کی چھوٹی چھوٹی گولیاں بناکر دی جاتی ہیں شیاما جس طریقے سے پالی جاتی ہے اس سے بہت کچھ سدھرنے کی توقع رہتی ہے جس پنجرے میں لوگ اسے رکھتے ہیں وہ بہت چھوٹا ہوتا ہے، اور کپڑے سے ہر وقت ڈھکا رہتا ہے۔ دیکھئے ایسے پرندے کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہے۔ اگر اُسے قیدی بناکر رکھنا تھا تو کم سے کم اس کا قید خانہ (پنجرا) تو بڑا ہوتا۔ اور اس پر کپڑا تو نہ ڈھکا ہوتا، کہتے ہیں کہ پنجرے پر نقاب ڈالنے سے وہ اونچے سر سے گاتی ہے۔ لیکن اس کا ذرا بھی خیال نہیں کہ اس غریب پرندے پر وہ کتنا ظلم کر رہے ہیں اور اللہ کی طرف سے ان پر اس کا کتنا عذاب ہوگا۔ مزے اور لطف کی خاطر دوسرے جانوروں کو اس طرح ستانا نہیں چاہئے

شیاما زیادہ تر ہندوستان کے پہاڑی علاقوں میں پائی جاتی ہے اگرچہ زیادہ اونچائی پر نہیں۔ اس کا رنگ سیاہ اور دم کے پر کچھ سفید ہوتے ہیں، پر مادہ نر جیسی کالی نہیں ہوتی، اس کی دم بھی اتنی لمبی نہیں ہوتی۔

جب تک یہ آزاد رہتی ہے کیڑوں کے سوا کچھ نہیں کھاتی، اس کا گھونسلا بنانے کا وقت اپریل سے جون تک ہے۔ درخت کے کسی سوراخ میں گھاس پھوس اکٹھا کرکے اپنے دن کاٹتی ہے اکثر چار ہی انڈے دیتی ہے اور وہ دیکھنے میں کومل کے سے معلوم ہوتے ہیں۔

شیاما جھگڑالو چڑیا ہے، اس کی دوسروں سے بہت کم بنتی ہے۔ میاں بی بی کا بھی ایک پنجرے میں رہنا دشوار ہے۔

اپنی ماں کے ہاتھ سے پٹنے کی داستان

(از شفیق احمد قاضی اینگلو اردو ہائی اسکول بھیونڈی)

جس وقت ہماری عمر چھ سال کی تھی، ہم بڑے شریر واقع ہوئے تھے، چونکہ نا سمجھ تھے اور کسی چیز کی تمیز نہ تھی، ہماری اماں ہماری شرارت پر ہمیں خوب سزا دیتی تھیں۔ ایک روز ہم باورچی خانے میں بیٹھ کر سالن اور روٹی کھا رہے تھے، ہمارے سامنے جو سالن دھرا تھا اس سے ہماری طبیعت سیر نہ ہو سکی، ہماری اماں جان اس وقت باورچی خانے میں موجود تھیں مگر کچھ دیر کے بعد وہ کسی کام کی وجہ سے دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔ ہم نے ان کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاکر سالن کی گرم ہنڈیا میں سالن نکالنے کے لئے ہاتھ ڈال دیا۔ جب ہمارا ہاتھ جل گیا تو ہم چیخ اُٹھے، آ...... ارا...... اماں....

...م......... مم م .... میرا........

ہاٹ........ جل ڈیا۔ اماں جان نے یہ چیخ سنی وہ فوراً دوڑتی ہوئی باورچی خانے میں آئیں جوں ہی انھوں نے باورچی خانے میں قدم رکھا ہم پر برس پڑیں۔ اور ان کا ہاتھ گھڑی کے چکر کی طرح ہمارے گالوں پر کام کرنے لگا۔ ہم نے خیال کیا کہ اگر ہم نے ہنڈیا میں ہاتھ نہ ڈالا ہوتا تو یہ آفتیں نہ آئی ہوتیں۔ ایک تو اماں کے تھپڑوں سے ہمارا منہ لال ہونا۔ دوسرے اماں کے غصے اور بُرا بھلا کہنے سے ہمارے دل کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا تیسرے ہاتھ کا جلنا اور درد۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہوت ہے، ہم بھی خوب پھوٹ کر روئے۔

جب اماں جان مارتے مارتے تھک گئیں اور ہم نے رو رو کر معافی چاہی تو وہ رک گئیں۔ اور ہم چھوٹ گئے مگر ہاتھ کی جلن کم نہ ہوئی اس مصیبت اور تکلیف میں ہم کھانا بھول گئے، سچ تو یہ ہے کہ ہماری بھوک جاتی رہی کچھ دیر کے بعد ابا جان

دفتر سے آگئے۔ انھوں نے ہم سے تمام قصہ سن لیا تو ناراض ہوئے اور اماں جان کو بہت لعنت ملامت کی، ابا جان ہم سے محبت کرتے تھے، مگر اماں پر ان کی لعنت ملامت کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا وہ فوراً ہمیں دواخانہ لے گئے اور ڈاکٹر سے ہمارے ہاتھ پر مرہم لگوایا۔ خدا خدا کر کے پندرہ دن گذر گئے۔ اور ہمارے ہاتھ کا زخم اچھا ہوگیا، مگر ہماری شرارت کا وہی حال رہا، اماں جان شرارت نہ کرنے کی ہمیں پرزور نصیحت کرتی تھیں۔ ہم ان کے اکلوتے بیٹے تھے، اس لئے انھیں ہم سے بہت محبت تھی۔ کہتی تھیں بیٹا اگر شرارت نہ کرو گے اور مدرسے جایا کرو گے تو میں تمھیں کبھی نہ ماروں گی مگر ان کے کہنے کا ہم پر ذرا بھی اثر نہ ہوتا تھا۔ شرارت تو کبھی نہ چھوٹی، اور مدرسہ ہمیں قید خانہ معلوم ہوتا تھا۔ ایک دن اماں جان میز کے قریب بیٹھ کر انگریزی طریقے سے انگلی میں پیالہ پکڑے چائے پی رہی تھیں، ہمارے لئے بھی چائے کی ایک پیالی موجود تھی۔ اماں جان نے کہا۔ بیٹا تم چائے کو تشتری میں انڈیل کر اور ٹھنڈی کر کے پیو۔ ہم

نے کہا۔ نہیں اماں۔ ہم اسی طرح پئیں گے جس طرح تم پیتی ہو۔ اس پر اماں جان نے کہا دیکھو ضد نہ کرو، جو میں کہتی ہوں اس پر عمل کرو تمھاری کمزور انگلیاں پیالے کا بوجھ اٹھا نہ سکیں گی، اسی طرح اماں نے بہت کچھ کہا، انھوں نے یہ بھی کہا کہ اگر پیالی گر پڑی تو سخت سزا دوں گی مگر اس کی ہم نے مطلق پرواہ نہ کی اور پیالی انگلی میں اٹھالی، لیکن ہماری انگلی (جس کے زخم ابھی پوری طرح اچھے نہیں ہوئے تھے) اس گرم پیالی کا بوجھ اٹھا نہ سکی اور پیالی گر پڑی، گرم چائے ہمارے بدن پر گرنے سے آبلے پڑ گئے، اور پیالی زمین پر گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی، اب کیا تھا۔ اماں جان کے ہاتھ کا سگنل ہمارے منہ پر گر پڑا، وہاں سے اٹھا تو پیٹھ پر پڑا۔ ہم بہت روئے اور گڑگڑا کر معافی مانگی، مگر اماں نے ایک نہ سنی۔ ایکا ایکی ابا جان آگئے اور انھوں نے ہمیں چھڑایا اس وقت ہمارا منہ خوب لال ہو رہا تھا اور ہم نیم مردہ پڑے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد ابا جان نے ہمیں بمبئی پڑھنے کے لئے بھیج دیا اب ہم نے خیال کیا

کہ شرارت کا نتیجہ برا ہے اس لئے اس شغل کو چھوڑ دیا

پڑھنے کی کتابیں

عجائب خانہ سمندر

جس طرح ہماری خشکی کی دنیا میں ہزاروں لاکھوں عجیب غریب چیزیں ہیں جنھیں دیکھ کر یا جن کے بارے میں سن کر ہم تم سب حیران رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح پانی یا سمندر کی دنیا ہے اور یہ دنیا ہماری تمھاری دنیا سے بالکل ہی الگ ہے۔ خشکی کی دنیا کا کچھ حال تو ہمیں تھوڑا بہت معلوم بھی ہے، مگر پانی کی دنیا کے متعلق تو بہت ہی کم خبر ہے یورپ کے عالموں نے تو اس دنیا کی بڑی چھان بین کی ہے، اور نئی نئی باتیں معلوم کی ہیں مگر انھوں نے ان نئی اور مفید باتوں کا حال اپنی اپنی زبانوں میں لکھا ہے، ہماری تمھاری زبان اردو میں اب تک کوئی ایسی کتاب نہیں تھی، سید محمد عسکری صاحب نے بڑا کام کیا ہے کہ ان عجیب وغریب باتوں کو بچوں کے لئے بچوں کی زبان میں لکھا ہے، پوری کتاب دس بابوں میں ہے۔ پہلے باب میں سمندر کی وسعت اور سمندر میں جو عجائبات ہیں ان کی قسمیں بتائی ہیں، دوسرے باب میں سمندر کی گہرائی اور سمندر کی تہ کے باغات اور محلات کا بیان ہے، تیسرے میں جاندار عجائبات کی کہانی ہے، چوتھے میں ایسے حیوانات کا ذکر ہے جو ہیں تو حیوان مگر ان کی صورت پودوں اور پھولوں سے ملتی جلتی ہے غرض کہ آخر تک تمام باتیں بیان کی گئی ہیں۔ سید محمد عسکری صاحب نے کتاب بہت سہل اور صاف زبان میں لکھی ہے شاید تمھیں یاد ہو کہ اس کا ایک بڑا حصہ پیام تعلیم کے پچھلے نمبروں میں نکل چکا ہے اس لئے ہم نے اس کا حال یہاں تفصیل سے بیان نہیں کیا۔ عسکری صاحب نے یہ بہت اچھا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ پہلی کتاب ہے۔ امید ہے کہ اس سلسلے کی دوسری کتابیں بھی لکھ کر وہ اس سلسلہ کو جلد مکمل کر دیں گے۔

کتاب بہت اچھی چھپی ہے، ٹائٹل، سرورق، تو بہت ہی خوب صورت ہے۔ ۱۲ ؁ میں مکتبہ جامعہ سے ملے گی

محمدی بوا

مرزا فہیم بیگ صاحب چغتائی اردو کے بہترین لکھنے والوں میں ہیں، بچوں کی زبان تو ایسی بے ساختہ اور بے جھجک لکھتے ہیں کہ اپنے بچپن کی تصویر ہو بہو آنکھوں تلے پھر جاتی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنے بچپن کے حالات اسی زبان میں لکھے ہیں جو شریف گھروں میں بولی جاتی ہے پھر بچوں کی زبان تو بالکل وہی ہے جو وہ اپنے بچپن کے زمانے میں بولتے ہیں، مرزا صاحب کا جب وہ بالکل ہی ننھے منے سے تھے، پہلے پہل ریل میں بیٹھنا، اپنے مزے مزے کی باتوں سے ماں باپ کا جی خوش کرنا، پھر یکے کی سواری، یکے کا بڑے بڑے دریاؤں سے گذرنا اور ان کی بی اماں کا مارے ہول کے بدحواس ہونا اور منتیں مانگنا پھر ان کے باپ کا نوکری کے سلسلے میں گوالیار کے مختلف مقامات میں قیام ان کا چھوٹے سے بڑا ہونا۔ پھر ان کی کھلائی۔ محمدی بوا کی ان سے اور ان کی بہن سے دلی محبت، بوا کا ان پر جی جان سے قربان ہونا، اور ان کی سعادت مندی، غرض کتاب شروع سے آخر تک ایسی دلچسپیوں سے بھری ہوئی ہے کہ بار بار پڑھنے سے بھی طبیعت سیر نہیں ہوتی، بعض جگہ تو مرزا صاحب نے کمال ہی کر دیا ہے، جہاں انھوں نے محبت اور پیار یا غم کا منظر دکھایا ہے وہاں ان کی زبان اس قدر اثر میں ڈوبی ہوئی ہے کہ ہزار روکئے آنکھوں سے آنسو نکل ہی آتے ہیں۔ آخر میں ہمیں ایک شکایت ہے مرزا صاحب کی کتابیں اتنے اہتمام سے نہیں چھپتیں جتنے اہتمام سے انھیں چھپنا چاہیے۔ امید ہے کہ خود مرزا صاحب اور ان کی کتابوں کے چھاپنے والے آئندہ اس کا خیال رکھیں گے اس لئے کہ کتاب کتنی ہی اچھی ہو اگر اچھے لباس میں نہ ہو تو نظروں میں جچتی نہیں یہ کتاب بھی ۱۲ ؁ میں مکتبہ جامعہ سے مل سکتی ہے

انگلستان میں حال ہی میں ایک نوجوان کا انتقال ہوا ہے، اس کے پیٹ میں سے کوئی پانچ سو چیزیں نکلی ہیں، جن کا وزن پونے دو سیر کے قریب تھا، انھیں میں دو سو کے قریب کیلیں تھیں، علاوہ اس کے گراموفون کی سوئیاں کانٹے، چمچے، کنجیاں، چاقو، کارتوس تانبے کے سکے شیشے اور مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے بھی تھے۔

جزائر ہیرائڈز میں ایک جزیرہ سٹفا ہے اس میں ایسی چٹان ہے کہ جب ہوا اس میں داخل ہوتی ہے، اور اس کے سوراخوں میں سے گذرتی ہے، تو باجہ سا بجنے لگتا ہے، اور ایک قسم کا راگ پیدا ہوتا ہے یہ دنیا میں اپنے قسم کی ایک ہی چٹان ہے۔

بہت سے لوگ بیماری کے زمانے میں بستر پر لیٹے لیٹے تنگ آجاتے ہیں، مگر اب ایک نئی قسم کا بستر ایجاد ہوا ہے، جس پر بیمار لوگ چاہے کتنے دنوں تک لیٹے رہیں، انھیں ذرا بھی تکلیف نہ ہوگی۔ اس بستر پر کوئی مریض لیٹتا ہے تو اُسے آرام سا آجاتا ہے اور کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بیماری دور ہو رہی ہے، اس میں بھید یہ ہے کہ بے تار کی تار برقی (وائرلیس) کی روئیں اس بستر میں سے گذر کر مریض کے جسم میں داخل ہوتی ہیں، اس لئے اس پر لیٹنے سے گٹھیا کا درد جاتا رہتا ہے۔ آنکھوں کو بھی بہت فائدہ پہنچتا ہے۔

پیاز کاٹتے وقت اکثر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور بڑی تکلیف ہوتی ہے اصل میں پیاز سے ایک قسم کی گیس نکلتی ہے جو آنکھوں پر اثر کرتی ہے۔ اب ایک خاص قسم کا آلہ ایجاد کیا گیا ہے، جس کے منہ پر پیاز کو رکھ دیا جاتا ہے، جوں جوں پیاز کے چھلکے اترتے

جلتے ہیں گیس اس آلے میں داخل ہوتی جاتی ہے اور آنکھوں کو تکلیف نہیں پہنچتی ۔

ایک عجیب و غریب مشین ایجاد ہوئی ہے، جو برف پر ۱۲۵ میل فی گھنٹے کے حساب سے چلتی ہے ۲۵ فٹ لمبی ہے، اور دو سو گھوڑوں کی طاقت کے انجن کے ذریعے چلتی ہے، شکل ہوائی جہاز سے ملتی جلتی ہے۔ یہ مشین سڑک پر بھی چل سکتی ہے اس کے لئے صرف پہیوں میں کچھ ادل بدل کرنا پڑے گی۔ ہوائی جہاز کے پر یا بازو لگا دئے جائیں تو کوئی عجب نہیں کہ اڑنے بھی لگے ۔

انگلستان میں تیرہ سال کے ایک لڑکے نے ایک مشین گن ایجاد کی ہے۔ جو ایک منٹ میں گولیوں کے سو چکر چلا سکتی ہے، ایک جرمن نے اس ایجاد کا بھید معلوم کرنے کے لئے چھ ہزار روپے دینے چاہے تھے لیکن لڑکے نے انکار کر دیا

لندن کے چڑیا گھر میں ایک مرغ رکھا گیا ہے جس کے پر نہیں ہیں، سائنس جاننے والے حیران ہیں کہ اس کے پر کیوں نہیں نکلے، اور اس بات کی تحقیقات کر رہے ہیں ۔

امریکا میں ایک نوجوان لڑکی دو سال سے سو رہی ہے، اب تیسرا سال شروع ہے، کبھی کبھی وہ اپنے منہ کو حرکت دیتی ہے، گویا کچھ کہنے کی کوشش کرتی ہے مگر زبان سے کچھ نہیں نکلتا، پہلے اسے نتھنوں کے ذریعے پتلی چیزیں دی جاتی تھیں مگر اب پھلوں کا رس، انڈا اور دودھ دیا جاتا ہے یہ غذا منہ کے ذریعے دی جاتی ہے، ڈاکٹروں نے اسے جگانے کی بہت کوششیں کیں، مگر کامیابی نہ ہوئی تمہیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ لڑکی کا وزن بڑھ گیا ہے ۔

سو برس پہلے تمام دنیا میں نکلنے والے اخباروں اور رسالوں کی تعداد چار ہزار تھی، مگر اب نوے ہزار بتائی جاتی ہے ۔

اب تک مچھلیوں کی دس ہزار قسمیں معلوم ہوئی ہیں